ہر قدم روشنی

خورشید ناظر

بسم الله الرحمن الرحيم
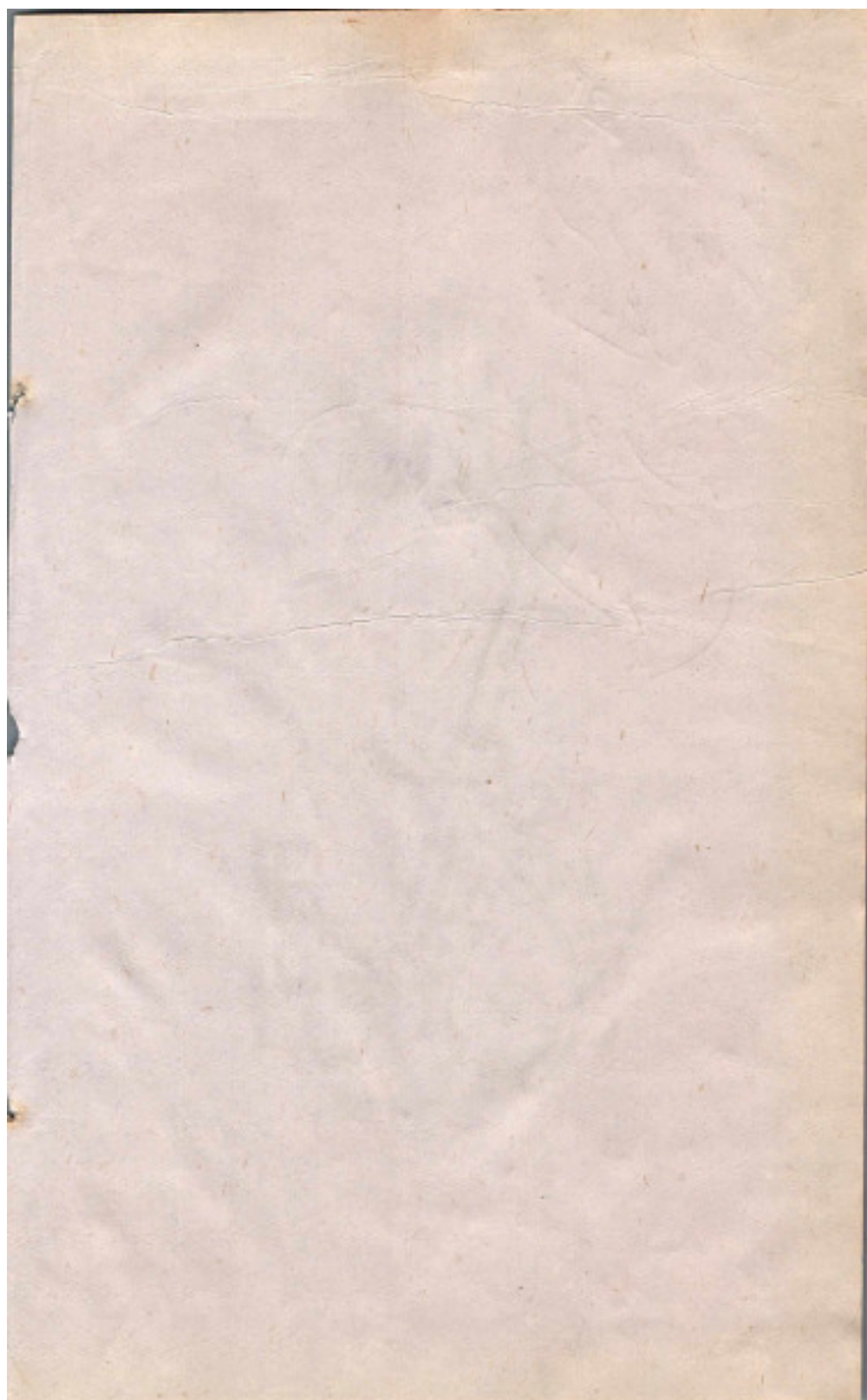
ہر قدم روشنی
خورشید ناظر
میاں محمد بخش پبلشرز

نام کتاب	ہر قدم روشنی
مصنف	خورشید ناظر
سرورق	کامران خان
کمپوزنگ	ابوذر خلیق
قیمت	-/300 روپے
سال اشاعت	2003ء
ناشر	ابوذر خلیق
اہتمام	پروفیسر نذر خلیق

میاں محمد بخش پبلشرز

محلہ رحیم آباد۔ خان پور

فون: 0707-73050-73945

E:Mail:-khaleeqkhanpur@yahoo.com

انتساب

اپنی تاریک ترین زندگی میں سے خوشبو اور روشنی میں ڈوبے ہوئے ان چند لمحوں کے نام جنہوں نے مجھے جینے کا ایک نیا انداز عطا کیا اور اپنے بے مثل آقا ﷺ کی بخشی ہوئی اُس سندِ غلامی کے نام جو میرے لیے تاجِ شہنشاہی سے بڑھ کر ہے۔

میں محمدؐ کا غلام ابنِ غلام
میری بخشش کی یہی روشن دلیل ہے

خورشید ناظر

7۔ جون 2003ء

کوائف

نام: ___________ خورشید احمد

قلمی نام: ___________ خورشید ناظر

والد کا نام: ___________ غلام نبی

تاریخ پیدائش: ___________ ۲ جنوری ۱۹۴۴ء

مقام پیدائش: ___________ بہاول پور

تعلیم: ___________ بی ۔ کام

تصانیف: ___________ ا) کلام فرید اور مغرب کے تنقیدی رویے (تنقید)

___________ ب) پانچ درسی کتب

زیر ترتیب کتب: ___________ ا) شعری مجموعہ

___________ ب) کلام فرید میں استعمال ہونے والے قوافی کا فنی جائزہ

شائع شدہ نگارشات: ___________ ا) ملک کے مختلف ادبی جرائد اور اخبارات میں

___________ تنقیدی مضامین

___________ ب) اخباری کالم

___________ ج) مدیر اعلیٰ "حروف" بہاول پور

ایوارڈ: ___________ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی طرف سے

___________ صد سالہ خواجہ فرید ایوارڈ

پتا: ___________ ۶۸۱ ۔ سی سیٹلائیٹ ٹاؤن، بہاول پور

___________ ٹیلی فون: ۰۶۲۱ـ۸۰۰۵۰

ترتیب

''ہر قدم روشنی''.......ایک جائزہ

ادباء، شعراء میں سے جتنے لوگوں کو حج کی سعادت ملتی ہے ان میں سے دس پندرہ فیصد لوگ سفر نامہ حج ضرور لکھتے ہیں۔ ان سفر نامہ ہائے حج میں سے ہر سفر نامہ نگار اپنے مزاج اور اپنی دلچسپی کے مطابق سفر نامہ لکھتا ہے۔ کسی کی توجہ جغرافیائی معلومات پر ہوتی ہے اور کسی کی تاریخی واقعات و حالات پر۔ کسی سفر نامے میں حج کے فرائض اور واجبات کو اہمیت دی جاتی ہے اور کسی سفر نامے میں خود سفر نامہ نگار اہم ہو جاتا ہے جبکہ ''ہر قدم روشنی'' ایک ایسا سفر نامہ ہائے حج ہے جس کا ایک ایک لفظ عقیدت اور محبت خدا ور سول میں ڈوبا ہوا ہے۔

''ہر قدم روشنی'' ہمارے بزرگ دوست خورشید احمد ناظر کا لکھا ہوا سفر نامہ ہے۔ خورشید صاحب 1998ء میں حج پر گئے تھے اور غالباً یہاں سے روانہ ہوتے ہوئے بھی ان کے ذہن میں سفر نامہ لکھنے کا خیال موجود تھا۔ میں سمجھتا ہوں اور کوئی سفر نامہ لکھا جائے یا نہ لکھا جائے لیکن سفر نامہ حج وقتاً فوقتاً لکھے جاتے رہنے چاہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر اس طرح کے سفر نامے ہمارے سامنے موجود ہوں تو ہم سرزمین حجاز خاص طور پر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بدلتی ہوئی کیفیات سے روشناس ہو سکتے ہیں۔ مثلاً میں ایک دو چیزوں کی طرف بطور خاص توجہ مبذول کرانا چاہوں گا خورشید احمد ناظر صاحب نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے۔

> ''ان معلومات اور مطالعے نے مجھے یہ فیصلہ کرنے میں مدد دی تھی کہ میں حج ریگولر سکیم کی بجائے سپانسر شپ سکیم کے تحت کروں اور رہائش کے لیے سرکار کے انتظام کے انتخاب کی بجائے اپنی رہائش کیلئے نجی طور پر انتظام کروں''(ص 33-34)

ظاہر ہے کہ اس وقت یہ بات ممکن تھی لیکن اب 2003ء کے انتظامات حج میں یہ بات ممکن نہیں رہی تھی۔ اس لیے کہ اس بار جتنے لوگوں نے سپانسر شپ سکیم کے تحت درخواستیں دی تھیں وہ سب مسترد ہو گئیں اور ہزاروں لوگ فریضہ حج کی سعادت سے محروم ہو گئے۔ اسی طرح

خورشید ناظر صاحب نے اپنے ساتھ ادویات لے جانے کا ذکر بھی کیا ہے۔ اُن کا جملہ ہے۔

''ہنگامی صورت حال کے لیے میں نے کچھ ادویات اپنے ساتھ رکھ لی تھیں'' (ص 60)

لیکن اب حاجی کو ڈاکٹر کے نسخے کے بغیر کوئی دوا ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں تھی بلکہ نسخے کے مطابق ادویات بھی حاجی کیمپ کے ڈاکٹر سے سیل بند کرانا پڑتی تھیں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جیسے زمانہ بدلتا ہے، صورت حال میں بھی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں مثلاً ایک زمانہ تھا جب خانہ کعبہ میں ''باب فہد'' نہیں تھا۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں مسجد نبوی آج کے مقابلے میں بہت چھوٹی مسجد تھی جبکہ آج آنحضرتؐ کے زمانے کا سارا مدینہ مسجد نبوی میں سما گیا ہے۔ اس بات کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال اور بھی دی جا سکتی ہے اور وہ یوں کہ ایک زمانہ تھا کہ جب مسجد نبوی میں آب زم زم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہوگا لیکن آج مسجد نبوی کا ہر حصہ آب زم زم کے کولروں سے معمور نظر آتا ہے یعنی اگر کوئی شخص مختلف زمانوں میں لکھے گئے سفر نامہ ہائے حج کا مطالعہ کرے تو اسے ان تمام مقدس مقامات کی تفاصیل مل سکتی ہیں۔

خورشید ناظر صاحب سے میری ملاقات 1978ء میں ہوئی تھی۔ دو چار ملاقاتوں ہی میں اندازہ ہونے لگا کہ وہ صاحب مطالعہ اور سلیقے سے گفتگو کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ پھر بیس سال بعد اچانک پتا چلا کہ وہ حج پر جا رہے ہیں گویا نماز روزے کے فرائض کے علاوہ دین سے اُن کی اس قدر دلچسپی میرے نزدیک ایک نئی بات تھی۔ لیکن پھر ایک اور نئی بات سامنے آئی اور وہ یہ کہ وہ آنحضرتؐ کا اسم گرامی لیتے ہی رونے لگتے ہیں۔ یہ اُن کی صاحب ایمان ہونے کی نشانی تھی۔ یہ تو گزشتہ سال اُن کے سفر نامہ حج کا مطالعہ کرتے ہوئے معلوم ہوا کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی بہت سی مہربانیاں ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ انہوں نے ٹی وی پر ایک نعت سنی نعت سنتے ہی رونے لگے اور اپنی زندگی کی پہلی نعت لکھی اور پھر انہیں زیارت رسولؐ کی سعادت حاصل ہوئی گویا جس خورشید ناظر کو ہم برس ہا برس سے ایک عام انسان کے طور پر جانتے تھے اُس کی پہچان یہ تھی کہ اس دنیا کی سب سے بڑی ہستیؐ اُن پر مہربان تھی، خدا کرے ہم سب کا نصیبہ اسی طرح جاگ جائے۔

ایسے میں خورشید ناظر نے حج کیا تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اُن کی کیفیت کیا ہوگی؟
بدقسمتی سے ہمارے ہاں حج کرنے کی بھی کئی صورتیں اور کئی وجہیں ہیں۔ مثلاً کچھ لوگ اس لیے بھی حج پر جاتے رہتے ہیں کہ وہ آتے جاتے ممنوع اشیا۔ یعنی ہیروئین وغیرہ کا کاروبار کر سکیں۔ اس کے علاوہ جدہ یا کراچی ایئر پورٹ پر کسی واپس آنے والی فلائیٹ کا مشاہدہ کریں تو پتا چلے گا کہ تقریباً ننانوے فیصد لوگ پی آئی اے کی طرف سے مجوزہ وزن سے کہیں زیادہ سامان لیے بیٹھے اور پریشان نظر آتے ہیں۔ میں حیران ہوا کہ ایک شخص تو مکہ معظمہ سے عام واٹر کولر بھی لے کر آیا تھا۔ ایسے حجاج بہت ہی کم ہوتے ہیں جو اس سفر کو صرف اللہ کے لیے اختیار کرتے ہیں۔
خدا کا شکر ہے کہ خورشید ناظر صاحب نے یہ سفر خریداری کے لیے نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کے لیے اختیار کیا تھا۔ اس حوالے سے بیگم کے ساتھ اُن کی طے شدہ شرط دیکھیے۔

> ''آپ مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں کسی شے کی خریداری نہیں کریں گی، ہم وہاں سے صرف کھجوریں، آب زم زم اور تسبیحات لائیں گے۔'' (ص 8)

میں نے کئی لوگوں کو دیکھا کہ وہ حج کے لیے مکہ معظمہ پہنچے لیکن انہیں فوراً ہی Home Sickness نے آلیا۔ میں ایک شخص کو جانتا ہوں جو بہت صحت مند ہونے کے باوجود ایک عمرہ بھی نہیں کر سکا تھا۔ ایک کے بارے میں سنا کہ وہ مکہ معظمہ میں اپنی رہائش پر پڑا بیوی بچوں کو یاد کرتا اور انہیں اپنے پاس بلانے کی سعی ناکام میں مصروف تھا جبکہ یہ سفر صرف اور صرف ایک شوق اور ایک تڑپ کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خورشید ناظر اسے کبھی خوشبو بھرے سفر اور کبھی خوشیوں بھرے سفر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُن کے ہاں اس سفر کی پہلی نماز اس سفر کا پہلا جمعہ اور اسی طرح دیگر تمام معاملات ایک عقیدت سے معمور عمل کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ مثلاً مکہ معظمہ پہنچتے ہی وہ اپنی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''میں نے اپنے اردگرد کے منظر پر نظر ڈالی، ہر شے مختلف، ہر شے حسیں، مجھے فضا نور سے بھری اور ایمان کی خوشبو سے مہکی مہکی محسوس ہو رہی تھی۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج کی صبح میری اب تک کی زندگی کی سب سے خوبصورت صبح تھی۔ (ص 29)

اسی طرح آگے چل کر لکھتے ہیں:

"آج کی نماز آج تک کی تمام نمازوں سے بالکل مختلف تھی کیونکہ آج کعبہ کالے کوسوں نہیں بصرف چند گز کے فاصلے پر بالکل میری نظروں کے سامنے تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر میں اپنی جگہ سے اُٹھنے کی بجائے بیت اللہ پر نظریں جمائے اُسے غور سے دیکھنے لگا۔"

(ص41)

اسی طرح مسجد نبوی میں اپنی نماز جمعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے ہزاروں مسلمانوں کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز جمعہ کو اپنی اس مسجد میں پہلی نماز کے طور پر عجیب کیف وسرور کے عالم میں ادا کیا ہے۔ میرے اردگرد ٹھاٹھیں مارتا ہوا انسانوں کا ایک پاکیزہ سمندر ہے جس میں، میں اپنے آپ کو ایک ننھی سی کشتی کی طرح تیرتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔" (ص76)

اور واقعہ یہی ہے کہ یہ سفر اسی جذبے اور اسی شوق کے ساتھ ہو سکے تو کیا ہی بات ہے؟ میں غور کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص مجھ سے اس سفرنامہ حج کی دو تین چیدہ چیدہ باتیں پوچھنا چاہے تو میرا پہلا جواب یہ ہوگا کہ اس سفرنامے کو صرف پڑھا نہ جائے بلکہ اسے اپنے لیے رہنما بنایا جائے۔ اس لیے کہ اس سفرنامے میں وہ تمام چیزیں آ گئی ہیں جن کی صاحب دل شخص کو ضرورت ہو سکتی ہے۔ مثلاً سفر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے پڑھنے والوں کے علم میں آ جاتے ہیں اور اس سفرنامے کو رہنما بنانے والا شخص کہیں غلطی نہیں کر سکتا مثلاً عام لوگوں کو تلبیہ تک معلوم نہیں ہوتا جبکہ خورشید ناظر صاحب نے تلبیہ کے ساتھ ساتھ ہر موقع کی دعائیں بھی لکھ دی ہیں۔ دعاؤں میں بھی عام مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ عربی دعائیں عام لوگ یاد نہیں کر سکتے اور ترجمہ انہیں معلوم نہیں ہوتا لہٰذا وہ جگہ جگہ مشکلات میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ خورشید ناظر صاحب نے یہ مشکل بھی حل کر دی ہے۔ اس سفرنامے کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سفر حج میں پیش آنے والے اور مذکور فرائض و مقامات کی تاریخ بھی دے دی ہے۔ مثلاً کوئی آدمی حج پر جائے اور اُسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ حطیم کیا ہے اور اس میں نوافل ادا کرنے کی کیا فضیلت ہے تو

حج تو ہو جائے گا لیکن وہ شخص ان فضیلتوں سے محروم رہے گا۔ اسی طرح کسی کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ حج یا عمرہ کرنے کے بعد سر کے چند بال قینچی سے کاٹنا، مشین پھروانے یا سر پر اُسترا پھروانے کی کیا حیثیت ہے اور آنحضرتؐ کو کونسی چیز سب سے زیادہ پسند تھی تو وہ شخص غلطی کر سکتا ہے یا زیادہ ثواب سے محروم رہ سکتا ہے۔

''ہر قدم روشنی'' کی تیسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں، صحابیوں، خلفاء، راشدین، امہات المومنین، اہل بیت اور خاندانِ رسولؐ کے زمانے کی تاریخ کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیمؑ اور خانہ کعبہ و مسجد نبوی کی بھی ساری تاریخ قاری کے علم میں آ جاتی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ تاریخ کا کوئی بھی واقعہ ایسا نہیں ہے جو اس سفرنامے کے بطن سے پھوٹتا نظر نہ آتا ہو یعنی یہ تمام واقعات سفرنامے کی وحدت کو نقصان نہیں پہنچاتے بلکہ اس حوالے سے مفید نظر آتے ہیں۔ یہاں پر ایک اور بات کہنا بھی ضروری ہے کہ خورشید ناظر صاحب نے اس سفرنامے میں جہاں واقعات کی ایک سے زیادہ روایات موجود تھیں، ان کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ مثلاً حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو خانہ کعبہ کے قریب چھوڑنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''حضرت سارہؑ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ وہ ہاجرہؑ اور اسماعیلؑ کو کسی ویرانے میں چھوڑ آئیں۔ آپ ان دونوں ماں بیٹے کو لے کر اس ویرانے میں چھوڑ آئے جہاں اب بیت اللہ ہے لیکن بعض مفسرین نے اس روایت سے اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کی ساری زندگی آزمائش ہی میں گزری، جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو ایک اور آزمائش میں ڈالا اور حکم ہوا، اسماعیل اور ان کی والدہ کو عرب کے ریگستان کے کسی بے آب و گیاہ مقام پر تنہا چھوڑ آؤ''۔ (ص 50)

''ہر قدم روشنی'' کی چوتھی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حج پر جانے والے لوگوں کو تقابل کے ذریعے سیرتِ نبوی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ہم اپنی عام زندگی میں چھوٹی چھوٹی مشکلات سے گھبرا کر ہاتھ اٹھا اور شکایات کے پلندے جمع کر لیتے ہیں مثلاً آج کا حاجی مکہ سے مدینہ منورہ یا

مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آرام دہ ایئر کنڈیشنڈ بس میں سفر کرتا ہے۔ اس کے باوجود اُسے انتظامات کی شکایت ہوتی ہے اور یہ شکایت خود خورشید ناظر صاحب نے بھی کئی جگہ کی ہے لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک کا پہلا سفر آنحضرتؐ اور اُن کے یارِ غار کے لیے کس قدر پُر خطر، خوفناک اور مشکل تھا لیکن آپ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں گھبرائے اور نہ ہی خوفزدہ ہوئے۔

اگرچہ خورشید ناظر صاحب کا لہجہ ملتان کے حاجی کیمپ، جدہ کے ایئر پورٹ کے ہال اور مکہ سے مدینہ کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے بھی تلخ ہے لیکن سعودی حکمرانوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کا لہجہ ہر جگہ تلخ تر ہو گیا ہے۔ خاص طور پر خورشید ناظر صاحب نے جنت البقیع والے حصے کا عنوان ہی درج ذیل رکھا ہے۔

عنوان ''دل نے ہر گام کئی زخم نئے کھائے ہیں'' اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ جنت البقیع میں زائرین کو ریت، گندم کے دانوں اور کبوتروں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا اور سعودی حکمرانوں نے تمام پاکیزہ شخصیات کی مبارک قبور کا نام و نشان تک مٹا دیا ہے۔ خورشید ناظر صاحب اس حوالے سے ذکر کرتے ہوئے بہت تلخ ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

> ''تم اگر اپنے عقیدے کو ہی درست سمجھتے ہو تو ضرور سمجھو۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ تم اگر اس کی اشاعت کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو لیکن لوگوں کو گردن سے پکڑ کر بزعم اختیار مجبور نہ کرو کہ وہ اس پر عمل کریں۔ تم صحابہ کرام، اہلِ بیت اور ہماری ماؤں کی قبور کو نشان کی حد تک تو باقی رہنے دو، وہاں بیشک اپنے مسلک کے مطابق تحریر کروا دو کہ فلاں عمل جائز اور فلاں بدعت ہے لیکن یوں نہ کرو کہ بنامِ بدعت تم نے انہیں جس طرح مٹا دیا ہے آہستہ آہستہ کسی کے علم میں ہی نہ رہے کہ یہاں کون کون دفن ہے اور ہاں ایک بات اور بھی یاد رکھو، دنیا اور یہاں کی ہر شے فانی ہے۔ جس طرح تم سے پہلے کی حکومتیں نہیں رہیں، تمہیں بھی آج نہیں تو کل اختیار سے ہاتھ دھونے ہی ہوں گے۔
> (ص 124-125)

اس طرح کے مقامات پر ایک حاجی کی بجائے سیاست دان ہوتا نظر آتا ہے اور یہ تو ہمارے علم میں ہے کہ خورشید ناظر صاحب سرکاری ملازم تھے تو اپنی یونین کے صدر تھے اور ملازمت سے الگ ہوئے تو اپنے علاقے کے کونسلر ہو گئے۔ گویا جگہ جگہ اُن کی لیڈری کی رگ پھڑکتی اور انہیں کچھ نہ کچھ کہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہاں میں اپنی رائے کا اظہار کرنے سے گریز کرتے ہوئے صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ در حقیقت ان جملوں میں لیڈر کے ساتھ ساتھ ایک سچی عقیدہ و مخلص ہوتا نظر آتا ہے۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ اس تلخی میں بھی حکمت کی کئی باتیں چھپی ہوئی ہیں۔

''ہر قدم روشنی'' کا سب سے خوبصورت پہلو یہ ہے کہ ہر حاجی اپنے ایک سفر حج میں صرف ایک حج کرتا ہے لیکن خورشید ناظر صاحب نے اپنے 1998ء والے ایک ہی حج میں دو حج کیے ہیں۔ ایک وہ حج جس کے لیے وہ بہاول پور سے ملتان، ملتان سے کراچی، کراچی سے جدہ، جدہ سے مکہ، مکہ سے مدینہ، مدینہ سے پھر مکہ اور پھر منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور مزدلفہ سے واپس منیٰ کا سفر کرتا ہے لیکن اُن کا اس سے بھی بڑا سفر حج وہ ہے جو انہوں نے اپنی خیالی دنیا میں آنحضرتؐ کی معیت میں اختیار کیا ہے۔ اس سفر کی خصوصیت اول یہ ہے کہ یہ سفر آنحضرتؐ کے ساتھ اختیار کیا گیا اور دوسرا یہ کہ آنحضرتؐ کے ساتھ سفر کرنے والے صحابہؓ کرام کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی لیکن اب اُس میں مزید ایک حاجی کا اضافہ ہو گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں جتنے سفر نامہ ہائے حج پڑھے ہیں''ہر قدم روشنی''اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔

''ہر قدم روشنی'' کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ باقی سارے سفر نامہ ہائے حج بیانیہ تکنیک میں لکھے گئے ہیں جبکہ ''ہر قدم روشنی'' کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ تلازمہ خیال یعنی **Association Of Ideas** کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ مثلاً خورشید ناظر صاحب کسی ایک جگہ تشریف فرما ہیں مثال کے طور پر جنت البقیع میں پہنچتے ہی اُن کے ذہن پر جن خیالات کی یلغار ہوتی ہے وہ انہیں بے کم و کاست پیش کرتے چلے جاتے ہیں اور اس تکنیک کے ذریعے جنت البقیع کی اہم ترین مدفون شخصیات اور اُن کی زندگیاں ہمارے سامنے آ جاتی ہیں۔ یہ تکنیک خورشید ناظر صاحب نے کسی ایک جگہ نہیں برتی بلکہ سارا سفر نامہ اسی تکنیک

میں لکھا گیا ہے۔

جہاں تک ''ہر قدم روشنی'' کی لفظی خصوصیات کا ذکر ہے تو میں اولین بات یہ کہنا چاہوں گا کہ غالباً یہ واحد سفر نامہ حج ہے جس کے تمام عنوانات موزوں ہیں مثلاً چند ایک عنوانات دیکھیے۔

1: جس پہ بیداری تصدق وہ مجھے نیند ملی

2: یہ زمیں وہ ہے جہاں رحمت برستی ہے

3: عظیم تر ہے ترا شہر، تیرا گھر مولا۔

4: سجدۂ شوق کروں یا ترا جلوہ دیکھوں۔

5: در اقدس پہ غلام ابن غلام آیا ہے۔

6: یہ وہ نگری جس میں روشن روشن چہرے رہتے ہیں، وغیرہ

ہم جانتے ہیں کہ خورشید ناظر صاحب نثار ہی نہیں بلکہ شاعر بھی ہیں لہٰذا اس سفر نامہ حج میں جگہ جگہ ان کے نعتیہ اشعار اور ایک آدھ جگہ تضمین کی صورت بھی نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ خورشید ناظر صاحب کے ہاں جگہ جگہ تخلیقی جملے نظر آتے ہیں مثلاً خورشید ناظر صاحب حلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اُس کا خیال تھا کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں لیکن اسے کیا معلوم
کہ ہمیں سیدھا راستہ تو نظر ہی اب آیا ہے۔'' (ص58)

خورشید ناظر، آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''اہل ایمان کے دل کھل اُٹھے تھے جبکہ خدا اور اس کے رسولؐ
کے دشمنوں کے دلوں میں زخموں کی فصل کاشت ہو گئی تھی۔'' (ص65)

اسی طرح خورشید ناظر صاحب اپنی تحریروں میں جگہ جگہ تشبیہات، استعارات اور دیگر صنائع بدائع کا استعمال کرتے ہوئے اپنی تحریروں کو پُر اثر اور رنگین بناتے چلے جاتے ہیں مثلاً چند جملے دیکھیے۔

''مجھے یوں لگا جیسے میں ایک چھوٹی سی ندی ہوں جس کے آگے دنیاداری کا بند باندھ دیا گیا تھا اب یہ بند ٹوٹ گیا ہے اور میں ایک پُر کیف روانی کے ساتھ اپنے جیسی اور بہت سی ندیوں

میں آن ملا ہوں جو ہم رنگ، ہم آہنگ، اور یک جا ہو کر ایک دریا کی شکل اختیار کر چکی ہیں اب یہ دریا ایک شان و شوکت کے ساتھ سمندر کی جانب بڑھ رہا ہے جو اُس کی منزل مقصود ہے۔'' ص 13

''میں نے محسوس کیا کہ سیاہیوں میں ڈوبا ہوا میرے دل کا آئینہ مزید صاف ہونے لگا'' (ص 16)

''میرے رسولؐ نے آنکھ کھولی بچپن اور جوانی گزاری خوشیاں دیکھیں ان گنت دکھ اُٹھائے اور تاریکیوں کے صحرا میں روشنی کا وہ مینار تعمیر کیا جس نے پوری دنیا کو روشن کر دیا ہے'' (ص 24)

''تیرے سینے پر مسجد نبوی کا چاند چمک رہا ہے جہاں ایک نماز کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر ہے۔'' (ص 65)

اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ ''ہر قدم روشنی'' ایک ایسا سفر نامہ ہے جو عقیدت میں ڈوبا ہوا اور ایک نئی ٹیکنیک میں لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ میری رائے میں حج پر جانے والے ہر خوش نصیب کو اس سفر نامہ حج کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد
صدر شعبہ اردو و اقبالیات
اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

پہلی بات

میں نے یہ کتاب لکھی نہیں بلکہ یہ مجھ سے لکھوائی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح کی کتب علم کی بنیاد پر نہیں، عشق اور جذبے ہی کی روشنی میں تحریر ہوتی ہیں۔ میں نے اس کتاب کو سفرنامۂ حج کے طور پر شروع کیا تھا لیکن بعد میں اس میں ایسا پسندیدہ مواد خود بخود شامل ہوتا گیا جس کے باعث اصناف ادب کا ادراک رکھنے والے قاری کے ذہن میں یہ سوالات ضرور ابھریں گے کہ اس کتاب کا موضوع کیا ہے اور اسے کون سی صنف میں شمار کیا جائے گا؟ ہر چند یہ اہم سوالات ہیں لیکن میں جو اس کتاب کا مصنف ہوں ان اہم سوالات کا جواب دینے کی بجائے یہ کام اہل دل، اہل نظر اور اہل نقد پر چھوڑتا ہوں البتہ یہ بات اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب کا ایک ایک لفظ اللہ پاک، اس کے آخری رسول ﷺ، امہات المومنینؓ، صحابہ کرامؓ، اہل بیتؓ اور مقامات مقدسہ کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔

اس کتاب سے پہلے میری ایک کتاب ''کلام فرید اور مغرب کے تنقیدی رویے'' کے نام سے منظر عام پر آ چکی ہے جس پر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور نے مجھے صد سالہ فرید ایوارڈ دیا ہے۔ شاعری کے علاوہ بہت سے تنقیدی اور تحقیقی مضامین، اخباری کالم، ریڈیو کے لیے بہت سی تحریریں اور چھوٹی جماعتوں کے لیے چند درسی کتب بھی لکھ چکا ہوں لیکن میں اپنی کسی بھی تحریر پر مکمل طور پر مطمئن نہیں ہو پایا۔ اس کتاب کو تحریر کر کے مجھے جو اطمینان ملا ہے، اس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں۔

اس کتاب کا خاکہ میرے ذہن میں اس وقت روشن ہوا تھا جب میں اہلیہ کے ساتھ

حج بیت اللہ کے لیے سعودی عرب گیا۔ سفرِ حج سے پہلے چند سفرناموں سمیت حج سے متعلق کئی کتب دیکھیں لیکن یہ کتاب جس انداز میں لکھی گئی ہے، ان موضوعات پر لکھی جانے والی کتب کے مصنفین کی توجہ اس طرف نہیں جا سکی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر اس کا قاری کسی بھی پہلو سے اس میں کوئی تشنگی محسوس نہیں کرے گا۔

میں یہاں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نہ تو عالمِ دین یا سیرت نگار ہوں اور نہ ہی مورخ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی پر کرم اور اس کا رسول ﷺ اسے اپنی رحمتوں سے سرفراز کرتا ہے تو اس سے وہ کام بھی خوبی کے ساتھ مکمل کرا لیا جاتا ہے جو حقیقتاً اس کی صلاحیت سے باہر ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ یہی قابلِ رشک معاملہ ہوا ہے۔ میری دانست میں یہ کتاب بنیادی طور پر سفر نامۂ حج ہے لیکن اس میں سیرت رسول پاک ﷺ، سیرت امہات المومنینؓ، سیرت سیدنا ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، تذکرۂ اہل بیتؓ، تاریخی مقامات اور تاریخ کی کچھ ایسی تفاصیل اور حوالے یکجا ہو گئے ہیں کہ اسے پڑھنے والے ہر قاری کو ضرور خوشی ہوگی۔ مزید یہ کہ اس کتاب میں تاریخ اسلام کے چند پہلوؤں پر میری طرف سے رائے کا کچھ اس طرح اظہار ہو گیا ہے کہ اس طرح کا اظہار اس سے پہلے اس سلسلے میں کہیں نظر نہیں آتا۔ مجھ سے یہ کام اتفاقاً نہیں بلکہ اس لیے ہو گیا کہ میں نے زندگی میں جو بھی مطالعہ کیا ہے اسے بہر لحاظ سنجیدگی سے کیا ہے اور یہ آراء اسی سنجیدگی کا ثمر ہیں۔ میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ اس قسم کی کتب کی اساس کیونکہ ذاتی مطالعے، مشاہدے اور غور و فکر پر رکھی جاتی ہے اس لیے ایسی کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کو مطالعہ کرنے کے اپنے ذاتی پیمانوں سے ہٹ کر انہیں زیرِ مطالعہ لانا چاہیے ورنہ وہ اس کارِ خیر میں ان کتب کے ساتھ انصاف نہیں کر پائے گا۔ اس کتاب کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ حج بیت اللہ پر جانے والے حضرات اگر اپنے سفر سے پہلے اس کا مطالعہ کر لیں تو انہیں اس عظیم سفر میں قابلِ قدر سہولت ہوگی۔

سفر نامۂ حج ایک ایسا موضوع ہے جس پر قلم اٹھانے کا تمام تر انحصار اللہ کریم اور اس

کے رسول عظیم ﷺ کے کرم اور مصنف کے ذاتی مشاہدے اور مطالعے پر ہوتا ہے اس لیے اس کے مصنف سے یہ توقع کرنا کہ اس کی ترتیب و تکمیل قاری کے احساسات و جذبات کے عین مطابق ہو، میرے نزدیک یہ کوئی مناسب بات نہیں۔ یہ ایک ایسا پسندیدہ موضوع ہے جس پر اپنے اپنے وقت کے مشاہیر اور صاحبانِ علم و فضل کامیابی کے ساتھ قلم اٹھاتے رہے ہیں اور اس ذیل میں بہت سے عمدہ سفرنامے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ میرے خیال میں اس موضوع پر تا قیامت تحریریں نہ صرف معرضِ وجود میں آتی رہیں گی بلکہ ان میں اچھوتے اور قابلِ توجہ خیالات کا اظہار بھی ہوتا رہے گا اس لیے اگر کوئی مصنف یہ دعویٰ کرے کہ اس کی کاوش اچھوتا انداز لیے ہوئے قاری تک پہنچی ہے تو اس کے اس دعوے کو درست تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں بھی نہایت عاجزی کے ساتھ اسی قسم کا دعویٰ کر رہا ہوں تاہم علمی، تاریخی یا کسی حوالے سے اس کتاب میں کسی کو کوئی کمی یا کوتاہی نظر آتی ہے تو دلیل کی بنیاد پر میں اس کمی یا کوتاہی کو نہ صرف رفع کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کروں گا بلکہ نشاندہی کرنے والے کے لیے سراپا سپاس بھی رہوں گا۔

اس کتاب کی تحریر کے دوران میں چند ایسے موڑ بھی آئے جہاں مجھے اپنی یادداشت کی روشنی میں لکھی ہوئی باتوں کی تصدیق کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ یہ باتیں ایک عرصہ قبل مستند کتابوں میں میرے زیرِ مطالعہ آئی تھیں۔ تصدیق کے اس عمل میں میرے بیٹے نعیم نبی نے مجھے مطلوبہ کتب فراہم کیں۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ علم و ادب سے اس کی وابستگی کو راسخ فرمائے اور وہ دنیا اور آخرت میں بے حد عزت پائے۔ میں اپنے دوست سید اسرار حسین شاہ صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے کتاب کو میری تسلی کے مطابق کمپوز کیا۔ اللہ کریم انہیں جزائے خیر دے اور ان کی عزت میں اضافہ فرمائے۔ میں اپنی اہلیہ زینب خورشید کے لیے بھی دعا گو ہوں جنہوں نے اس کتاب کو نہ صرف مکمل کرنے پر اصرار کیا بلکہ تحریر ہو جانے والے حصوں کو بصد اشتیاق باقاعدگی سے سن کر وہ مجھ میں تا حصولِ مقصود اس سفر کو جاری رکھنے کا حوصلہ پیدا کرتی رہیں اور آخر میں میں اپنے پیارے بھائی پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد، چیئرمین شعبۂ اردو اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے

لیے دعا گو ہوں جنہوں نے اس کتاب کے ایک ایک لفظ کو نہایت توجہ سے پڑھا، پروف ریڈنگ میں میری مدد کی، مجھے اچھے اچھے مشورے دیے۔ میری اس تحریر کو بہر لحاظ عمدہ قرار دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ اللہ کریم انہیں اس دنیا اور آخرت کے بھی امتحانوں میں کامیاب فرمائے۔

خورشید ناظر

۶۸۱۔سی، سیٹلائیٹ ٹاؤن

بہاول پور

جس پہ بیداری تصدق وہ مجھے نیند ملی

(ایک خواب ۔۔ بہاول پور سے ملتان، ملتان سے کراچی اور وہاں سے جدہ کے لیے روانگی)

جوانی کے دن، نماز نہ زکواۃ۔ روزے کا یہ عالم کہ اسے فاقے ہی کا نام دیا جا سکتا ہے البتہ زندگی میں ایک عمل کو ہمیشہ اپنی گرفت میں رکھا کہ دانستہ کسی کے دل کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ آج جب پیچھے مڑ کر اپنی زندگی کو دیکھتا ہوں تو جز ہر قسم کے گناہوں کے کچھ نظر نہیں آتا۔ دل میں ندامت اور آنکھوں میں اشکوں کے سوا کچھ نہیں۔ سوچتا ہوں کہ روز حساب کون سے اعمال لے کر رب عظیم کے سامنے جاؤں گا، ہاں مگر اطمینان کی دو باتیں۔۔۔۔ پہلی یہ کہ میرا اللہ غفور الرحیم ہے اور وہ مجھے رسول امی ﷺ کا امتی ہونے کے ناتے بخشش سے ضرور سرفراز کرے گا اور دوسری یہ کہ میرے دل میں اپنے آقائے نامدار ﷺ کے لیے محبت اور عقیدت کا جو سمندر موجزن ہے اس کا ایک ایک قطرہ نار جہنم کو میرے لیے ٹھنڈا کرنے کے ضرور کام آئے گا۔

دسمبر ۱۹۷۶ء کی بات ہے جب میں ضلع بہاول نگر کے ایک تحصیل ہیڈ کوارٹر پر ایک معمولی آفیسر کے طور پر کام کرتا تھا۔ چھوٹا شہر، چھوٹی سوسائٹی، چھوٹی باتیں۔۔۔۔ تنہا رہتا تھا اس لیے مطالعہ کرنے، شاعری کرنے اور تنقیدی مضامین لکھنے کا عمل ہمیشہ رات گئے شروع کرتا اور جب تک نیند کی دیوی تھپکی دے کر سلا نہ دیتی، یہ کام جاری رہتے۔ کلب سے رات گئے واپس آیا، ٹیلی ویژن آن کیا تو کوئی صاحب نعت رسول مقبول ﷺ پڑھ رہے تھے۔ کلام اور ان کے پڑھنے کا انداز دونوں ایسے دل پذیر کہ بے ساختہ آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے۔ نعت ختم ہوئی، میں

نے قلم اٹھایا اور زندگی کی پہلی نعت کہنے لگا۔ شعر کہتا اور زار و قطار روتا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میرے دل سے سیاہیوں کی پرتیں آہستہ آہستہ اترتی جا رہی ہیں۔ نجانے کب میں نیند کی وادی میں جا پہنچا۔۔۔۔ اور یہ وہی نیند ہے جس پر میری لاکھوں بیداریاں قربان۔ اس نیند نے مجھے میری زندگی کے عظیم ترین لمحے عطا کیے، ایسے لمحے جن پر میں، میری اولاد، میرا گھر سب قربان۔۔۔۔ کاش یوں ہوتا کہ میں اس نیند سے کبھی بیدار نہ ہوتا کیونکہ اس کے عطا کیے ہوئے ایک لمحے پر میں اپنی لاکھوں زندگیاں قربان کر دوں تو بھی سودا گھاٹے کا نہیں۔ مجھے زندگی میں ان گنت ایسی کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں جن پر رشک کیا جا سکتا ہے، ایسی خوشیاں ملی ہیں جن کا سرور زندگی کے آخری سانس تک مسرور کر سکتا ہے لیکن اس نیند کا احسان، اس کی لذت، اس کا سرور، اس کی مستی، اس کی خوشبو، اس کا احساس اور اس کا خیال ایسا ہے کہ ذہن میں آتے ہی نجانے آنکھوں میں کہاں سے پانی کی بوندیں نمودار ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور پھر ان لمحات پہ غرور کے سمندر میں اس عاجزی کے ساتھ اترنے لگتا ہوں کہ میں جتنا جھکتا جاتا ہوں میرا قد اتنا ہی بلند ہوتا جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرا سر آسمان سے ٹکرانے لگا ہے۔ اس نیند نے مجھے ایک خواب بخشا۔۔۔۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی مسجد ہے جس میں ایک نہایت باوقار شخص تشریف فرما ہیں۔ چہرہ نورانی اور ریش مبارک سفید ہے۔ کوئی کتاب پڑھ رہے ہیں۔ میں ان کے سامنے نہایت ادب سے سر جھکائے بیٹھا ہوں۔ وہ اس کتاب کو پڑھتے ہیں اور مجھے اس کا مفہوم سمجھاتے ہیں۔ یک لخت وہ کتاب کو بند کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھڑے ہوتے ہی مجھ سے مخاطب ہوتے ہیں "تعظیم، نبی اکرم ﷺ تشریف لاتے ہیں"۔۔۔۔ ماحول معطر ہو جاتا ہے۔ میں فوراً کھڑا ہو جاتا ہوں، مڑ کر دیکھتا ہوں، میرے آقا ﷺ سفید لباس میں ملبوس انتہائی وقار کے ساتھ چلتے ہوئے ہمارے بالکل قریب تشریف لا چکے ہیں۔ میری گردن اس جلوہ، بے مثال، اس حسن بے بدل، اس انسان کامل کے ادب میں خود بخود جھک جاتی ہے اور گردن کے جھکتے ہی میری بند مجھے اس بیداری کے عالم میں لا پھینکتی ہے جس کا ایک ایک پل اب پھیکا، بے مزہ اور حقیر ہو کر رہ

گیا ہے۔ نیند سے بیدار ہو کر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہوں، درود تاج پڑھتا ہوں، روتا ہوں، پھر درود پڑھتا ہوں اور اسی عالم میں کچھ وقت گزرتا ہے کہ مسجدوں سے اذانِ فجر کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ چند لمحے میری زندگی کا حاصل اور میری عمر کا سرمایہ ہیں جن کی لذت اور خوشبو مجھ سے ایک لمحے کو بھی جدا نہیں ہوگی اور یقین ہے کہ میں میدانِ حشر میں اسی لذت اور خوشبو کی دولتِ بے بہا کے ساتھ جاؤں گا۔

آج جب میں اُن بے مثال لحات، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مجھ پر کیے جانے والے احسانات کا جائزہ لیتا ہوں تو حیرت زدہ رہ جاتا ہوں کہ مجھ تاریکی میں ڈوبے ہوئے نادان انسان پر روشنی کے ان گنت دریچے کیوں کھول دیئے گئے، گناہوں کی دلدل میں دھنسے ہوئے مجھ حقیر انسان کو اس قدر سرفراز کیوں کیا گیا، مجھ بے عمل شخص کا وہ کون سا عمل ہے جس نے مجھے خوشبوؤں کے اس سمندر کا حق دار بنا دیا جس کی قیمت کائنات میں موجود بھی اثاثے نہیں چکا سکتے۔ سالہا سال کے غور وفکر کے بعد بھی جب میں خود میں کسی خوبی کی تلاش میں ناکام ہو جاتا ہوں تو اللہ کی کریمی اور آقائے امی ﷺ کی عطا پر میرا ایمان اور پختہ ہو جاتا ہے۔

اس خواب نے میری زندگی پر جہاں اور بہت سے اثرات مرتب کیے وہاں اس نے ایک تڑپ کو میری ذات اور شخصیت کا حصہ بنا دیا جس کے زیرِ اثر میں ہمیشہ یہی دعا کرتا رہا، اے ربِ قدیر! میں بے عمل و بے مایہ انسان ہوں، مجھے اس قابل کر دے کہ تیرے عظیم گھر یعنی بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ پر حاضر ہو سکوں۔ میں نے اسی صبح یہ عہد کیا کہ بشرطِ منظوری یہ حاضری میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہوگا اور پھر اس عہد کی تکمیل کے لیے ہمیشہ سرگرداں رہا۔ میں نے پیسہ پیسہ جمع کیا اور آخر کار اس قابل ہو گیا کہ اپنے قلب ونظر کو ان مناظر سے شاد کر سکوں جو بلاشبہ کائنات کے حسین ترین مناظر ہیں اور اپنی سانسوں کو ان فضاؤں اور ہواؤں سے مہکا سکوں جن کو میرے آقا ﷺ کی سانسوں کی خوشبو نے ایسی لازوال دولت بخش دی ہے، جس پر جنت کی ہوائیں بھی رشک کرتی ہیں۔

مجھے اس تڑپ اور کسک کے ساتھ حاضری کے لیے تقریباً بیس سال تک انتظار کے تپتے ہوئے صحرا کا سفر کرنا پڑا۔ جب تک میں اس قابل نہیں ہو گیا، میں نے اپنی تڑپ کو اپنے دل تک ہی محدود رکھا اور اس شدید اضطراری کیفیت کو اپنے چہرے سے منعکس نہیں ہونے دیا۔ مئی ۱۹۹۷ء کی ایک سہ پہر میں حسب معمول کام کاج سے فارغ ہو کر گھر لوٹا تو میرا دل اعتماد کی خوشی سے بھرا ہوا تھا اور اس شدید خواہش کی تکمیل کا امکان بالکل میرے ہاتھ میں تھا۔ جس کے لیے مجھے بیس سال تک ایک ایک لمحے کو ایک ناقابل بیان کرب اور بے قراری کے ساتھ گزارنا پڑا۔ نماز ظہر سے فارغ ہو کر میں نے اپنی اہلیہ کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ کیا وہ حج کرنا چاہتی ہیں؟۔ میرے اس سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ وہ کون بدبخت ہو گا جو اس سوال کا جواب جی میں نہیں دے گا۔ میں نے کہا کہ اگر وہ حج کرنا چاہتی ہیں تو پھر تیاری کریں لیکن اس کے لیے میری ایک شرط۔

''کیا'' انہوں نے جواب دیا۔

وہ یہ کہ آپ مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں کسی شے کی خریداری نہیں کریں گی۔ ہم وہاں سے صرف کھجوریں، آب زم زم اور تسبیحات لائیں گے۔ ان کے علاوہ آپ مجھ سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی۔

اہلیہ نے میری شرط کو فوراً منظور کر لیا اور مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے اس روح پرور سفر میں سوائے وہاں کی ضروریات کے، کسی شے کا مطالبہ نہیں کیا۔ ہم جس طرح مختصر ترین سامان کے ساتھ گئے تھے، اسی کے ساتھ واپس آئے۔ میرے خیال میں میری اس شرط نے ہمارے سفر کو بے حد آسان اور دل کو مطمئن کر دیا۔ اس اطمینان کی لذت کو صرف ہم ہی محسوس کر سکتے ہیں۔

میں اس روز اپنے اہل خانہ کے ساتھ نتھیا گلی میں تھا جب وزیر حج و اوقاف حکومت پاکستان نے ۱۹۹۸ء کے لیے حج پالیسی کا اعلان کیا۔ اس سلسلے میں میں نے مختلف لوگوں سے پہلے ہی رابطہ قائم کیا ہوا تھا۔ طے تھا کہ میں سپانسر شپ سکیم کے تحت ہی حج کروں گا کیونکہ دل کی تڑپ اور شدت شوق اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ میں قرعہ اندازی کے ذہن کو ماؤف

کر دینے والے عمل کا انتظار کروں۔ مزید یہ کہ میرا دل کسی بھی منفی نتیجے کا اعلان سننے کا ہرگز متحمل نہ تھا۔

میرے ان گنت دوستوں نے جو اس خوشبو بھرے سفر کی سعادت حاصل کر چکے تھے مجھے اپنے تجربات کی روشنی میں ایسے ایسے مشورے دیئے کہ جن پر عمل کر کے میں ایسی بہت سے مشکلات اور مسائل سے محفوظ رہا جو حجاج کی اکثریت کو عدم توجہی کے باعث درپیش رہتے ہیں۔ میں نے کئی سفرناموں اور حج سے متعلق بہت سے لٹریچر کا مطالعہ کیا جس سے آنے والے ہر لمحے کے لیے میں ذہنی طور پر پہلے سے ہی تیار ہو گیا۔ درخواستیں جمع کرانے کے بعد ہم نے اپنے معمولات کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جیسے معمولات کا انداز دے دیا جس سے وہاں درپیش واضح تبدیلی نے ہمارے لیے کسی طرح کے مسائل پیدا نہ کیے۔

حکومت کی طرف سے موصول ہونے والے اطلاع نامے کے مطابق ہمیں ۳ مارچ ۱۹۹۸ء کو حج پرواز نمبر ۲ کے ذریعے ملتان سے روانہ ہونا تھا۔ حکم تھا کہ ہم حاجی کیمپ ملتان میں یکم مارچ ۱۹۹۸ء کو سہ پہر چار بجے تک ہر صورت میں حاضر ہو جائیں بصورت دیگر نتائج کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔ اطلاع نامہ ملتے ہی عزیز و اقرباء اور دوست احباب نے دعوتوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا جس کا اختتام سفر کے لیے روانہ ہونے سے ایک رات پہلے منعقد ہونے والے نعتیہ مشاعرے پر ہوا جس میں میرے سبھی شاعر دوستوں نے اپنی نعتیں پڑھیں اور مجھے اشعار کے ذریعے مبارک باد دی۔ ان کے اشعار کی مہک اور احساسات کی حدت پورے سفر میں میرے ساتھ رہی۔ انہوں نے مجھ پر رشک کیا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس سعادت کے بعد میں خود کو لائق رشک سمجھنے کے ساتھ ساتھ خوش نصیب ترین انسان بھی تصور کرتا ہوں۔

میرے آقا ﷺ کا فرمان ہے کہ جب کوئی حج کے لیے روانہ ہو تو اسے رشک سے دیکھو، اسے اپنے حق میں دعا کے لیے نہ صرف کہو بلکہ تاکید کرو اور اسے شایان شان طریقے سے رخصت کرو۔

میں خوش نصیب انسان ہوں جسے مخلص دوستوں کی ایک ایسی بے بہا دولت ملی ہے جس کا شمار نہیں کیا جاسکتا اور دوست بھی معاشرے کے وہ لائق رشک لوگ کہ جن کے علم سے ایک دنیا سیراب ہو رہی ہے۔ ہمیں ہمارے عزیزوں اور ان سب صاحبانِ علم و فضل میں سے کچھ نے تو ہمارے اصرار پر بہاول پور ہی سے خدا حافظ کہہ دیا اور وہ جو بضد رہے، انہوں نے ملتان حاجی کیمپ تک ہمارا ساتھ دیا اور ہمیں اپنی محبتوں اور دعاؤں کی سوغاتوں کے ساتھ رخصت کیا۔

حاجی کیمپ پہنچ کر میں نے اس حکمت تک پہنچنے کی اپنی سی پوری کوشش کر لی کہ آخر ہمیں پرواز سے دو روز قبل یہاں پہنچنے کا کیوں پابند کیا گیا کیونکہ جس کام کے لیے اہلِ اختیار و اہلِ انتظام نے ہمیں یہاں پرواز سے دو روز قبل پہنچنے کے لیے سختی سے کہا تھا، اس کی تکمیل میں بمشکل ایک گھنٹہ لگا۔ کاغذات کی پڑتال، زرِ مبادلہ کے حصول اور دوسرے تمام امور کسی رکاوٹ کے بغیر تکمیل کو پہنچے تو ایک گومگو کی صورت درپیش ہوئی۔ سوال یہ تھا کہ اب دو راتیں درمیان میں ہیں، بہاول پور لوٹ جائیں، ملتان میں کسی عزیز کے یہاں ٹھہریں یا پھر حاجی کیمپ میں قیام کریں۔ بہاول پور لوٹیں تو دو روز بعد عزیزوں اور دوستوں کے ایک جمِ غفیر کو ایک بار پھر آ کر ہمیں الوداع کہنے کی زحمت ہوگی کیونکہ ہمارے کہنے کے باوجود وہ نہیں رکیں گے۔ حاجی کیمپ کا انتظام کسی طور ایسا نہ تھا کہ وہاں قیام ممکن ہو۔ فیصلہ کیا کہ عزیزی سعید جو ملتان میں حبیب بینک میں کام کرتے ہیں اور جو ہمیں بیٹوں ہی کی طرح عزیز ہیں کے یہاں یہ وقت گزارا جائے تاکہ نہ خود کو پریشان کیا جائے نہ ہی کسی اور کو پریشانی میں ڈالا جائے۔ سعید کے بڑے بھائی عزیزی حمید قمر جو بہاول پور سے ہمیں ملتان تک خدا حافظ کہنے آئے تھے، ہمیں سعید کے یہاں لے آئے۔ عزیزی سعید اور ان کے اہلِ خانہ نے جس محبت سے ہماری خدمت کی اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

حج کے خیر و برکت سے بھرے ہوئے سفر کی لذت کا تجربہ رکھنے والے حضرات ہی کسی شخص کے ان احساسات و جذبات کا قدرے اندازہ کر سکتے ہیں جو حج پر روانہ ہونے سے پہلے اس شخص کے ہو سکتے ہیں۔ انتظار کا ایک ایک پل صدیوں کی سی طوالت اختیار کر لیتا ہے۔ دنیا کے کسی

کام میں جی نہیں لگتا، دل بے حد گداز ہو جاتا ہے اور آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک دریا امڈ آتا ہے۔ میں کسی اور کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن کم از کم میری یہی حالت تھی۔ سعید کے یہاں دو راتیں دو سو سال سے بھی زیادہ طویل لگیں۔ سفر سے پہلے کی آخری رات اتنی طویل تھی کہ جس کا الفاظ میں بیان ناممکن ہے۔ قلب و نظر میں بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ کی تصویر نے ایک عجیب خوشبو اور روشنی کا احساس پیدا کر دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ زندگی جس سیاہی کو روح میں اتارتے ہوئے گزری ہے، میں اس سیاہی سمیت کس طرح ان راستوں پر چل سکوں گا جنہیں میرے آقا ﷺ کے مبارک پاؤں اپنے خرام سے شب و روز سرفراز فرماتے رہے۔ میں ان فضاؤں اور ہواؤں میں کیونکر سانس لے سکوں گا، جنہیں اس انسان کامل ﷺ کی سانسیں مہکاتی رہیں، جس پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں، میں ان مقامات کی زیارت کس منہ سے کروں گا جنہیں مولائے کل ﷺ سے نسبت ہے، میں بیت اللہ میں جا کر کس طرح دعا کے لیے ہاتھ اٹھا سکوں گا کیونکہ میں تو جانتا ہوں کہ میں اس راستے پر کبھی نہیں چلا جس پر چلنے کے لیے میرے خالق نے مجھے تخلیق کیا تھا۔ میں مولدِ رسول ﷺ پر کس دل کے ساتھ حاضری کا شرف حاصل کروں گا کہ جہاں میرے آقا ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری ہوئی تو آتش کدہ، ایران ٹھنڈا ہو گیا لیکن مسلمان ہوتے ہوئے بھی میرے دل میں حرص و ہوا کی آگ ایک لمحے کو بھی نہ بجھ سکی۔ میں کن پیروں سے چل کر جنت المعلیٰ، جبلِ نور، جبلِ رحمت اور غارِ ثور کی زیارت کو جاؤں گا کہ میرے پیر تو آج تک راہِ خیر پر چل ہی نہیں سکے اور پھر مسجدِ نبوی ﷺ اور روضہ رسول ﷺ پر جا کر کس زبان سے آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجوں گا کہ میری زبان تو کسی طرح اس لائق نہیں۔ اک عجب بے قراری تھی جو میرے ہر ایک رونگٹے سے چمٹ کر رہ گئی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ اب بھی بے قراری مجھے میری زندگی کا حاصل معلوم ہوتی ہے۔

انسان زندہ رہے تو طویل سے طویل انتظار بھی آخرِ کار اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ آخر ۳ مارچ ۱۹۹۸ء کی صبح ہو ہی گئی۔ سعید ہمیں ہمارے مختصر سے سامان کے ساتھ قلعہ ملتان پر واقع

حاجی کیمپ لے آیا جہاں وہ خاتون جنہیں ہمارے ساتھ ہی حج پر جانا تھا، بہاول پور سے اپنے عزیزوں کے ساتھ آ چکی تھیں اور ہماری منتظر تھیں۔ رات بھر میری آنکھوں اور آسمان سے برکھا کھل کر برس رہی تھی اس لیے مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اور دل میں روشن ہونے والی قندیلِ آرزو کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی صاف نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس بارانِ رحمت کو اپنے سفر کی قبولیت کے اشارے کے طور پر لیا۔ ملتان میں کسٹم کے عملے نے جس باریک بینی کا مظاہرہ کیا، وہ عجیب لگا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے مشکوک لوگوں کا ایک گروہ ان کے سامنے ہے، جن کا کوئی عمل ان کے نزدیک لائقِ اعتبار نہیں، جن کی کوئی بات باوقار نہیں اور جن کی کسی شے کا وہ معیار نہیں جو اس نے اپنے اطمینان کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ پہلے تو دل کو ایک احساسِ غم نے آ لیا لیکن پھر اخبارات میں شائع ہونے والی چند خبریں ذہن میں آئیں جن کے باعث میرے پیارے وطن کے ہر باشعور شہری نے ایک طرح کی شرمندگی کا سامنا کیا تھا۔ کچھ سیاہ کاروں نے روشنی کے اس سفر کو بھی باوقار طریقے سے مکمل کرنے کے راستے میں سیاہیوں اور شکوک کی تاریک فصلیں کاشت کر دی ہیں جنہیں میرے قافلے کے روشن ضمیروں کو کاٹنا پڑتا ہے حالانکہ اس قافلے کے کسی بھی شخص نے یہ فصلیں کاشت کرنا تو کجا ان کا تصور تک بھی نہیں کیا ہوگا۔ کسٹم کے اس مرحلے سے فارغ ہو کر ہم شامیانوں سے بنائی ہوئی ایک وسیع و عریض انتظار گاہ میں داخل ہوئے۔ معاً مجھے یاد آیا کہ میں نے سعید کو خدا حافظ نہیں کہا۔ باہر جا کر یہ اخلاقی فرض ادا کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے یہ کہہ کر روک لیا گیا کہ اب آپ باہر نہیں جا سکتے۔ میں نے ایک لمحے کے لیے محسوس کیا کہ جیسے مجھ سے میری آزادی چھین لی گئی ہے لیکن اسی لمحے مجھے میری کہی ہوئی نعت کے یہ اشعار یاد آئے۔

تیرے در کی فقیری کر رہا ہوں
غریبی میں امیری کر رہا ہوں
تہی دستی میں بھی تیرے کرم سے
سبھی کی دست گیری کر رہا ہوں

رہائی جس پہ جان و دل سے قرباں
بسر ایسی اسیری کر رہا ہوں

میں سعید کو خدا حافظ کہے بغیر اس لائقِ فخر اسیری میں واپس آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد حجاج کا یہ قافلہ پولیس کے کڑی نگرانی میں ایئر پورٹ پہنچا دیا گیا۔ اب ہر شخص کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

لبیک اللھم لبیک ط لبیک لاشریک لک لبیک ط ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک۔

"میں حاضر ہوں، یا اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے لیے ہیں اور ملک بھی، تیرا کوئی شریک نہیں۔"

اس قافلے میں کچھ اہلِ شوق ایسے بھی تھے جو زبان سے یہ الفاظ ادا کرتے تو آنسوؤں کی شکل میں آنکھیں ان الفاظ کی صداقت کی تصدیق کرتیں۔ شاید یہی وہ آنسو ہیں جن کے تقدس تک کسی چیز کی رسائی نہیں اور جن کی قیمت کا تعین دنیا کے کسی سکے سے نہیں کیا جا سکتا۔

جہاز نے مغرب کی نماز سے پہلے کراچی ائر پورٹ پر لا اتارا۔ یہاں حجاج کے لیے ہر قسم کا انتظام تھا البتہ معلومات فراہم کرنے والے کاؤنٹر پر موجود لوگ سوائے معلومات فراہم کرنے کے ہر قسم کی باتیں کر رہے تھے۔

ہوائی جہاز سے سفر کرنے والے پاکستانی حجاج کرام کو کراچی ہی سے احرام باندھنا ہوتا ہے کیونکہ ان کے لیے یلملم کو میقات مقرر کیا گیا ہے اور یہ مقام پرواز کے دوران میں ہی گزر جاتا ہے۔ احرام باندھنا بظاہر تو ایک سادہ سا عمل دکھائی دیتا ہے لیکن اسلام کی ہر بات کی طرح احرام باندھنے کا عمل بھی اپنے پس منظر میں ان گنت حکمتیں رکھتا ہے۔ جب میں کراچی ائر پورٹ کے ایک غسل خانے میں احرام کی نیت سے غسل کر رہا تھا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں ایک نئی زندگی

کے نقطۂ آغاز پر کھڑا ہوں۔ میں نے اب تک جتنی زندگی گزاری، اس کا اندازہ وہ نہیں تھا کہ جو ہونا چاہیے تھا۔ میرے خدا نے مجھ پر نجانے کیوں اپنی خاص رحمتوں کے دروازے کھول دیئے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے کوئی انتہائی شفیق باپ شفقتِ پدری کے کریمانہ جذبے کی وجہ سے اپنے گمراہ اور بھٹکے ہوئے بیٹے کی واپسی پر اس کے لیے اپنے گھر کے دروازے کھولنے کے ساتھ ساتھ اپنی بانہیں کھول کر اسے اپنے سینے سے لگا لیتا ہے۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے میری بھی کوتاہیوں کو معاف کر دیا گیا ہے اور مجھے موقع فراہم کیا جا رہا ہے کہ اس پانی سے اپنے دامن پر پڑے ہوئے گناہوں کے بھی دھبے صدق دلی سے دھو ڈالوں۔ میں نے خود کو ایک دوراہے پر کھڑا ہوا محسوس کیا، ایک ایسے دوراہے پر جہاں ایک راستہ بالکل وہی تھا جس پر چلتے ہوئے میں نے اپنی زندگی کے چون برس گزار دیئے تھے اور دوسرا راستہ بالکل نیا، صاف، شفاف، روشن اور معطر۔۔۔۔۔ اور یہ رستہ حرمین شریفین جیسے کائنات کے حسین ترین مناظر کی وادیوں میں لے جاتا ہے۔ یہ راستہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پسندیدہ ترین راستہ ہے، جس پر چلنے والا بالکل اسی طرح محفوظ ہو جاتا ہے جس طرح کوئی بچہ اپنی ماں کی گود میں خود کو محفوظ محسوس کرتا ہے۔ غسل کے دوران مجھے یوں لگا جیسے میرا بدن گناہوں سے لت پت تھا اور میری شخصیت ایک ایسے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی جسے میرے اندر کے مکروہ انسان نے میرے لیے باعثِ فخر بوجھ کا درجہ دے رکھا تھا جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ میں ان چند لمحوں میں خود کو سراب سے حقیقت کی طرف لوٹتے ہوئے محسوس کرنے لگا۔ میرے بدن سے گناہوں کی آلائشیں خود بخود الگ ہونے لگیں اور میں خود کو بالکل ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ غسل سے فارغ ہو کر میں نے جب دو سفید چادروں کو اپنے بدن پر لپیٹا تو میں نے اپنی شخصیت میں ایک مسرور کن روحانی تبدیلی محسوس کی۔ چند قدم کے فاصلے پر نماز کا انتظام تھا میں نے دو رکعت نفل پڑھیں۔ نفل سے فارغ ہو کر

اللھم انی ارید العمرۃ میسر ھالی وتقبلھا منی۔

''اے اللہ میں عمرہ کی نیت کرتا ہوں۔ تو اسے میرے لیے آسان کر دے

اور مجھ سے قبول فرما۔"

جب میں نے عمرے کی نیت کے لیے یہ الفاظ زبان سے ادا کیے اور پھر تین بار بلند آواز میں تلبیہ پڑھا تو مجھے یوں لگا جیسے میں ایک چھوٹی سی ندی ہوں جس کے آگے دنیاداری کا بند باندھ دیا گیا تھا، اب یہ بند ٹوٹ گیا ہے اور میں ایک پر کیف روانی کے ساتھ اپنے جیسی اور بہت سی ندیوں میں آن ملا ہوں جو ہم رنگ، ہم آہنگ اور یک جا ہو کر ایک دریا کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔ اب یہ دریا ایک شان وشوکت کے ساتھ اس سمندر کی جانب بڑھ رہا ہے جو اس کی منزل مقصود ہے۔ میں نے ذرا سی دیر میں اپنے اردگرد کی دنیا کو اس دنیا سے بالکل مختلف محسوس کیا جس میں میں تھوڑی دیر پہلے سانس لے رہا تھا۔ اب مجھے اپنی سانسوں کی رفتار اور دل کے دھڑکنے کے انداز میں واضح فرق محسوس ہونے لگا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ میں جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہوں، دل بھی اس کا ساتھ دے رہا ہے اور آنکھیں اپنے آنسوؤں سے اس کی تصدیق کر رہی ہیں۔ میں اس واضح تبدیلی کا احساس لیے انتظار گاہ میں اس طرف آ گیا جہاں میری اہلیہ اور ہماری ہمراہی خاتون احرام باندھے ہوئے میری منتظر تھیں۔ کچھ دیر بعد جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا۔ جب حجاج کرام کا یہ قافلہ جہاز میں سوار ہو چکا تو تھوڑی ہی دیر بعد جہاز اس منزل کی طرف محو پرواز ہو گیا جس کی طرف بڑھنا ہر مسلمان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہوتی ہے۔ پورا جہاز تلبیے کی آواز سے گونج اٹھا اور پھر یہ آوازیں آہستہ آہستہ کم ہو کر ختم ہو گئیں۔ میں نے اپنے اردگرد کے لوگوں کو دیکھا، اکثریت سو چکی تھی۔ میں نے نماز عشاء پڑھی اور پھر اس سرزمین پر اترنے کا عجیب بے صبری سے انتظار کرنے لگا جہاں آنے کے لیے میں نے سالہا سال ایک ایک لمحہ شمار کیا تھا۔

یہ وہ زمیں ہے جہاں رحمتیں برستی ہیں

(جدہ میں آمد اور مکہ معظمہ کے لیے روانگی)

جہاز چار گھنٹے سے زیادہ اندھیرے کے سمندر کو چیرتا ہوا جب بہت دور کئی ہزار فٹ نیچے روشنیوں کی ایک بڑی جھیل کے اوپر تیرنے لگا تو اچانک ایک آواز ابھری۔ معزز خواتین و حضرات! متوجہ ہوں۔۔۔۔

مجھ سے کچھ فاصلے پر ہی موجود ایک ایئر ہوسٹس یہ اعلان کر رہی تھی۔ ان الفاظ نے میرے دل کو خوشیوں کی دولت سے بھر دیا۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو آنکھوں کو ایک ٹھنڈک کا احساس ہونے لگا۔ میرے دل کے سیاہ خانے میں سورہ الرحمٰن کی وہ آیت مسلسل گونجے لگی "اور تم میری کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔" ایک مسلمان کے لیے کائنات میں اس سے بڑی کون سی نعمت ہوگی کہ وہ اس سرزمین پر آنے کا شرف حاصل کرے جس پر میرے اللہ کا گھر ہے اور جہاں میرے رسول ﷺ نے روشنیوں کی وہ خیرات عطا کی جس نے اندھیرے دلوں کو ابد تک روشن کر دیا۔ میرے دل میں روشنی کی ایک کرن تو احرام باندھنے کے ساتھ ہی اتر چکی تھی، اب میں نے محسوس کیا کہ سیاہیوں میں ڈوبا ہوا میرے دل کا آئینہ مزید صاف ہونے لگا ہے۔ میرے ذہن میں میرے رسول ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے کے عرب معاشرے کا نقشہ واضح ہونے لگا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ نفسا نفسی کا عالم ہے۔ کہیں کوئی ضابطہ، اخلاق نہیں ہے۔ کمزور کو کچلا جا رہا ہے۔ نیکی سرنگوں ہے۔ بدی کا پرچم لہرا رہا ہے۔ قصی کو

کعبہ کا متولی بنایا گیا ہے، وہی قریش کے سردار ہیں لیکن اس قافلہ ، بے جہت کا جس طرف جی چاہتا ہے، چل پڑتا ہے۔ کعبہ کا طواف ہو رہا ہے اور مسلسل ہو رہا ہے لیکن مرد و زن بے لباس ہیں اور اس بے حیائی اور بے شرمی کو نیکی قرار دیا جا رہا ہے۔ خدا پر یوں یقین ہے کہ بت، پتھر، درخت، فرشتے اور جن، سبھی کی پوجا ہو رہی ہے۔ ان کے ناموں پر قربانیاں دی جا رہی ہیں اور انہی سے مرادیں مانگی جا رہی ہیں۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیوں اور جنوں کو خدا کے رشتہ داروں کا درجہ حاصل ہے۔ بت پرستی کا جنون اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ راہ چلتے ہوئے اگر کوئی خوبصورت پتھر مل گیا ہے تو اسی کی پوجا شروع ہوگئی ہے۔ سفر میں ستو اور آٹے ہی سے بت بنا لیے گئے ہیں اور انہی کی پوجا سے عاقبت سنواری جا رہی ہے اور جب بھوک لگتی ہے تو آٹے اور ستو کے انہی خداؤں کو کھایا جا رہا ہے۔ سورج، چاند اور ستارے ان کے پسندیدہ خدا ہیں جن کی مستقل بنیادوں پر پوجا کی جا رہی ہے۔

عرب کا پورا معاشرہ دنیا بھر میں برائیوں میں سب سے آگے ہے لیکن برائی کو برائی کا نام دینے کی بجائے اسے عظمت کا نشان بنا لیا گیا ہے۔ سوتیلی ماں سے شادی جائز ہے۔ شادیوں کی کوئی تعداد اور حد مقرر نہیں۔ انصاف نام کی کسی شے کا پورے معاشرے میں کوئی وجود نہیں۔ بدکاری اور جوا عام ہے۔ شراب نوشی میں پوری دنیا کو مات دی جا چکی ہے۔ سود خوری کوئی عیب نہیں بلکہ معمولی رقموں پر ضرورت مندوں سے اتنا سود لیا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی بیچ کر بھی اسے پورا نہیں کر پاتے۔ لوٹ مار عام ہے۔ انسانوں کی تجارت عروج پر ہے۔ کوئی کسی کو نہیں پہچانتا۔ کسی کو کسی کی ضرورت کا کچھ خیال نہیں اگر خیال ہے تو اپنی ذات کا، نہ خدا نہ خدا کا خوف۔ لڑکیوں کا پیدا ہونا بدشگونی اور بدبختی سمجھی جاتی ہے اس لیے اس بدبختی کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا ہے۔ صرف ایک خاندان ہے جسے عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس خاندان کے کچھ بزرگ مثلاً نضر، فہر اور قصی اپنی نیکی اور خدا ترسی کی وجہ سے عرب میں ممتاز سمجھے جاتے ہیں لیکن وہ بھی اس معاشرے کو راہ راست پر لانے میں بے بس نظر آ رہے ہیں البتہ قصی نے قریش کے منتشر

قبیلے کو یکجا کرنے میں کچھ کامیابی ضرور حاصل کر لی ہے۔ انہوں نے حاجیوں کی باقاعدہ میزبانی کرنے اور انہیں پانی پلانے کا آغاز بھی کیا ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ عبدالمناف المغیرہ کے گھر جڑواں بیٹوں نے جنم لیا ہے۔ یہ وہی عبدالمناف المغیرہ ہیں جن کی پیشانی سے ہر وقت نور جھلکتا ہے جس کے باعث انہیں قمرالبطحا کہا جاتا ہے۔ دونوں بچوں کے جسم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جنہیں تلوار سے کاٹ کر ایک دوسرے سے الگ کیا گیا ہے۔ ایک لڑکے کا نام عمرو اور دوسرے کا نام امیہ رکھا گیا ہے۔ یہ وہی عمرو ہیں جو بعد میں اپنی منفرد مہمان نوازی کے سبب ہاشم کہلائے ہیں۔ آپ نے مکہ آئے ہوئے زائرین کو روٹیوں کا چورا کر کے اس چورے کو شوربے میں بھگو کر کھلایا ہے اسی لیے آپ کو ہاشم یعنی چورا کرنے والا کہا جا رہا ہے اور یہی وہ ہاشم ہیں جن سے ہاشمیوں کا آغاز ہوتا ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ عبدالمطلب بے حد پریشان ہیں۔ مکہ معظمہ میں پانی کی بے حد قلت چلی آتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں زم زم کا کنواں ہے لیکن اہل مکہ کی بداعمالیوں، بت پرستی اور عدم توجہی سے یہ کنواں نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ قبیلہ بنو جرہم کعبہ کا متولی ہے۔ ان کے ظلم و زیادتی کو دیکھ کر اہل مکہ نے بنو جرہم کو شہر سے نکال دیا ہے لیکن اس قبیلے نے جاتے جاتے چاہ زم زم کو پاٹ دیا ہے اور اس کے سارے نشانات مٹا دیے ہیں تاکہ اہل مکہ زم زم سے استفادہ نہ کر سکیں۔ اس وقت مکہ میں بہت سے کنویں ہیں اس لیے اہل مکہ زم زم کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے لیکن بعد میں جب دوسرے کنوؤں کا پانی بہت کم ہو گیا ہے تو انہیں بے حد پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

زم زم کی جگہ کو بہت تلاش کیا جاتا ہے لیکن اس کے نشانات نہیں ملتے۔ عبدالمطلب ایک خواب دیکھتے ہیں کہ چاہ زم زم وہاں ہے جہاں مشرکین نے بتوں کے لیے قربان گاہ قائم کر دی ہے۔ وہ عوامی بھلائی کے اس کام کو کرنا چاہتے ہیں لیکن قریش مکہ اس کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ عبدالمطلب کو پورا یقین ہے کہ کنواں اسی جگہ ہے اس لیے قریش کی شدید مخالفت کے باوجود

انہوں نے اس جگہ کی کھدائی کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ وہ کھدائی کے لیے جسے بلاتے ہیں، انکار کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بیٹے حارث کو اپنے ساتھ اس کارِ خیر پر لگاتے ہیں۔ دل میں خیال آتا ہے کہ کاش ان کے زیادہ بیٹے ہوتے تو آج ان کی مدد کرتے۔ منت مانتے ہیں کہ اگر ان کے دس بیٹے ہوئے تو وہ ان میں سے ایک بیٹے کو قربان کر دیں گے۔ کھدائی پر کنواں نکل آتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اللہ انہیں دس بیٹے بھی عطا کر دیتا ہے۔ بیٹے کی قربانی کا مرحلہ آن پہنچا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کون سے بیٹے کی قربانی دی جائے۔ اس کے لیے قرعہ اندازی کی جاتی ہے، اس قرعہ میں عبداللہ کا نام سامنے آتا ہے جو سب سے زیادہ خوبصورت اور پیارا ہے۔ بیٹے کو قربانی کے لیے لے جایا رہا ہے، چھری ہاتھ میں ہے، قریش کو پتا چلتا ہے وہ بوقت تمام اس شرط پر قربانی موخر کرا دیتے ہیں کہ عرب کی مشہور عرافہ عاتکہ سے اس مسئلے کا حل دریافت کیا جائے جو اپنی صداقت، معاملہ فہمی اور پیچیدہ ترین مسائل کے حل کے لیے پورے عرب معاشرے میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ خاتون نے حل بتایا ہے کہ اس سلسلے میں قرعہ ڈالا جائے۔ ہر باری کے لیے دس اونٹ مقرر ہوتے ہیں۔ قرعہ ڈالا جاتا ہے۔ نام عبداللہ ہی کا نکلتا ہے۔ تجویز کردہ حل کے مطابق ہر قرعے پر عبداللہ کا نام نکلنے پر دس اونٹوں کی قربانی بڑھتی جاتی ہے اور یہ تعداد سو اونٹوں تک آ پہنچتی ہے تو قرعہ اونٹوں کی قربانی کا نکلتا ہے۔ اس طرح سو اونٹوں کی قربانی دے کر عبداللہ کی جان بچائی جاتی ہے۔ سو اونٹ یا ان کے مساوی رقم کی دیت مقرر ہونے کا شاید یہی پس منظر ہے۔ یہ وہی عبداللہ ہیں جو ہمارے پیارے آقا حضرت محمدﷺ کے والد گرامی ہیں۔

تھوڑی سی دیر میں کئی مناظر میری آنکھوں کے سامنے سے ایسے گزر گئے جیسے میرے سامنے کوئی فلم چل رہی ہو۔ میں اسی عالم میں تھا کہ لبیک کے الفاظ میرے کان میں گونجنے لگے۔ میں چونکا اور میں نے بھی اپنی آواز کو اس آواز میں شامل کر دیا۔ جہاز اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور مسافرانِ حجاز کے چہرے تمتما اٹھے۔ وہ خوشی خوشی اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور پھر ایک خاص ترتیب سے باہر نکلنے لگے۔ جہاز کے عملے نے

خوش اخلاقی سے خدا حافظ کہا۔ جہاز سے باہر آئے تو ہم نے خود کو کھلے آسمان کی بجائے ایک پل نما راستے پر پایا۔ مسافروں کے ساتھ چلتے ہوئے چند منٹ میں ہم ایک ہال میں پہنچ گئے۔ جس دروازے سے مسافر ہال میں داخل ہوئے تھے، اسے بند کر دیا گیا۔ ہال میں بیٹھنے اور کچھ دیگر سہولیات کا انتظام تھا لیکن نشستیں ناکافی۔۔۔۔ناچار بہت سے لوگ فرش نشین ہو گئے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ نشستوں کا اس قدر ناکافی انتظام میزبانی کے تقاضوں کے بالکل برعکس تھا۔ ہال میں پاکستانی اور سعودی عملہ موجود تھا جس نے کچھ دیر کے بعد حجاج سے مطالبہ کیا کہ وہ قطاریں بنالیں اور پھر ہال کی دوسری طرف کے آہنی دروازے میں کھڑے ہوئے عملے کے لوگوں نے خواتین اور حضرات کو علیحدہ علیحدہ دس دس کے گروہوں میں ان دروازوں سے باہر بلانا شروع کر دیا۔ تقریباً تین گھنٹوں کے بعد ہماری بھی باری آئی، ہال سے نکلے تو ہم نے خود کو ایک اور ہال میں پایا جہاں سعودی عملے کے لوگ شاید جن کا کسٹم سے تعلق تھا ایک ایک مسافر کو ایک کیبن میں لے جاتے اور اس کی مفصل پڑتال کرتے۔ خواتین کے لیے اس کام کے لیے خواتین پر مشتمل عملہ مامور تھا۔ میرے اور اہلیہ کے پاس سوائے ہینڈ بیگ کے جس میں کاغذات قلم یا ایک آدھ چھوٹی موٹی ضروری شے تھی، کچھ نہ تھا۔ میں نے ملتان سے اپنے بیگ وغیرہ پر اپنے پتے، پاسپورٹ نمبر اور فلائیٹ نمبر لکھنے کے لیے ایک موٹا مارکر خریدا تھا۔ بیگ پر لکھنے کے بعد میں نے یہ مارکر ہینڈ بیگ میں رکھ لیا تھا۔ اس کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ جب اسے ہلایا جاتا تو اندر سے کسی شے کی آواز آتی۔ کسٹم کے آدمی نے اسے ہاتھ میں لیا، نجانے کتنی دیر اس کا جائزہ لیتا رہا۔ جب اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اشارے اور عربی میں اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے اسے انگریزی میں بتایا کہ یہ مارکر ہے اور اسے میں نے پاکستان میں ائرپورٹ ہی سے سامان وغیرہ پر لکھنے کے لیے خریدا تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اسے شک کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ میں نے وہ مارکر کھولا اور اسے لکھ کر دکھایا۔ وہ اس بات سے تو اتفاق کر رہا تھا کہ یہ لکھنے کے لیے ہے لیکن اس میں سے آنے والی آواز اسے بے چین کر رہی تھی۔ میں نے اسے نہایت محبت اور نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن بنیادی مسئلہ

زبان کا تھا۔ میں عربی اور وہ شاید اردو یا انگریزی نہیں جانتا تھا اس لیے گفتگو کا کوئی مناسب نتیجہ سامنے نہیں آ رہا تھا۔ آخر کار میں نے اسے زبان کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی زبان یعنی ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے پیش کش کی کہ اگر وہ اس مارکر کو توڑ کر اس کے اندر کا جائزہ لینا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میری اس پیشکش پر وہ مطمئن ہو گیا اور شکریہ کہہ کر مجھے جانے کا اشارہ کر دیا۔

یہ واقعہ بظاہر معمولی ہے لیکن اس نے میرے احساسات کو ایک بار پھر کچوکا لگایا کہ من حیث القوم یہاں ہماری کچھ اچھی شہرت نہیں اور یہ اس سبب سے ہے کہ ہمارے چند نادان، لالچی اور عاقبت نااندیش پاکستانیوں نے ہمارے قومی تشخص کو چند سکوں کی لالچ میں بری طرح متاثر کیا ہے۔

اس ہال میں بھی سعودی عملہ کسی پھرتی کا مظاہرہ نہیں کر رہا تھا۔ یہاں کاغذات کی پڑتال کے لیے کاؤنٹر قائم تھے لیکن وہاں کام کرنے والے افراد یہ کام دلجمعی سے کرنے کی بجائے نہایت بے دلی سے کر رہے تھے جس کے نتیجے میں یہاں بھی ہمیں بہت دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ اس طرح جب اس تھکا دینے والی کارروائی کے بعد حاجی کیمپ کے پاکستانی حصے میں آئے تو ہم خاصے تھک چکے تھے۔ اس حصے میں مسافروں کا سامان لایا جاتا اور بے دردی سے پھینک دیا جاتا۔ لوگ اپنے اپنے سامان کی شناخت کرتے اور اسے اپنے قبضے میں لے لیتے۔ کچھ فاصلے پر بسیں کھڑی تھیں اور وہاں موجود لوگ میگا فون کے ذریعے مکتب نمبر کے حوالے سے مسافروں کو اپنی جانب متوجہ کر رہے تھے۔ ہمیں مکتب نمبر چھ نصیب ہوا تھا۔ میں نے لفظ نصیب کا دانستہ استعمال کیا ہے کیونکہ بعد کے تجربات سے ثابت ہوا کہ بدانتظامی میں یہ مکتب سبھی مکتبوں میں اول رہا۔ ہم نے اپنے دوستوں کے بتائے ہوئے گُر پر عمل کیا۔ کسی آواز پر کوئی کان نہیں دھرا۔ اطمینان کے ساتھ نماز تہجد ادا کی۔ کچھ دیر بینچوں پر آرام کی غرض سے بیٹھے رہے اور جب طبیعت قدرے بحال ہوئی تو مکتب نمبر چھ والی بس کی طرف آ گئے۔ وہاں موجود عملے نے ہمارا سامان بس کی چھت پر پہنچا دیا، ہم سے ہمارے پاسپورٹ لے لیے اور ہمیں بس میں بٹھا دیا۔ بس بھر چکی ہے، کوئی سیٹ خالی

نہیں لیکن بس ہے کہ نہ تو چلنے کا نام لیتی ہے اور نہ ہی عملہ کسی کو بس سے باہر جانے کی اجازت دیتا ہے۔ عملے کی گفتگو کا انداز بھی پسندیدہ نہیں۔ ان میں سے کچھ پاکستانی ہیں، اردو میں گفتگو کرتے ہیں لیکن ان میں شائستگی کا عنصر بہت کم ہے بلکہ حجاج کی ڈانٹ ڈپٹ کر رہے ہیں۔ تھکن سے چور مسافر روانگی کے لیے کہتے ہیں لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔ خدا خدا کر کے ڈرائیور اپنی سیٹ پر آ گیا ہے۔ گنتی کی گئی ہے۔ ایک بار پھر گنتی کرنے کے بعد ڈرائیور نے باہر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یک لخت دو تین لوگ مختلف چیزیں اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوئے ہیں۔ یہ بسکٹ، پیسٹری وغیرہ قسم کی چیزیں ہیں جن میں پیپسی بھی شامل ہے۔ ان اشیاء کی عطا تقاضائے میزبانی کے تحت کی گئی ہے۔ لوگ کھانے پینے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پورے سفر کی طرح بس میں بھی چند لوگ تلبیے میں مصروف ہیں۔ کافی دیر کے بعد بس مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوتی ہے تو جان میں جان آتی ہے۔

یہ درست ہے کہ حج کے دنوں میں حجاج کی ایک بڑی تعداد دنیا بھر کے مسلمان ممالک سے سعودی عرب آتی ہے، اس لیے انتظام میں کچھ خامیوں کا رہ جانا ایک قدرتی بات ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ سفرِ حج میں زیادہ صعوبتوں کا جھیلنا حج کے عمل میں نکھار پیدا کر دیتا ہے لیکن یہ تو مناسب نہیں کہ جس تکلیف سے آسانی سے بچا جا سکتا ہو، اسے بھی یہ کہہ کر ان مسافرانِ حجاز پر لاد دیا جائے کہ حج تو ہے ہی تکلیفیں اٹھانے کا نام۔۔ مجھے اس مقدس سفر کے دوران میں دنیا بھر سے آئے ہوئے مختلف ممالک کے حجاج سے گفتگو کرنے کا موقع ملا، کبھی راہ چلتے ہوئے، کبھی بیت اللہ میں، کبھی مسجد عائشہ میں، کبھی بس میں، غار ثور، غار حرا، منیٰ، مزدلفہ، عرفات اور کبھی مسجد نبوی ﷺ میں۔ معلوم ہوا کہ جس بد انتظامی کا سامنا پاکستان کے حجاج کو کرنا پڑتا ہے اس کا دنیا بھر سے آئے ہوئے حجاج کو ہرگز نہیں کرنا پڑتا۔ میری خواہش ہے کہ میں ان مسائل کا بھی مختلف مراحل پر تذکرہ کروں جن کا سامنا میرے وطن سے اس مبارک سفر پر آنے والوں کو بلاوجہ کرنا پڑتا ہے تاکہ اربابِ اختیار کو اگر خدا توفیق دے تو وہ اس طرف توجہ دے کر اپنے لیے دعاؤں

کے اسباب پیدا کریں۔ سفر کے اس موڑ پر میرا جی چاہا کہ کاش حکومت ان تمام اداروں اور ایجنسیوں کے ساتھ جو اس سفر کے انتظام کی ذمہ دار ہیں معاہدہ کرتے وقت اس بات کا وعدہ لے کہ وہ بلاوجہ حجاج کو پریشان نہیں کریں گی اور پھر حکومت ہر موڑ پر پڑتال کا ایک ایسا نظام وضع کرے کہ ہر ادارہ یا ایجنسی پوری عزت کے ساتھ حجاج کی خدمات سرانجام دے۔ حجاج کی پاکستان سے روانگی کے وقت انہیں دو روز قبل خواہ مخواہ طلب کر لینا جبکہ ان کی رہائش کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہوتا، کسٹم کے عملے کی تھکا دینے والی پڑتال، ائرپورٹ کے عملے کی کاہلی، جدہ ایرپورٹ پر پاکستانیوں کے ساتھ سعودی حکام کا معاندانہ طرز عمل اور پھر بس میں قید کر کے کئی کئی گھنٹے تک حجاج کو بٹھائے رکھنا ایسے معاملات ہیں جنہیں اگر کسی بہتر انداز اور حکمت عملی سے انجام دیا جائے تو حجاج اس ذہنی اذیت سے محفوظ رہ سکتے ہیں جس کے باعث ان کی عبادات کے عمل میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ حجاج تو ہر تکلیف میرے آقا ﷺ کے اس فرمان کو دل میں بسائے برداشت کر لیتے ہیں کہ "کامل حاجی وہ ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور بدن اور کپڑے میلے کچیلے ہوں" لیکن تکالیف وہی پیاری لگتی ہیں جن کا جھیلنا لازمی ہو۔ ایسی تکالیف جن سے بچا جا سکتا ہو، حجاج کو ان سے بچانا ہر اس ادارے یا ایجنسی کا اخلاقی و دینی فرض ہے جس کی اس مرحلے میں انتظام کی ذمہ داری ہے۔

بس کھجوروں کے جھرمٹ سے نکل کر سڑک پر آ گئی اور پھر مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی اس شاہراہ تک آ پہنچی جو مکہ معظمہ کی طرف جاتی ہے۔ اہل سفر بہت تھک چکے تھے اس لیے انہوں نے کچھ دیر تو تلبیے میں میرا ساتھ دیا لیکن کچھ دیر بعد ایک ایک کر کے نیند کی وادی کی طرف چل پڑے اور سوائے ایک آدھ کے سب نے نیند کو گلے سے لگا لیا۔ عجیب بات کہ میری آنکھوں سے نیند ایسے غائب تھی جیسے یہ آنکھیں نیند کی لذت سے واقف ہی نہیں۔ میں مسلسل اشک بار رہا اور شکرانے کے طور پر یہ آنسو رب قدیر کے حضور بطور نذرانہ پیش کرتا رہا کہ کہاں مجھ جیسا گنہگار اور کہاں یہ دنیا کے پاکیزہ ترین نظارے۔ روشنیاں، مکان، پیٹرول پمپ، پہاڑیاں، انسان، گاڑیاں

اور سڑکیں کس نے نہیں دیکھیں، لیکن یہاں کا یہ سب کچھ مختلف سا لگا۔ کسی سے نسبت نے ان سب چیزوں کو بالکل مختلف بنا دیا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عجیب احساسات کے ساتھ ان سب چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ زبان پر تلبیے کے الفاظ اور دل میں ایک اجنبی اور ناقابل بیان تڑپ لیے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ جلد ہی وہ شہر میری آنکھوں کی وادی میں اترنے والا ہے جسے میرے اللہ نے زمین پر اپنے گھر کے لیے منتخب کیا اور جہاں میرے رسول ﷺ نے آنکھ کھولی، بچپن اور جوانی گزاری، خوشیاں دیکھیں، ان گنت دکھ اٹھائے اور تاریکیوں کے صحرا میں روشنی کا وہ مینار تعمیر کیا جس نے پوری دنیا کو روشن کر دیا ہے۔

عظیم تر ہے ترا شہر، تیرا گھر مولا

(ام القریٰ مکہ معظمہ میں آمد)

اپنے ہم سفروں کے برعکس میں نے جدہ سے مکہ معظمہ تک کا سفر کھلی آنکھوں سے کیا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ میں رستے کے ایک ایک درخت، ایک ایک منظر، ایک ایک پتھر، ایک ایک مکان اور ایک ایک پہاڑی کو جی بھر کر دیکھوں لیکن دوسری طرف دل بے قرار اور تڑپ کر اس درِ اقدس کا نظارہ آنکھوں میں سمو کر خود کو نور سے بھرنا چاہتا تھا جو بلاشبہ کائنات کا حسین ترین نظارہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس کی طرف روزانہ کروڑوں مسلمان منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور طے شدہ بات ہے کہ چوبیس گھنٹے میں ایک گھڑی بھی ایسی نہیں آتی جب اللہ کے اس پاک گھر کی طرف لاکھوں لوگ منہ کر کے اللہ کے حضور سجدہ ریز نہ ہو رہے ہوں۔ تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد بس ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں نیلے رنگ کے ایک بہت بڑے بورڈ پر مکہ مکرمہ تیس کلومیٹر لکھا ہوا تھا۔ اس بورڈ کے پس منظر میں ایک چھوٹی سی خشک و سیاہ پہاڑی تھی۔ عجیب بات کہ مجھے یہ پہاڑی اس پہاڑی سے بالکل مختلف اور مقدس لگی جو چند میٹر کے فاصلے پر اس بورڈ سے پہلے نظر آئی تھی۔ ایسا شاید اس لیے تھا کہ یہ پہاڑی حدودِ حرم میں شامل تھی۔ یہ ایک ایسی نسبت ہے جس کا تقدس دل میں خود بخود اتر آتا ہے۔ بورڈ پڑھ کر میری آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور ان میں سے محبت و عقیدت کی خوشبو میں ڈوبے ہوئے موتی خود بخود ڈھلنے لگے۔ میں نے چند لمحوں کے لیے تلبیہ بند کیا اور دعا مانگی۔

"اے اللہ یہ تیرا اور تیرے رسول پاک ﷺ کا حرم ہے۔ بس میرے گوشت، خون اور

ہڈیوں کو آگ پر حرام کر دے۔ اے اللہ مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھ، جس روز تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔ مجھے اپنے ولیوں اور اطاعت گزاروں میں شامل کر دے اور میری طرف توجہ فرما، بے شک تو توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔''

دعا کے ختم کرتے ہی میں نے بلند آواز میں تلبیہ پڑھنا شروع کیا تو میرے چند ہم سفر بھی میرے ہم آواز ہو گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد پوری بس تلبیے سے گونجنے لگی۔ آنکھوں میں اشک، دل میں تڑپ اور ہونٹوں پر تلبیہ، یہ ایک ایسی لذت افروز کیفیت ہے کہ جس کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں۔ اس کیفیت میں کچھ ہی دیر گزری تھی کہ میری نظر ایک اور بورڈ پر پڑی جس پر ''مکۃ المکرمۃ للمسلمین فقط'' "Makka Moslems Only" کے الفاظ کو بہت واضح کر کے لکھا گیا تھا۔ ان الفاظ کو پڑھتے ہی مجھے ۹ھ کا وہ واقعہ یاد آیا جب میرے آقا ﷺ نے سیدنا حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحج مقرر فرما کر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو فریضہ حج ادا کرنے کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ جب یہ قافلہ جا چکا تو سورۂ توبہ جسے سورۂ برات بھی کہا جاتا ہے کی ابتدائی چالیس آیات نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ نے فوری طور پر سیدنا علیؓ کو حکم دیا کہ وہ مکہ معظمہ جائیں اور یہ چالیس آیات تمام حجاج کو پڑھ کر سنائیں، جس کی فوری تعمیل ہوئی۔ ان آیات کے ذریعہ واضح اعلان فرمایا گیا ''اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے اندر داخل نہیں ہوگا اور کوئی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرے گا۔'' ان چالیس آیات میں سے سورۂ توبہ کی اٹھائیسویں آیت میں فرمایا گیا ہے۔

''اے ایمان والو! مشرکین ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے تو بعید نہیں کہ اللہ چاہے تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے، اللہ علیم و حکیم ہے۔'' ان آیات کا نزول مسلمانوں کی زندگی میں ایک واضح فرق لے آیا۔

۸ھ میں مکہ فتح ہوتا ہے، مسلمان حج کرتے ہیں لیکن قدیم طریقے کے مطابق ۹ھ میں مسلمان سیدنا ابوبکرؓ کی امارت میں فریضہ حج ادا کرتے ہیں۔ اس بار مشرکین اپنے

اور مسلمان اپنے طریقے سے حج ادا کرتے ہیں اور پھر ۱۰ھ کا حج آتا ہے۔ یہ وہی حج ہے جس میں میرے آقا ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے ہیں اور اپنی اس دنیاوی زندگی کا پہلا اور آخری حج ادا فرماتے ہیں جسے حجۃ الوداع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ میرے رسول ﷺ نے اس وقت تک حج ادا نہیں فرمایا جب تک کہ میرے خدا کا پاک و عظیم گھر شرک سے بالکل پاک نہیں ہو گیا۔

اس واقعہ کے یاد آتے ہی میں نے دعا کی۔

''اے اللہ ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ اے اللہ میں تجھ سے وہ بھلائی مانگتا ہوں جو تجھ سے تیرے نبی ﷺ نے مانگی اور میں اس برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس سے تیرے نبی حضرت محمد ﷺ نے پناہ مانگی۔''

بس تیزی سے اب ان حدوں میں داخل ہو رہی تھی جہاں کا ہر قدم ایک دعا کا متقاضی ہے، جہاں کا ہر چپا ایک عظیم اور روشن پس منظر رکھتا ہے، جہاں کی فضا میں اس خوشبو کا احساس موجود ہے جس سے وہی ذہن معطر ہو سکتے ہیں جن پر ایمان کی کرنوں کی حکمرانی ہو، جہاں سانس لیتے ہوئے ایک عجیب فخر بھرا احساس ہوتا ہے کہ یہ سانس اس فضا میں لی جا رہی ہے جسے کبھی آقائے دو جہاں ﷺ کی سانسیں مہکاتی رہی ہیں۔ یہ وہ احساس ہے جو انسان کی زندگی سے دکھوں کا زہر نچوڑ کر اس میں خوشیوں کا رس گھول دیتا ہے۔

اب شہر مکہ کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ ان عمارتوں پر نظر پڑتے ہی میں نے دل ہی دل میں دعا مانگنا شروع کی۔

''اے اللہ مجھے اس میں قرار اور سکون عطا فرما اور مجھے حلال روزی دے۔ اے اللہ یہ تیرا شہر ہے اور یہ گھر تیرا گھر ہے۔ میں تیری رحمت چاہتا ہوں اور تیری تقدیر پر راضی ہوتے ہوئے اور تیرے حکم کی پیروی کرتے ہوئے اور تیرے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے تیری اطاعت کا قصد کرتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں ایک پریشان حال شخص کی طرح جو تیرے عذاب سے ڈرتا ہو۔

میری آرزو ہے کہ تو اپنی معافی کے ساتھ میری معذرت قبول فرما اور اپنی رحمت کے ساتھ مجھ سے درگزر فرما اور مجھے جنت میں داخل فرما۔“

تھوڑی دیر بعد بس اس شہر کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی جسے قرآن پاک میں ”ام القریٰ“ کہا گیا ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں فرمان باری تعالیٰ ہے۔

”یہ قرآن عربی ہم نے تمہاری طرف وحی کیا ہے تا کہ تم بستیوں کے مرکز (شہر مکہ) اور اس کے گردو پیش میں رہنے والوں کو خبر دار کرو۔“ میں نے ایک بار پھر اسی دعا کو دہرایا جو میں نے سرزمین حرم میں داخلے کے وقت پڑھی تھی اور پھر تلبیہ میں مصروف ہو گیا۔ بس ایک سڑک پر دوڑ رہی تھی اور میں اور میرے رفقائے سفر خوشی سے چمکتی ہوئی آنکھوں سے ہر منظر کو عجب انداز میں دیکھ رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ڈرائیور شاید رستہ بھول گیا ہے کیونکہ وہ ایک شاہراہ پر اس جگہ سے بہت آگے نکل آیا تھا جہاں سے اسے مڑنا چاہیے تھا۔ اس نے بس موڑ لی اور یہ ایک بار پھر پیچھے کی طرف دوڑنے لگی۔ ہر چند ایسا ممکن نہ تھا کہ وہ ہمیں جدہ واپس لے جاتا لیکن عجب بات کہ اس کا رستہ بھول کر بس کو پیچھے موڑ لینا میرے دل کو نہ بھایا کیونکہ میرا دل اس نظارے سے فوری طور پر مسرور ہونا چاہتا تھا جس کی طلب اور تڑپ ایمان سے روشن ہر آنکھ اور اللہ کی محبت سے لبریز ہر دل میں ہر وقت موجود رہتی ہے۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ ڈرائیور نے ایک ایسی جگہ بس کو روکا، جہاں چند پولیس والے کھڑے تھے۔ پولیس والوں کو سلام کرنے کے بعد اس نے ان سے عربی میں کسی جگہ کا پتا پوچھا۔ ایک پولیس والے نے اسے رستہ سمجھایا۔ ڈرائیور نے شکرا کہا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ حج کے دنوں میں ڈرائیوروں کی مانگ بڑھ جانے کی وجہ سے مصر کے ان لوگوں کو بھی ملازم رکھ لیا جاتا ہے جنہیں ڈرائیونگ تو آتی ہے لیکن رستہ نہیں آتا۔ میرے خیال میں حجاج کی خدمت پر مامور کسی ادارے کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح سے بھٹک جانے کی وجہ سے تکلیف تو ہر حال میں حجاج ہی کو ہوتی ہے۔ ڈرائیوروں کی ضرورت بڑھ جانے کے سبب اگر کسی کو مجبوراً رکھا بھی جائے تو اس کی کم از کم اتنی تربیت ضرور کر دی جائے کہ

وہ بھٹکے بغیر حجاج کو منزل مقصود تک لے جا سکے۔ کچھ دیر کے سفر کے بعد بس ایک اڈا نما جگہ پر آ کر رکی۔ غالباً یہ وہی جگہ ہے جہاں کاغذات کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ بس جونہی رکی، ڈرائیور اتر گیا اور بس کے اندر کچھ لوگ داخل ہو گئے۔ انہوں نے پوری بس کی سواریوں کو پانی کی ایک ایک بوتل دینا شروع کر دی جس پر اس کے آبِ زم زم ہونے کی تحریر موجود تھی۔ کچھ لوگوں نے بوتلیں کھول کر آبِ زم زم کو پینا شروع کر دیا اور کچھ نے اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ بس یہاں کافی دیر تک رکی رہی۔ نماز کا وقت تھا اور بس میں بیٹھے بیٹھے تھکن کا احساس بھی خاصا بڑھ چکا تھا، کشمکش میں تھے کہ کیا کیا جائے کہ ڈرائیور واپس آ گیا۔ اس نے اشارے اور زبان سے صلاۃ کہا۔ اس کے اس اعلان کے ساتھ ہی سبھی لوگ بس سے اتر آئے۔ یہاں نماز اور وضو وغیرہ کا مکمل انتظام تھا۔ سب لوگوں نے نماز فجر ادا کی۔

یوں تو زندگی بھر نمازیں پڑھی ہیں اور دل سیاہ پر بارہا ایسے لمحے بھی اترے ہیں کہ دل پر برائیوں کی جمی ہوئی برف پگھلتی ہوئی محسوس ہوئی لیکن آج کی یہ نماز ایک انوکھا احساس لیے ہوئے دل پر اتر رہی تھی۔ مجھے یہ سب کچھ خواب کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ کل اسی وقت میں ملتان میں جس سرزمین پر حاضری کے شوق میں ایک عجب تڑپ محسوس کر رہا تھا، اس وقت میں اسی سرزمین پر سجدہ ریز ہوں۔ میں حدودِ مکہ میں اپنے رب العزت کے حضور دل کی گہرائیوں سے ہدیہ تشکر پیش کر رہا ہوں۔ میں نے خود سے سوال کیا کہ کیا میں وہی خورشید ناظر ہوں جو اگر تنہائی میں خود سے سوال کرے کہ کوئی ایسا کام جس پر اطمینان کا اظہار کیا جا سکے تو بے حد کوشش کے باوجود بھی جواب نفی میں ملتا ہے۔ کوئی گن نہ کوئی ہنر لیکن ربِ قدیر کی طرف سے عطا کا یہ عالم کہ جسے ہر ایک رشک کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اہلیہ اور ہماری ہمراہی خاتون بھی نماز پڑھ کر آ چکی تھیں۔ میں نے اپنے ارد گرد کے منظر پر نظر ڈالی۔ ہر شے مختلف، ہر شے حسین۔ مجھے فضا نور سے بھری اور ایمان کی خوشبو سے مہکی مہکی محسوس ہو رہی تھی۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج کی صبح میری اب تک کی زندگی کی سب سے خوبصورت صبح تھی۔ ایک ایسے احساس سے لبریز صبح

جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ میں نے اپنی بس کی طرف دیکھا۔ بس کے قریب کھڑے ہوئے کچھ لوگ اشارہ کر کے ہمیں اپنی جانب بلا رہے تھے۔ ہم بس میں سوار ہوئے۔ چند لمحوں بعد بس دوبارہ اس منزل کی طرف روانہ ہو گئی جہاں کی ہر نماز اپنے صلے کے طور پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب لیے ہوئے ہے، جہاں آنا ہر مسلمان کے دل کی پہلی آرزو ہے، جہاں کے سجدوں کی لذت پر زندگی بھر کی لذتیں تصدق۔

بس چند منٹ مکہ معظمہ کی مختلف سڑکوں پر دوڑنے کے بعد ایک پل پر سے گزرنے لگی۔ اس پل پر آئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ عمارتوں کے سامنے سے ہٹ جانے کے باعث وہ نظارہ چند لمحوں کے لیے آنکھوں میں روشنی بن کر اترا جس سے دنیا کا ہر مسلمان اپنی آنکھوں کو روشن کرنے کی شدید خواہش رکھتا ہے۔ حرم شریف کے نظارے نے بس کے مسافروں میں جو پہلے ہی تلبیہ پڑھ رہے تھے، ایک نئی روح پھونک دی۔ تلبیے کی آواز بلند ہو گئی۔ حرم پاک کی شان وشوکت دیکھ کر یوں محسوس ہوا جیسے زمین کی ہتھیلی پر ایک صاف وشفاف موتی رکھا ہوا ہو اور جس نے پوری ہتھیلی کو روشن کر رکھا ہو۔ مسجد حرام کے اندر وہی کعبہ ہے جسے سب سے پہلے فرشتوں نے رب قدیر و کبیر کے حکم پر تعمیر کیا۔ جب حضرت آدمؑ کو ایک روایت کے مطابق لنکا کے ایک مقام کوہ سراندیپ پر اور اماں حوا کو ان سے کالے کوسوں دور جدہ میں اتارا گیا تو دونوں زمین پر ادھر ادھر بھٹکنے لگے۔ ہر طرف سنسان اور ویران زمین کا سلسلہ اور اوپر سے تنہائی اور ندامت کا بوجھ۔ دونوں اللہ کے حضور توبہ اور معافی کے لیے سراپا دعا بنے رہے۔ آخر خدا کو اماں حوا اور بابا آدمؑ کی حالت پر رحم آیا اور اس نے اپنی قدرت سے یاقوت سرخ کا ایک گھر ظہور پذیر کیا۔ اس گھر کا نام بیت المعمور یا بیت الضراح تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں اب خانہ کعبہ ہے۔ اسی گھر کی ایک دیوار میں حجر اسود بھی موجود تھا۔ حضرت آدمؑ نے حکم ربی پر خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے شیثؑ نے اور پھر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے عظیم بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ اسے نئے سرے سے تعمیر فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے۔

"اور یاد کرو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔"

اللہ کے اس عظیم گھر کو تباہ کرنے کی کوششیں بھی ہوئیں لیکن اس گھر کو کون تباہ کرسکتا ہے جس کی حفاظت میرا رب عظیم و کریم کرنا چاہتا ہو۔۔۔۔۔ مہ و سال کے شمار کے تحت کچھ بیان کرنا تو ممکن نہیں لیکن قرآن و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گھر جو فرشتوں نے اللہ کے حکم سے تعمیر کیا تھا اسے وقت کی گرد نے خود میں چھپالیا۔ وقت کی گرد میں چھپے ہوئے اس گھر کو انسان اول یعنی حضرت آدمؑ نے حکم ربی پر تعمیر کیا اور بعد ازاں آدمؑ کے بیٹے شیثؑ جنہیں حضرت آدمؑ نے اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اللہ کے اس گھر کی تعمیر کا کام جاری رکھا۔۔۔۔۔ روایات میں مذکور تعمیر کعبہ کی اس تاریخ کے بعد تعمیر کعبہ کا قرآنی حوالہ سامنے آتا ہے جس کی رو سے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ نے کعبہ کی تعمیر کا کام کیا۔ جب انہوں نے یہ کام شروع کیا تو خانہ کعبہ کے آثار کہیں موجود نہ تھے البتہ ایک ٹیلہ موجود تھا جس کی فرشتوں نے نشان دہی کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند کے ساتھ مل کر اس ٹیلے کی کھدائی کی تو اس کی سابقہ بنیادیں منظر عام پر آگئیں۔

قرآن پاک میں ہے۔

"یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو اور لوگوں کو حج کے لیے عام اجازت دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور میں دور دراز مقام سے پیدل اور دبلے پتلے اونٹوں پر سوار آئیں۔" سورۃ الحج (۲۶ تا ۲۷)

حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے خانہ کعبہ تعمیر کیا اور اللہ کے بندوں کو اس کی جانب متوجہ کیا۔ یمن کی طرف سے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچانے کی دوبارہ کوشش کی گئی۔ ایک شخص فہر جو

رسول اکرم ﷺ کے اجداد میں سے تھے، کے زمانے میں حسان بن عبد کلال الحمیری نے یہ کوشش کی کہ وہ اللہ کے اس عظیم گھر کے پتھر اٹھا کر یمن لے جائے تا کہ وہاں کعبہ تعمیر ہو اور لوگ وہیں حج کے لیے آئیں۔ وہ فوج لے کر مکہ آیا۔ فہر نے عرب کے تمام قبیلوں کو اکٹھا کیا اور اس کا مقابلہ کر کے اسے نہ صرف شکست دی بلکہ اسے گرفتار کر کے اپنی قید میں رکھا۔ وہ تین سال تک فہر کی قید میں رہا جہاں سے اس نے فدیہ دے کر رہائی حاصل کی۔ ۵۷۱ء میں یمن کے ایک بد بخت حاکم ابرہہ نے خانہ کعبہ کو (نعوذ باللہ) تباہ و برباد کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ، جس میں ہاتھیوں کی کثیر تعداد تھی، مکہ پر حملہ آور ہوا۔ ابرہہ کے فوجیوں نے قریش کے سرداروں کے اونٹوں، بھیڑوں اور بکریوں کے ریوڑوں پر قبضہ کر لیا جن میں حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی شامل تھے۔ عبدالمطلب ابرہہ کے پاس گئے اور ترجمان کے ذریعے اونٹ چھوڑ دینے کے لیے کہا۔ ابرہہ نے تعجب سے پوچھا کہ تم صرف اونٹوں کی بات کر رہے ہو، کعبے کی نہیں۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں صرف اونٹوں کا مالک ہوں اس لیے صرف انہی کی بات کرتا ہوں۔ کعبہ اللہ کا ہے، اس کی حفاظت وہی کرے گا۔ ابرہہ نے کہا کہ اب خانہ کعبہ مجھ سے نہیں بچ سکتا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ تم جانو اور خانہ کعبہ کا مالک جانے۔ ابرہہ نے ان کے اونٹ چھوڑ دیے۔ وہ اونٹ لے کر مکہ آئے اور اہل مکہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں دعا کی کہ اے اللہ بندہ اپنا گھر بچاتا ہے، خانہ کعبہ تیرا گھر ہے اس لیے اسے تو خود ہی بچا۔ آج اگر یہ نہ بچا تو یہاں بھی صلیب آ جائے گی۔ دعا کے بعد وہ پہاڑوں میں چلے گئے، جہاں اور لوگوں نے بھی پناہ لے رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نظر نہیں آتی۔

ایک طرف ابرہہ کا پر غرور لشکر اپنے ہاتھیوں کے ساتھ کعبہ کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن لشکر کے ہاتھی مکہ کی طرف بڑھنے سے انکاری ہیں اور دوسری طرف ننھے ننھے پرندے ابابیلوں کا ایک لشکر اچانک افق سے نمودار ہوتا ہے۔ ابابیل اتنے ہیں کہ آسمان سیاہ ہو گیا ہے۔ ان کی چونچوں اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہیں وہ ابرہہ کے لشکر پر کنکریاں پھینکتے

ہیں۔ کنکریوں کی رفتار بے حد تیز ہے اور ان کی ضرب اتنی شدید ہے کہ ہاتھی بھی برداشت نہیں کر پاتے اور ابرہہ کا لشکر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اس سال کو اہل مکہ نے عام الفیل کا نام دیا ہے اور یہی وہ سال ہے جب ہمارے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی اللہ کے اس عظیم گھر کی طرف کسی نے میلی آنکھ سے دیکھا، وہ بہر طور دنیا میں رسوا ہوا۔۔۔۔ اللہ کا گھر آج بھی دھرتی کے سینے پر مکمل جاہ و جلال کے ساتھ موجود ہے اور پوری دنیا سے اہل ایمان اس کی زیارت کے لیے کھینچے چلے آتے ہیں۔

جب بس پل سے گزر رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ انسانوں کا ایک سمندر ہے جو اللہ کے اس عظیم گھر کے ارد گرد ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ چند لمحوں کے اس نظارے نے میرے جذبات میں ایک تموج کی صورت پیدا کر دی۔ میری بے قراری میں مزید اضافہ ہو گیا اور میرا جی چاہنے لگا کہ میں کسی طرح بس سے یہیں اتر جاؤں اور اللہ کے اس مقدس گھر کے در و دیوار سے لپٹ لپٹ کر روؤں، بالکل اسی طرح جیسے اپنے ماں باپ سے بچھڑ جانے والا بچہ ماں باپ کے مل جانے پر ان سے لپٹ کر روتا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں اسی گھر کا ہوں اور میرا سب کچھ یہی ہے۔ اب تک جو زندگی گزری ہے وہ جھوٹ تھی، دنیا میں اگر سچ ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے، اللہ کا گھر اور اس کے رسول ﷺ کا روضہ ہے۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ بس ایک عمارت کے سامنے آ کر رک گئی جس کی پیشانی پر مکتب نمبر چھ تحریر تھا۔ میں نے باہر کے ماحول کا جائزہ لیا۔ بہت سے چہروں میں سے مجھے سلیم کا فکر میں ڈوبا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔ میں نے بس کے اندر ہی سے ہاتھ ہلا کر اسے بس میں اپنے موجود ہونے کی اطلاع دی تو اس کے چہرے سے تفکر کی پرچھائیاں غائب ہو گئیں اور وہ مسکرا مسکرا کر ہاتھ ہلانے لگا۔

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے کہ حج کے لیے درخواستیں دینے سے پہلے ہی میں نے بہت سے لوگوں سے معلومات حاصل کی تھیں اور حج سے متعلق لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا تھا۔ ان معلومات اور مطالعے نے مجھے یہ فیصلہ کرنے میں مدد دی تھی کہ میں حج ریگولر سکیم کی بجائے

سپانسر شپ سکیم کے تحت کروں اور رہائش کے لیے سرکار کے انتظام کے انتخاب کی بجائے اپنی رہائش کے لیے نجی طور پر انتظام کروں۔ مکہ معظمہ میں میرے کچھ عزیز اور ملنے والے موجود تھے لیکن میں انہیں کسی تکلیف میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے سلیم جو جدہ میں کام کرتا ہے اور جو چند ماہ پہلے پاکستان آیا ہوا تھا، میں نے اس کی پیش کش پر رہائش کے بندوبست کے لیے اسے کہہ رکھا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش صرف اس شرط پر قبول کی تھی کہ وہ میرے لیے رہائش کا جو بندوبست کرے گا میں اس کی ادائیگی کروں گا۔ اس نوجوان نے جس محبت سے ہمارا وہاں استقبال کیا اور ہمارے لیے رہائش کا بندوبست کرنے کے علاوہ ہماری خدمت کی وہ ہمارے دل پر نقش ہے۔ اللہ اسے جزائے خیر دے۔ اسے وہاں موجود دیکھ کر میرے دل میں رہائش کے حوالے سے جو معمولی پریشانی موجود تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ یہ بات تو میری معلومات میں تھی کہ اگر کسی کی رہائش کا وہاں پہلے سے کوئی انتظام نہ ہو تو بس سے اترنے کے بعد بھی انتظام میں زیادہ دشواری پیش نہیں آتی بلکہ آپ بس سے اتر رہے ہوتے ہیں کہ کچھ لوگ آپ کو رہائش مہیا کرنے کی پیش کش کرتے ہیں جن سے اگر سوچ سمجھ کر بات کر لی جائے تو معاملہ طے ہو جاتا ہے جو سرکاری رہائش کے مقابلے میں عام طور پر بہتر بھی ہوتی ہے اور سستی بھی لیکن اگر اس طرح کا انتظام ہو جیسا کہ میں نے کر رکھا تھا تو اس سے اطمینان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بس وہاں چند لمحوں کے لیے رکی اور پھر چلنے لگی تو میں نے بس میں سوار ہونے والے اپنے معلم کے ایک کارندے سے کہا کہ وہ ہمیں اسی جگہ اتار دیں لیکن وہ تیار نہ ہوا۔ اس کا انداز گفتگو حاکمانہ اور غیر ہمدردانہ تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ بس وہاں رکے گی جہاں ہم نے ریگولر سکیم کے تحت ہمارے مکتب پر آنے والے حاجیوں کی رہائش کا بندوبست کر رکھا ہے۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم یہاں اجنبی ہیں، ہمیں لینے کے لیے مکتب پر تو ہمارا برخوردار آیا ہوا تھا، اب آپ جہاں لے کر جا رہے ہیں، وہاں وہ کیسے پہنچے گا لیکن اس بندہ خدا نے میری ایک نہ سنی اور بس چند منٹ کا سفر طے کر کے اپنی منزل مقصود پر آ پہنچی۔ سب عازمین حج بس سے اترنے لگے۔ مکتب سے اس عمارت تک بس ایک کار کی قیادت

میں پہنچی تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ کار میں جو دو آدمی بیٹھے ہیں ان میں سے ایک معلم اور دوسرا اس کا نائب ہے۔ وہ دونوں عرب تھے۔ میں بس سے اتر کر معلم کے پاس گیا اور انگریزی میں اسے اپنا مسئلہ بتایا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ انگریزی جانتا تھا۔ اس نے مجھے تسلی دی کہ بس پر سے سامان اتر رہا ہے آپ اپنا سامان وصول کر لیں، میں اپنی کار میں آپ کو مکتب تک پہنچا دیتا ہوں۔ چند منٹ میں سامان اتار لیا گیا۔ میں، میری اہلیہ اور ہماری ہمراہی خاتون نے اپنا سامان پہچان کر الگ کر لیا۔ معلم کے آدمیوں نے ہمارا سامان کار کی چھت پر رکھا اور کار دو چار منٹ بعد ہمیں اسی جگہ واپس لے آئی جہاں سلیم موجود تھا جس نے بڑھ کر مجھے اپنے گلے سے لگا لیا۔ خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ہمارا فلائیٹ نمبر اور پرواز کی تاریخ والا پیغام مل گیا تھا جس کے بعد اس نے مکتب نمبر دریافت کیا اور پھر رات بھر اسی مکتب کے سامنے رو کر ہماری آمد کا انتظار کیا۔ سلیم نے ہمارا مختصر سا سامان اٹھایا اور ہمیں قریب ہی کی ایک عمارت میں لے آیا جو مکتب سے پانچ منٹ کے پیدل سفر کے فاصلے پر تھی۔ وہ ہمیں ایک کمرے میں بٹھا کر ہمارے لیے ناشتہ لے آیا۔ ناشتہ کرانے کے بعد اس نے ہمیں آرام کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے پروگرام بتایا کہ حرم یہاں سے بالکل نزدیک ہے۔ آپ آرام کریں کیونکہ طویل سفر کے بعد پہنچے ہیں اور میں بھی رات بھر جاگا ہوں۔ ظہر کی نماز سے پہلے میں آپ سب کو جگا دوں گا۔ نہا دھو کر ہم حرم چلیں گے اور نماز ظہر کے بعد آپ کو آپ کی رہائش کا کمرہ دکھا دوں گا اگر وہ آپ کو پسند آ گیا تو ہم اپنا سامان وہاں منتقل کر دیں گے۔ میں شام کو مکتب کی طرف سے آپ کے لیے جاری ہونے والے کارڈ زلے آؤں گا اور آپ کی مدینہ منورہ روانگی کا پروگرام بھی معلوم کر لوں گا۔ ہم نے اس کے مشورہ پر عمل کیا اور تھوڑی ہی دیر میں سرزمین مکہ پر اپنی زندگی کی پہلی نیند کے مزے لینے لگے۔

سجدۂ شوق کروں یا ترا جلوہ دیکھوں

(بیت اللہ میں حاضری، عمرے کی ادائیگی اور مدینہ منورہ کے لئے روانگی)

چند گھنٹے آرام کرنے کے بعد جب آنکھ کھلی تو دن کے پونے بارہ بج چکے تھے۔ مجھے مکہ معظمہ میں نمازِ ظہر کے وقت کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا اس لیے میں نے احتیاطاً اہلیہ اور اپنی ہمراہی خاتون کو جگایا اور انہیں نماز کی تیاری کے لیے کہا۔ ہم سب بالکل تیار ہو چکے ہیں لیکن سلیم کا کہیں کچھ پتہ نہیں۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے لیکن سلیم غائب۔ اجنبی جگہ، نہ کوئی معلومات اور نہ ہی کوئی واقف۔ باہر نکل کر دیکھتا ہوں، ایک گلی ہے، لوگ گزر رہے ہیں، زیادہ تر بنگلہ دیشی، پاکستانی اور ہندوستانی ہیں۔ عربوں کا وہاں سے شاید کم گزر ہوتا ہے۔ میں اسی پریشانی میں ہوں کہ ایک شخص میرے پاس آیا ہے، اس نے خالص سرائیکی میں اپنا تعارف کرایا ہے۔

"میرا نام ریاض ہے، یہ عمارت میری ہے، آپ سلیم کے مہمان ہیں نا؟"

"جی بیٹا، سلیم کہاں ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"وہ اوپر کمرے میں سویا ہوا ہے۔۔۔۔۔ رات بھر جاگا ہے نا۔" اس نے جواب دیا۔

میں فوراً اس کے بتائے ہوئے کمرے میں گیا۔ سلیم کو جگایا اور ہم سب حرم کی طرف روانہ ہو گئے۔ حرم وہاں سے بمشکل پانچ سے سات منٹ کے پیدل سفر کے فاصلے پر ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ہم مکہ معظمہ میں اپنی خوش نصیبی کے دن مسفلہ کے ایک مکان میں گزاریں گے۔ یہ مسفلہ وہی محلّہ ہے

جہاں خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی مکی زندگی کے دن گزارے۔ یہ وہی محلہ ہے جہاں اپنے یار غار سے ملنے کے لیے میرے آقا ﷺ بارہا تشریف لائے۔ اس محلے کی گلیوں کو وہ شرف و سرفرازی حاصل ہے جس پر سوائے چند اور ٹکڑوں کے زمین کے سبھی ٹکڑے بے اختیار رشک کرتے ہوں گے۔ ایامِ جاہلیت کے عبدالکعبہ اس بدر منیر ﷺ کی عطا سے عبداللہؓ بنے جس نے جہالت کے پردوں کو تار تار کر کے سینہ عالم کو ایمان کی روشنی سے منور کیا۔ اس روشنی کی پہلی کرن کو اپنے سینے میں اتارنے کی سعادت آزاد مردوں میں عبداللہؓ ہی کے حصے میں آئی۔ عتیق و صدیق کے القاب سے سرفراز ہونے والے عبداللہ تاریخ عالم میں اپنی کنیت ابوبکرؓ سے زیادہ مشہور ہوئے۔ آپؓ کے والد عثمان جن کی کنیت ابوقحافہ اور والدہ امِ سلمیٰ جن کی کنیت ام الخیر تھی دونوں اسلام سے مشرف ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر جب ابوقحافہ نے اسلام قبول کیا تو وہ مسفلہ کے اسی مکان میں رہائش پذیر تھے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے اپنے والد کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! انہیں اسلام کی تلقین فرمائیں۔" آپ ﷺ نے ابوقحافہ کو دیکھ کر فرمایا "ابوبکرؓ! تم نے شیخ (بڑے میاں) کو کیوں تکلیف دی، میں خود مکان پر چل کر جاتا"۔ ابوبکرؓ نے عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! انہی کو حاضر ہونا چاہیے تھا" آپ ﷺ نے ابوقحافہ کو سامنے بٹھایا اور ان کے سینے پر دستِ مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا "اَسلِم" یعنی اسلام لے آؤ۔ ابوقحافہؓ نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ اسماءؓ بنت ابوبکرؓ اسی مکان میں آپ ﷺ اور اپنے والد سیدنا ابوبکرؓ کے لیے اس وقت کھانا پکاتی رہیں جب کائنات کے دو سب سے بڑے انسان ہجرت مدینہ کے وقت غار ثور میں قیام پذیر تھے۔ یہی مکان ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے وجود بابرکت سے سرفراز رہا اور اسی میں عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ نے زندگی کے گرم و سرد دن گزارے۔ اس مکان کے حوالے سے میری آنکھوں میں اس کی عظمت کا وہ منظر سما گیا جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے چار ماہ قبل اپنے صحابہؓ کو مدینہ منورہ جانے کی عام اجازت عطا فرما دی۔ حضرت عمرؓ بھی مدینے چلے گئے لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کا قصد فرمایا تو آپ ﷺ نے انہیں یہ کہہ کر منع فرما دیا

کہ خود مجھے بھی ہجرت کے حکم کا انتظار ہے۔ اس اشارہ کو ابوبکرؓ کی فراست ایمانی نے فوراً تفہیم میں لے لیا اور آپؓ نے اسی دن سے دو اونٹنیوں کی پرورش شروع کر دی۔ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ روزانہ صبح و شام اس مکان کو اپنی تشریف آوری سے سرفراز فرماتے۔ ایک روز آپ ﷺ خلاف عادت دوپہر کے وقت تشریف لائے۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع ہوئی کہ آنحضرت ﷺ سر پر چادر لپیٹے تشریف لا رہے ہیں تو آپؓ نے فرمایا کہ آقائے دو جہاں ﷺ بلاوجہ تشریف نہیں لا رہے۔ آپ ﷺ نے دروازے پر پہنچ کر اجازت طلب کی۔ بعد اجازت آپ ﷺ اندر تشریف لے آئے اور تخلیے کی خواہش فرمائی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، گھر میں کوئی غیر نہیں صرف میری دونوں بیٹیاں ہی ہیں۔" یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت کی اجازت آ گئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی "میرے بارے میں کیا حکم ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کی رفاقت کی بھی اجازت آ گئی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں میں فرطِ مسرت سے آنسو آ گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس روز میں نے جانا کہ آدمی جوشِ خوشی میں بھی روتا ہے۔ اعتماد، مشاورت اور عقیدت کے ایسے ہزاروں مواقع اسی مکان کا اعزاز بنے اور رفاقتِ رسول ﷺ کے اعزاز میں سیدنا ابوبکرؓ کی آنکھوں میں مچلنے والے آنسوؤں کو بھی اسی مکان نے دیکھا۔ اب یہ مکان اپنی اصلی حالت میں نہیں رہنے دیا گیا بلکہ اسے مختلف ضرورتوں کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔

ہم نے سلیم کی قیادت میں دو تین منٹ کا سفر طے کیا تھا کہ سامنے حرم پاک نظر آیا۔ ہم جس سڑک پر چل رہے تھے، اسی پر قافلوں کی صورت میں لوگوں کا ایک جمِ غفیر اپنے مرکز یعنی حرم پاک کی طرف رواں دواں تھا۔ اب ہم اور ہیڈ برج کے نیچے سے ہوتے ہوئے اس جگہ آ گئے جہاں ہماری بائیں جانب بن داؤد، دائیں جانب بنک کی عمارت اور سامنے حرم پاک تھا۔ ہمارے لبوں پر تلبیہ اور دل میں شوقِ دیدارِ کعبۃ اللہ۔ قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔ سلیم جدہ میں اپنا کاروبار شروع کرنے سے پہلے سالہا سال مکہ معظمہ میں رہ چکا تھا اس لیے یہاں کے چپے چپے سے

واقف تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ اس وقت آپ نماز ظہر ادا کریں، زیارت کعبہ سے شرف یاب ہوں، مقامات عبادات سے واقف ہوں، عمرہ شام کے وقت ادا کریں۔ اس کا خیال تھا کہ اگر ہم نے اسی وقت عمرہ ادا کیا تو گرمی اور سفر کی تھکن کے باعث بیمار ہو جانے کا امکان موجود ہے۔ ہم نے اس کے مشورے پر عمل کیا۔ اب ہم مسجد حرام کی حدود میں پہنچ چکے تھے۔ ہمارے دائیں اور بائیں وضو خانے تھے اور سامنے باب العبد۔ جونہی حرم سامنے آیا، قدموں کی تیزی خود بخود سست ہونے لگی۔ ذہن میں غالب کا شعر آیا۔

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

نجانے کیوں میں نے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ دل ہی دل میں شعر اس طرح پڑھا۔

کعبے کس منہ سے جاؤ گے ناظر
شرم تم کو مگر نہیں آتی

میری پوری زندگی میرے سامنے تھی، گناہوں میں لت پت، ذہن میں ایک بھی ایسا عمل نہیں آ رہا تھا کہ جو میرے نزدیک مجھے اس مقام عظیم پر آنے کا مستحق بنائے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عطا اسی کا نام ہی تو ہے۔ کیسے کیسے گنوں والے گھر میں حسرتیں لیے بیٹھے ہیں اور مجھ ایسا گنہگار حضوری کی سعادت سے سرفراز ہو رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہاں طلبی ہی اس بات کی دلیل ہے کہ میری خطائیں اس کی رحیمی اور کریمی کے سبب نظر انداز ہو چکیں۔ اہلیہ بھی سر جھکائے تلبیہ پڑھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ دل ہی دل میں کیا سوچ رہی تھیں لیکن ہم دونوں کا ایک کام مشترک تھا کہ ان کی آنکھوں میں بھی میری ہی آنکھوں کی طرح آنسو تھے اور وہ بجا طور پر شکرانے کے آنسو تھے۔ میرے دل کے جذبات دعا بن کر میرے لبوں پر مچلنے لگے۔ "اللہ کا نام لے کر داخل ہوتا ہوں۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور درود و سلام اس کے

رسول ﷺ کے لیے ہے۔ اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور مجھے ان میں داخل کر دے۔ اے اللہ میں تجھ سے اپنے اس مقام پر سوال کرتا ہوں کہ تو رحمت نازل فرما ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پر جو تیرے بندے اور رسول ﷺ ہیں اور یہ کہ تو رحمت نازل فرما مجھ پر اور قبول کر لغزش میری اور میرے گناہ بخش دے اور مجھ سے میرے گناہ دور کر دے۔ حضرت محمد ﷺ اور ان ﷺ کی آل پاک پر رحمت نازل فرما۔ میں اللہ کے نام سے جو بڑی عظمت والا ہے اور اس کی ذات کریم کے ساتھ اور اس کی قدیم طاقت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں راندے ہوئے شیطان سے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ درود و سلام ہو اس کے رسول پر۔ اے اللہ میرے تمام گناہ بخش دے اور اپنی رحمت کے دروازے میرے لیے کھول دے اور مجھے اپنی جنت میں داخل فرما۔۔۔۔۔'' ہم نے بسم اللہ پڑھ کر اپنا دایاں پاؤں حرم شریف میں رکھا۔ پاؤں رکھتے ہی ٹھنڈی اور مہکی ہوئی ہوا نے ہمارا استقبال کیا۔ اندر داخل ہوئے تو ہم نے خود کو ایک بہت بڑے ہال میں پایا۔ کافی دیر چلنے کے بعد ہماری نظر اللہ کے اس پاک گھر پر پڑی جس کی جانب منہ کر کے اپنی جبینوں کو زمین پر لگانے کو ہر مسلمان اپنی بلندی کی اولین شرط گردانتا ہے۔ میری آنکھوں میں اشکوں کی روانی کچھ اور تیز ہو گئی۔ میں نے دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔۔۔۔۔

''اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ نہیں کوئی معبود سوائے
اللہ کے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔''

میں نے آنکھیں جھپکائے بغیر دعا مانگنا شروع کی ''اے اللہ! میں زندگی بھر تجھ سے جو بھی جائز دعا مانگوں، اسے شرف قبولیت عطا کرنا۔ اے اللہ! آج تیرے اس عظیم گھر کے سامنے دنیا کا عظیم گنہگار تیری خدمت میں حاضر ہے۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے تجھ سے معافی اور بخشش کی درخواست کرتا ہے۔ اے اللہ! مجھے اپنے پیارے رسول ﷺ کی بار بار زیارت

نصیب فرما۔ میرے ماں، باپ اور میرے عزیز و اقرباء جو اس دنیا میں نہیں، ان کی بخشش فرما۔ میں نے مانگا اور خانہ کعبہ پر نظریں جمائے ہوئے بغیر پلکیں جھپکائے مانگا۔ میں نے ان دعاؤں کو بھی اپنے رب قدیر کی درگاہ اقدس میں بصد عجز و نیاز پیش کیا جو وطن سے چلتے ہوئے میرے عزیزوں، میرے دوستوں اور میرے ملنے والوں نے امانت کے طور پر میرے سپرد کی تھیں۔ یہ وہ وقت تھا جس میں دعاؤں کی قبولیت کا یقین دلایا گیا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرا اللہ میرے بالکل سامنے ہے، وہ میری ہی جانب متوجہ ہے اور میں جو کچھ مانگ رہا ہوں وہ وہی عطا کیے جا رہا ہے۔ میں ان لمحات بے بدل کی لذت شاید زندگی بھر نہ بھلا سکوں۔ میں ابھی اور بھی مانگتا لیکن میری پلکوں نے میرا ساتھ نہ دیا۔ میں نے دعا ختم کی۔ سلیم نے خواتین کو اس حصے میں جانے کے لیے کہا جو خواتین کے لیے مخصوص تھا۔ انہیں سمجھا دیا گیا کہ نماز کے بعد وہ اسی دروازے کے سامنے ہمارا انتظار کریں گی جس دروازے سے ہم حرم پاک میں داخل ہوئے تھے۔ میں اور سلیم مسجد الحرام کے صحن میں آ گئے۔ بمشکل سنتیں پڑھی تھیں کہ نماز کے لیے تکبیر شروع ہو گئی۔ آج کی نماز آج تک کی تمام نمازوں سے بالکل مختلف تھی کیونکہ آج کعبہ کالے کوسوں نہیں صرف چند گز کے فاصلے پر بالکل میری نظروں کے سامنے تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر میں اپنی جگہ سے اٹھنے کی بجائے بیت اللہ پر نظریں جمائے اسے غور سے دیکھنے لگا۔ میرا دل بولنے لگا۔ اے میرے اللہ! میں تیرے اس عظیم گھر کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ تیری کریمی کا اعتراف کرتے ہوئے میں تیرے حضور سر جھکائے بیٹھا ہوں کہ تو نے مجھے زندگی بھر اپنے کرمِ خاص کے زیر اثر ہمیشہ ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھا ورنہ میرا ایک بھی عمل ایسا نہیں جس کا صلہ ذلت و رسوائی کے علاوہ کچھ اور ہو۔ تو نے مجھے اپنے کرم سے ہمیشہ سربلند رکھا اور مجھے وہ عزت عطا فرمائی جس کا میں کسی بھی طرح مستحق نہیں۔ تو نے مجھے عطا کیا اور بن مانگے عطا کیا۔ میں بے عمل و بے علم تجھ سے عمل اور علم کا سوال کرتا ہوں۔ مجھ حقیر کو اپنے رسول ﷺ کے رستے کی دھول بنا دے۔ میری جھولی کو ہر اس خیر سے بھر دے جس کی طلب میرے رسول ﷺ نے کی اور میں ہر اس شر سے پناہ مانگتا ہوں جس سے میرے

رسول ﷺ نے تجھ سے پناہ مانگی۔

میں اپنے اردگرد سے بے نیاز رو رہا ہوں اور دعا مانگ رہا ہوں کہ یکایک میری توجہ اس دن کی طرف جاتی ہے جس کے صدقے آج ہمیں اس طرح رب کعبہ کے حضور کعبہ کے سامنے بیٹھ کر دعائیں مانگنے، اپنے دل کے زخم دکھانے، ان کے لیے مرہم خاص کا سوال کرنے، گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے بخشش کا یقین کرنے، اپنے نامہ اعمال کی سیاہیوں کو دھو کر روشنی سے سیراب کرنے، اپنی اولاد کے لیے سلامتی، ترقی اور خوشحالی کی بھیک مانگنے، اپنے وطن کے لیے امن وسلامتی کی خیرات حاصل کرنے، اپنے دین کے پھلنے پھولنے کے خواب کی تعبیر کی طلب کرنے، اپنے ماں باپ کے لیے رحمت کی درخواست کرنے، اپنے عزیزوں، دوستوں اور خیر خواہوں کے لیے ان کی جائز دعاؤں کی قبولیت کی استدعا کرنے، غرض اپنے لیے اپنی خواہش کی کائنات ترتیب دینے تک کی سبھی دعائیں مانگنے کی آزادی ہے۔ یہ دن فتح مکہ کا دن ہے۔ میرے آقا ﷺ اپنے دس ہزار مجاہدوں کے ساتھ مکے میں داخل ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو بھیجا جاتا ہے کہ وہ کعبہ میں جا کر اسے بتوں سے پاک کریں۔ عمرؓ نے کعبہ کو ۳۶۰ بتوں سے پاک کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ آپ ﷺ سیدنا بلالؓ اور طلحہؓ کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہے جس سے آپ ﷺ بتوں کو ضرب لگاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''جاالحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا''

''حق آ گیا، باطل مٹ گیا کہ مٹنا اس کا مقدر ہے''

رب قدیر کی عطا سے آج کے دن کی سرخروئی وسرفرازی کفار مکہ کی اپنی ہی نادانی کے سبب سے مسلمانوں کے حصے میں آئی ہے۔ قریش نے صلح حدیبیہ کا معاہدہ خود توڑ دیا ہے۔ قبیلہ خزاعہ پر جو مسلمانوں کا حلیف وہم خیال ہے قبیلہ بنو بکر نے حملہ کر دیا ہے۔ قبیلہ بنو بکر قریش کا حلیف ہے اس لیے قریش نے کھل کر بنو بکر کو مدد دی ہے۔ انتہا تو یہ ہے کہ خلاف روایت قبیلہ خزاعہ کو کعبے کی دیواروں کے سائے میں بھی پناہ نہیں ملی ہے اور اس کے افراد کو حرم کے اندر ہی قتل کر دیا

گیا ہے۔ خزاعہ کے لوگوں نے ابن سالم کو اپنا ایلچی بنا کر مدینہ روانہ کیا ہے۔ جب وہ حضور ﷺ کے حضور حاضر ہوتا ہے تو آپ ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف فرما ہیں۔ ابن سالم ایک پردرد و اثر انگیز نظم کی صورت میں خزاعہ پر ہونے والے ظلم کی داستان بیان کرتا ہے اور مدد کی درخواست کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ ایک اور وفد مکہ سے مدد کی درخواست لے کر آتا ہے۔ رمضان المبارک کی دسویں تاریخ کو مدینہ منورہ سے دس ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے محترم چچا حضرت عباس محسوس فرماتے ہیں کہ اس لشکر عظیم کے ساتھ اگر مکہ میں کفار مکہ کی جانب سے تصادم کی صورت پیدا ہوتی ہے تو خون کی کیا کیا ارزانی نہ ہوگی۔ یہ سوچ کر حضرت عباسؓ آگے بڑھ کر قریش کی طرف سے اطاعت کی درخواست پیش کرتے ہیں جسے ایک لمحے میں منظور فرمالیا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مشرکوں کا ایک چھوٹا سا گروہ بداندیشی کرتا ہے اور تصادم کی صورت پیدا کرتا ہے لیکن لشکرِ اسلام کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے سامنے خس و خاشاک ثابت ہوتا ہے اور تیرہ (۱۳) لاشیں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔ حضرت عباسؓ کی درخواست پر آپ ﷺ قریش کے لیے عام معافی اور جاں بخشی کا اعلان فرماتے ہیں لیکن واضح فرماتے ہیں کہ وہ چند مشرک جو اسلام کے شدید ترین دشمن ہیں انہیں امان نہیں ملے گی۔ ان کے بارے میں حکم دیا جاتا ہے کہ اگر وہ غلاف کعبہ میں لپٹے ہوئے بھی ملیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ اعلان ہوتا ہے کہ لشکرِ اسلام کے مکہ معظمہ میں داخلے کے وقت جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لیتا ہے یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لیتا ہے، اسے امان ہے۔ آپ ﷺ سے درخواست کی جاتی ہے کہ ان مشرکین کو بھی معاف فرما دیا جائے جن کے بارے میں حکم ہوا ہے کہ اگر وہ کعبے کے غلاف میں بھی لپٹے ہوئے ملیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ رحمت ظہور میں آتی ہے اور ان کی بھی جان بخشی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ حضرت بلالؓ کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ حضرت بلالؓ حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور ایک کالے کو دنیا کے ہر شخص سے بلند مقام عطا ہوتا ہے۔ وہ سب سے بلند ہو کر تاریخ اسلام کے

ان سنہرے لمحوں کو اپنے تصرف میں لے لیتا ہے۔ فضائے مکہ میں اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی ہے۔ یہ وہی صدا ہے جسے دبانے کے لیے قریش مکہ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ اپنی زندگی، اپنا مال، اور اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر اس صدا کے فروغ کا راستہ روکنے کی کوشش کی ہے لیکن حق آ گیا ہے اور باطل مٹ گیا ہے کہ مٹنا اس کا مقدر ہے۔

میرے دل سے بھی صدا بلند ہوتی ہے۔ آ اے امیہ بن خلف، آ اور اپنے غلام ابن رباح کو دیکھ۔۔۔۔۔ اس کی شان، اس کا مقام، اس کی عظمت اور اس کی عزت دیکھ۔۔۔۔۔ اب وہ رسول امی ﷺ کے فیضان نظر سے سیراب ہونے والا ایسا انسان ہے جسے ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے قریش کے سرداروں کے علاوہ نجانے کون کون سیدنا بلالؓ کہہ کر پکارتا ہے۔ تیری طرف سے بخشی ہوئی ذلت نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کی نظر میں اسے کیسی عظمت عطا کر دی ہے۔ یہ وہی بلالؓ ہے جسے تو نے لات، ہبل و عزیٰ کا دشمن اور محمد ﷺ کا دوست ہونے پر دل کو ہلا دینے والی سزائیں دیں۔ تو نے اسے حرہ کی تانبے کی طرح گرم ہونے والی زمین پر لٹا کر اس کے سینے پر پتھر رکھے لیکن اس نے لات، ہبل اور عزیٰ کو معبود نہیں مانا بلکہ وہ تیرے ہر ظلم کا جواب احد احد سے دیتا رہا۔ آ اور دیکھ کہ اب اس کے سینے پر کوئی پتھر نہیں۔ تو اسے ایک درم کے چھٹے حصے کے برابر کی قیمت کا نہیں سمجھتا تھا، تو نے قسطاس جیسا غلام اور چالیس اوقیہ چاندی لے کر اسے آزاد کیا تھا، آج کائنات کی پوری دولت ابن رباح کے پاؤں کی مٹی کے برابر بھی نہیں۔ آ اور دیکھ کہ اسی کم قیمت بلالؓ کو انصار، مہاجرین کے بھی اشراف، جو شرفائے عرب کا خلاصہ ہیں، اپنا خویش بنانے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر خلوص کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اس سے بڑھ کر ان کے لیے کون سی عزت ہوگی کہ سیدنا بلالؓ ان کے خویش ہوں اور تیرا یہ بدصورت غلام اس مشکل میں ہے کہ کس کا انتخاب کرے اور کس کو چھوڑے۔ آ اور دیکھ کہ تیرا غلام آج کائنات کی آنکھ کی تارا ہے۔ وہ اتنا اونچا ہے کہ اس کے مرتبے کو دیکھنے کے لیے سر کو بہت زیادہ اٹھانا پڑتا ہے۔ کعبہ میرے سامنے ہے اور میں خیالوں کے دھارے میں بہا چلا جاتا ہوں۔ میں کعبہ کے جاہ و جلال کو دیکھتا

ہوں کہ یہ وہ جلال ہے جسے مٹانے کی آرزو کرنے والے خود ذلت و رسوائی میں ڈوب گئے۔

ابرابہ تو خیر نصرانی تھا، مجھے ۶۳ھ کا واقعہ یاد ہے جو تاریخ الخلفاء میں امام حافظ جلال الدین السیوطی نے ذہبی کے حوالے سے لکھا ہے۔ یزید نے عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کرنے کے لیے اپنی فوج مکہ روانہ کی۔ اس فوج نے حصین بن نمیر کی قیادت میں جبل ابوقبیس سے مکہ پر سنگ و آتش کی بارش کر دی۔ اسی آگ سے خانہ کعبہ کی چھت اور غلاف جل گئے اور کعبے کی چھت پر لگے ہوئے اس مینڈھے کے سینگ بھی خاکستر ہو گئے جو حضرت اسمٰعیلؑ کے فدیے کے طور پر ذبح کیا گیا تھا۔ مکہ پر چڑھائی کے لیے جب یزید کی فوج روانہ ہوئی تو اس کا سپہ سالار مر گیا۔ محاصرہ جاری تھا کہ یزید خود مر گیا جس کے نتیجے میں محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ تاریخ میں مذکور ہے کہ یوسف نامی ایک یہودی مسلمان ہو گیا۔ وہ تلاوت قرآن کا بہت شوق رکھتا تھا۔ ایک دن مروان کے محل کے پاس سے گزرا تو نہایت بلند آواز میں کہنے لگا "اس محل کے مکینوں سے امت محمدیہ کو بہت تکالیف پہنچیں گی"۔ ذہبی نے پوچھا "کس زمانے میں؟" تو کہنے لگا "اس عہد میں جب خراسانی سیاہ پرچم لیے آئیں گے"۔ یوسف سے عبدالملک کی دوستی تھی۔ ایک دن یوسف نے عبدالملک کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "عبدالملک! جب بادشاہ بنا تو امت محمدیہ کے ساتھ خوف خدا کے ساتھ پیش آنا"۔ عبدالملک بن مروان نے کہا "یوسف! کہاں میں اور کہاں بادشاہت، تاہم اگر میں بادشاہ بن گیا تو شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا اور اللہ سے ڈرتا رہوں گا۔"

یزید نے جب مکہ پر فوج کشی کی تو عبدالملک نے یوسف سے کہا، اللہ کی پناہ! یزید حرم کعبہ پر چڑھائی کر رہا ہے۔ یوسف نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا کہ تمہارا لشکر اس سے بھی برا کام کرے گا۔ یحییٰ غسانی کا بیان ہے کہ مسلم بن عقبہ مدینے میں آیا تو مسجد نبوی ﷺ میں عبدالملک کے پاس جا بیٹھا۔ عبدالملک نے مجھ سے پوچھا کہ تم بھی اس لشکر میں ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ عبدالملک نے کہا کہ تمہاری ماں اولاد سے محروم ہو، تمہیں معلوم ہے کہ تم کس کے مقابلے میں

آ رہے ہو۔ سنو! عبداللہ ابن زبیرؓ وہ شخصیت ہیں جو عہد اسلامی میں سب سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ سرورِ عالم ﷺ کے حواری ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی اولاد ہیں اور وہ محبوب ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی چبائی ہوئی کھجور خود چٹائی تھی۔ جب میں دن کے وقت ان کے پاس گیا تو انہیں روزہ دار پایا اور جب رات کے وقت گیا تو انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ روئے زمین پر اگر تمام باشندے اکٹھے ہو کر انہیں قتل کر دیں تو اللہ تعالیٰ ان قتل کرنے والوں کو دوزخ ہی میں جھونکے گا۔ یہی وہ عبدالملک ہے جو بعد میں خلیفہ بنا اور جس کے عہد خلافت میں اس کی سپاہ نے حجاج کی سالاری میں مکہ پر چڑھائی کی۔ مقابلہ عبداللہ ابن زبیرؓ سے تھا۔ حجاج نے کئی ماہ تک مکہ معظمہ کا محاصرہ کیے رکھا۔ جگر گوشہ اسمأ اور نواسہ ابوبکرؓ کے دس ہزار آدمی حجاج کے ساتھ جا ملے۔ اس نے سنگ و آتش کا وہ کھیل کھیلا کہ یہ واقعہ دامن تاریخ اسلام پر سیاہ دھبہ بن کر رہ گیا ہے۔ عبداللہ ابن زبیرؓ کو مقام ابراہیم کے پاس ہی ایک پتھر لگا جس سے ان کا سر کھل گیا۔ قتل کے بعد انہیں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ حضرت اسمأ کو بلوا کر انہیں ان کے بیٹے کو سولی پر لٹکے ہوئے دکھایا گیا۔ حضرت اسمأؓ نے حجاج کو مخاطب ہو کر کہا ''تم نے اس کی دنیا خراب کی اور اس نے تمہاری عاقبت خراب کی۔''

خانہ کعبہ میرے سامنے ہے۔ میں اس کے جاہ و جلال کو دیکھ رہا ہوں کہ اس میں تو کوئی کمی نہیں آئی لیکن اس کی عظمت کو داغدار کرنے والے اپنی دنیا اور آخرت کو داغدار کر کے تاریخ کعبہ کے روشن صفحات پر بدنما داغ کی صورت ذلت و رسوائی کا نشان بن گئے۔ میں اپنے خیالوں میں گم تھا کہ سلیم کی آواز نے چونکایا۔

''انکل! کن خیالوں میں گم ہیں، چلیں آنٹی انتظار کر رہی ہوں گی۔''

میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے صفا و مروہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مجھے اس کا راستہ سمجھایا تاکہ شام کے بعد مجھے عمرہ کرنے میں دقت نہ ہو۔ اس کے بعد ہم حرم پاک سے باہر آ گئے۔ وہ ہمیں بن داؤد میں لے آیا جہاں اس نے ہماری بھرپور تواضع کی اور پھر ہم اپنی رہائش گاہ پر واپس آ گئے۔ ہم نے اپنا کمرہ دیکھا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں تین افراد ہی

کے لیے گنجائش تھی۔ ہم نے اپنا سامان اسی کمرے میں منتقل کر دیا۔ سلیم ہمیں بتائے بغیر کچھ برتن لے آیا تا کہ ہمیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ میں نے سلیم کو اجازت دی بلکہ اصرار کیا کہ وہ جدہ چلا جائے اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے تا کہ ایک طرف اس کا نقصان نہ ہو تو دوسری طرف ہم جس مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں، اسے یکسوئی کے ساتھ حاصل کر سکیں لیکن وہ اگلے روز ہماری مدینہ منورہ کے لیے روانگی تک ہمارے ساتھ رہا۔

نمازِ عصر کے وقت ہم پھر بیت اللہ آ گئے۔ نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد ہم عمرے کی ادائیگی کے لیے صحن مسجد الحرام میں آ گئے۔ میں نے کعبۃ اللہ پر نظر ڈالی۔ لوگوں کا ایک ریلہ ہے کہ دیوانہ وار اس کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ ایک لمحے کے لیے میں نے محسوس کیا کہ زمین پر کعبہ نیوکلیس کی طرح ہے اور پوری دنیا کے مسلمان اس کے گرد الیکٹران کی طرح ہر وقت گردش کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی گردش ہے جس کا رکنا اور جسے روکنا ممکن نہیں۔ اسی گردش میں شاید بقائے عالم کا راز مضمر ہے۔ نجانے مجھے کیوں یقین ہے کہ جس دن یہ گردش رکے گی، وہ دن زمین پر انسانی زندگی کا آخری دن ہوگا۔

دوپہر کی نسبت اس وقت بہت زیادہ رش تھا۔ میں اہلیہ اور اپنی ہمراہی خاتون کو لے کر حجرِ اسود کی نشاندہی کرنے والی اس سیاہ لکیر پر آ گیا جہاں سے طوافِ کعبہ کا آغاز ہوتا ہے۔ میں نے عمرے کی نیت کا ارادہ کیا ہی تھا کہ حجرِ اسود اور میرے درمیان سے کھٹولوں پر مریض، معذور اور ضعیف لوگوں کو اٹھائے ہوئے ایک قافلہ گزرا۔ میں ان کے گزر جانے کا انتظار کرنے لگا۔ یکایک میرے نظر میں میرے پیارے آقا ﷺ کی مکہ میں تشریف آوری کا مبارک منظر گھومنے لگا۔ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہیں، آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہے اور آپ ﷺ اس چھڑی کو ہر شوط کے بعد حجرِ اسود سے لگا کر چوم لیتے ہیں۔ میں سوچنے لگا کہ میرے رسولِ امی ﷺ اتنے بڑے صاحبِ علم تھے کہ جن کی مثال ہی ممکن نہیں۔ انہیں آنے والے وقتوں کے حالات کا مکمل ادراک تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ایک وقت آئے گا جب حجرِ اسود کو چومنا تو ایک طرف کمزور، ناتواں اور ضعیف

لوگوں کے لیے اسے چھونا بھی ممکن نہیں رہے گا، اس لیے انہوں ﷺ نے استلام یعنی دور ہی سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے ہاتھوں کو چوم لینے کے عمل کی اجازت مرحمت فرما دی۔ وہ ﷺ اگر اس سہولت سے مسلمانوں کو سرفراز نہ کرتے تو آج نجانے کتنے لوگ حجر اسود کو بوسہ دینے ہی میں جان سے جاتے۔ اسی وقت مجھے آپ ﷺ کی وہ ہدایت بھی یاد آئی جو آپ ﷺ نے سیدنا عمرؓ کو حج پر روانگی کے وقت بطور خاص فرمائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا "عمرؓ! تم طاقتور ہو، حجر اسود کو بوسہ دینے میں طاقت کا مظاہرہ نہ کرنا بلکہ دوسروں کو موقع دینا۔" اس ہدایت سے یہ روشنی ملتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں کمزور کو طاقت ور پر فوقیت حاصل ہے اور کسی بھی سہولت کے حصول میں کمزور کو اولیت بخشی گئی ہے، یہ الگ بات ہے کہ مجھے کعبۃ اللہ میں یہ جذبہ بعض اوقات اپنی بلندی پر نظر نہیں آیا جسے ہم بدنصیبی ہی قرار دے سکتے ہیں۔ میں نے اضطباع کیا یعنی سیدھے ہاتھ کی بغل میں سے احرام کا کپڑا نکال کر الٹے ہاتھ کے کندھے پر ڈال لیا اور بسم اللہ پڑھ کر نیت کی۔

"اے اللہ میں تیرے مقدس گھر کے طواف کی نیت کرتا ہوں۔ تو ان
سات چکروں کو میرے لیے آسان فرما دے جو میں صرف تیرے لیے لگا
رہا ہوں۔ میری طرف سے انہیں قبول فرما۔"

نیت کے یہ کلمات زبان پر آتے ہی دل کے سیاہ خانوں میں اس طرح اترے کہ وہاں موجود تاریکی کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ مجھے یوں لگا کہ کعبہ ایک شمع کی طرح روشن ہے اور میں اس کا پروانہ ہوں۔ کاش یوں ہو کہ میری زندگی انہیں چکروں میں بسر ہو اور میری زندگی کا آخری لمحہ اسی روشن اور بے مثل سفر کی نذر ہو۔ کائنات میں اس سے زیادہ خوبصورت منظر کیا ہوگا کہ مسجد الحرام ہے، چاہ زمزم ہے، مقام ابراہیم ہے، کعبۃ اللہ ہے، حجر اسود ہے، ملتزم ہے، میزاب رحمت ہے، حطیم ہے، رکن یمانی، رکن عراقی، رکن شامی ہے اور میں ہوں۔ میں نے استلام کیا اور رمل کرنا شروع کر دیا۔ رب قدیر نے اپنے خاص فضل و کرم سے مجھ ایسے جاہل مطلق کے ذہن پر ان سبھی دعاؤں کا نور اتار دیا ہے جو طواف کے لیے مسنون ہیں۔ اس کے علاوہ جو جی میں آیا مانگا۔ اپنے

رسول ﷺ صحابہ کرامؓ، اہل بیتؓ، بزرگانِ دین، مومنین، اپنے ملک، اپنے ماں باپ، اپنی اولاد، اپنے عزیز و اقارب اور اپنے سب دوستوں کیلئے دعائیں مانگیں اور مجھے یقین ہے کہ میرے مولا نے ان سب دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔

خوشبوؤں کا یہ سفر اپنی لذت میں بے مثال و بے بدل ہے۔ زبان کہتی اور دل گواہی دیتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر وہ من و عن درگاہِ خداوندی میں پہنچ رہا ہے اور اس پر میرے حق میں فوری فیصلے بھی ہو رہے ہیں۔ یہ وہ سفر ہے جو نجانے کون کون سی ہستیوں کے نقوش پا پر انجام پاتا ہے۔ سفر ہو رہا ہے اور تصور میں یہ بات سمارہی ہے کہ یہی وہ زمین ہے جہاں میرے اللہ نے فرشتے بھیجے، جہاں آدمؑ و شیثؑ کے قدم پڑے، جہاں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی محنت رنگ لائی، جہاں زمانہ، جاہلیت میں قصی، مناف، ہاشم، عبدالمطلب اور عبداللہ نے طواف کیے، جہاں آقائے دو جہاں ﷺ کے قدموں کی روشنی نے دنیا کے بھٹکے ہوئے انسانوں کے دلوں کو روشن کر کے انہیں ایک ایسا رستہ دکھایا جس پر چل کر انسان اپنے خالق کی خوشنودی اور آنے والی زندگی کے لیے قابل فخر زادِ راہ سمیٹ سکتے ہیں، جہاں خلفائے راشدینؓ تشریف لائے، جہاں صحابہ کرامؓ نے اپنی عقیدتیں نچھاور کیں، جہاں حسنینؓ نے اپنے خلوص کا اظہار کیا، جہاں بلالؓ کی اذان کی آواز گونجی، جہاں جبریلؑ آئے، براق اترا اور جہاں سے معراج کے سفر کا آغاز ہوا۔۔۔۔ اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتے، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے، بحر جود و سخا کی رحمتوں سے سیراب ہوتے اور ہر طرح کی درخواستیں پیش کرتے ہوئے جب سات شوط مکمل ہوئے تو مجھے یوں لگا جیسے میں نے تاریک صدیوں سے سفر کا آغاز کیا تھا اور پھر روشنیوں اور خوشبوؤں کی وادیوں میں سے گزرتا ہوا آج یہاں پہنچ پایا ہوں۔ اس پورے سفر میں دل کی سیاہیاں آنکھوں کے راستے باہر آ چکی تھیں اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بدن ہلکا پھلکا سا ہو گیا ہے۔ طواف کی دنیا سے باہر آئے تو نمازِ مغرب کے لیے اذان شروع ہو گئی۔ مجھے قریب ہی کی ایک صف میں جگہ مل گئی جبکہ اہلیہ اور ہمراہی خاتون نماز کی ادائیگی کے لیے خواتین کے لیے مختص حصے کی طرف چلی گئیں۔ نماز سے

فارغ ہو کر ملتزم کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے اپنا دامن بارگاہِ ایزدی میں پھیلا دیا۔ مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز واجب الطواف ادا کی اور زمزم سے سیراب ہونے کے لیے ہم سب اس طرف چل پڑے جہاں صدیوں سے یہ سیرابی اہلِ ایمان کے حصے میں آ رہی ہے۔ زمزم سے سیراب ہونے کے بعد واپس حجر اسود کے سامنے آئے اور استلام کر کے کوہِ صفا کی طرف سعی کے لیے روانہ ہو گئے جو یہاں سے چند گز کے فاصلے پر ہے۔

میرے خیال میں سعی کے لیے صفا پر جانے والا کوئی بھی شخص سعی کے عظیم عمل کے پس منظر سے اس حد تک تو ضرور واقف ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان سیدنا ابراہیم کی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ بی بیؓ اس وقت دوڑی تھیں جب سیدنا اسماعیل کی جان پیاس کی شدت کے باعث لبوں پر تھی۔ حضرت ابراہیم کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت سارہؓ اور حضرت ہاجرہؓ۔ حضرت سارہؓ حرّان کے بادشاہ کی صاحبزادی تھیں جبکہ حضرت ہاجرہؓ یمن کے بادشاہ کی طرف سے حضرت سارہؓ اور حضرت ابراہیم کو بطور نذرانہ ملی تھیں جنہیں بعد میں حضرت ابراہیم کی بیوی ہونے کا شرف عطا ہوا۔

حضرت ابراہیم کو چھیاسی سال کی عمر تک اولاد نصیب نہ ہوئی۔ وہ ہمیشہ اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی دعا منظور فرمائی اور حضرت ہاجرہؓ کے یہاں حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم سے حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل کی جدائی کے سلسلے میں دو روایات ہیں۔ پہلی یہ کہ جب حضرت ہاجرہؓ کے یہاں اسماعیل ہوئے تو حضرت سارہؓ اس انداز میں سوچنے لگیں کہ ان کے یہاں اولاد نہیں اس لیے اب حضرت ہاجرہؓ کو ان پر فوقیت حاصل ہو جائے گی۔ حضرت سارہؓ نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ وہ ہاجرہؓ اور اسماعیل کو کسی ویرانے میں چھوڑ آئیں۔ آپؑ ان دونوں ماں بیٹے کو لے کر اس ویرانے میں چھوڑ آئے جہاں اب بیت اللہ ہے لیکن بعض مفسرین نے اس روایت سے اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کی ساری زندگی آزمائش ہی میں گزری۔ جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے

خلیل کو ایک اور آزمائش میں ڈالا اور حکم ہوا۔

''اے ابراہیمؑ جاؤ، لختِ جگر اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو عرب کے ریگستان میں کسی بے آب و گیاہ مقام پر تنہا چھوڑ آؤ۔'' ابراہیمؑ اپنے رب کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو صفا و مروہ کے بالکل نزدیک کے ویرانے میں لے آئے۔ جب ابراہیمؑ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو بی بی ہاجرہؓ نے ان سے پوچھا ''ابراہیمؑ! کیا آپ ہمیں اس ویرانے میں جہاں کسی انسان اور زندہ شے کا وجود نہیں اللہ کے حکم پر چھوڑے جا رہے ہیں؟'' حضرت ابراہیمؑ نے ہاں میں جواب دیا تو ہاجرہؓ بی بی نے فوراً فرمایا ''اگر آپ ہمیں اللہ کے حکم پر یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں تو وہ ہمیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔''

حضرت ابراہیمؑ جاتے ہوئے تھوڑا سا پانی ان کے پاس چھوڑ گئے تھے جسے قطرہ قطرہ استعمال کیا گیا۔ حضرت بی بی ہاجرہؓ کو یقین تھا کہ حضرت ابراہیمؑ جلد لوٹ آئیں گے لیکن وہ شام تک نہ لوٹے۔ پانی بھی ختم ہو گیا۔ اسماعیلؑ پیاس سے رونے لگے۔ پیاس میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کی بے قراری میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ جب ننھے اسماعیلؑ کی حالت غیر ہونے لگی تو غم میں ڈوبی ہوئی ماں صفا پر چڑھ گئیں کہ شاید کوئی نظر آ جائے۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا تو وہ مروہ کی طرف بھاگیں۔ اسی بے قراری اور پریشانی کی حالت میں آپ نے صفا اور مروہ کے سات چکر لگائے۔ واپس آ کر دیکھا تو جہاں اسماعیلؑ پیاس کی شدت میں ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں سے پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا تھا۔ حضرت ہاجرہؓ بی بی نے اس پانی کو محفوظ کیا۔ چند روز بعد وہاں سے ایک قافلے کا گزر ہوا۔ اہلِ قافلہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ جہاں چند روز قبل پانی کا نام و نشان تک نہ تھا، اب وہاں پانی کی فراوانی ہے۔ انہوں نے چشمے کے کنارے ایک تنہا عورت کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ قافلے کا سردار حضرت ہاجرہؓ بی بی کے پاس آیا۔ ہاجرہ بی بیؓ نے اسے اپنے مفصل حالات سے آگاہ کیا تو سردار نے بی بیؓ سے اس شرط پر وہاں رہائش کی اجازت لے لی کہ اہلِ قافلہ اس پانی کے بدلے عشر ادا کریں گے۔ اس طرح وہ جگہ جو ویرانی میں اپنی مثال آپ تھی، آبادی کی شکل

اختیار کرنے گی۔

حضرت بی بی ہاجرہؓ کا صفا و مروہ کے درمیان پریشانی کے عالم میں اس طرح دوڑنا اللہ کو اس قدر پسند آیا کہ اس نے ہر حاجی کے لیے واجب قرار دیا کہ وہ حضرت بی بی ہاجرہؓ ہی کی طرح صفا اور مروہ کے درمیان دوڑے۔

ہم صفا کی طرف آگئے اور وہاں سے ہم نے قبلہ کی جانب دیکھا۔ وہاں بھیڑ میں اب اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ مقام ابراہیم پر نظر پڑی تو یوں لگا جیسے ابراہیم وہاں موجود ہیں اور اسماعیل کا انتظار فرما رہے ہیں کہ وہ گارا لے کر آئیں تو تعمیر کعبہ کے کام کو آگے بڑھایا جائے۔ لوگ وہاں نوافل ادا کر رہے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے رب کا اس لیے شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس نے ابراہیم کی شکل میں ایسا پیغمبر بھیجا جس نے اہل دنیا کو قبلہ اول اور بیت اللہ جیسی جگہوں کی عظمت سے روشناس کرایا۔ ہم نے قبلہ کی طرف منہ کر کے سعی کی نیت کی۔

"اے اللہ! میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے سات چکروں کی نیت
کرتا ہوں محض تیری بزرگ ذات کے لیے۔ اس کو میرے لیے آسان کر
دے اور مجھ سے قبول فرما۔"

اس کے بعد ہم نے دعا مانگی۔ دعاؤں کے لیے قبولیت کے اس مقام پر رب عظیم کے حضور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر کے اس سے اپنے اور ہر اک کے لیے ہر اس خیر کا سوال کیا جو میرے رسول ﷺ نے اللہ سے طلب کی اور ہر اس شر سے پناہ مانگی جس کے لیے میرے رسول ﷺ نے پناہ کی طلب کی۔ ہر جگہ کے لیے مخصوص دعاؤں کے علاوہ وہ جو جی میں آیا دامن پھیلا پھیلا کر مانگا۔ اللہ ہی ہے جو عطا کرتا ہے۔ اس لیے اپنے اللہ کے حضور دل کھول کر رکھ دیا۔ وہ دلوں میں چھپی ہوئی ہر بات، آنکھوں میں مچلنے والی ہر محبت، ہونٹوں پر آنے والی ہر خواہش اور ذہن میں روشن ہونے والی ہر آرزو کو اظہار سے پہلے سمجھنے پر قادر ہے۔ ایسا محسوس ہوا کہ اس قدیر و خبیر کی درگاہ میں اس سفر کے دوران میں درخواستیں پیش کرنے کا جو لطف آج آیا، زندگی میں نہ کبھی

نصیب ہوا تھا اور نہ ہی آئندہ نصیب ہو سکے گا۔ حضرت بی بی ہاجرہؓ کے نقوش پا پر چلتے ہوئے خواہش ہوئی کہ کاش وہ سنگریزے میرے پیروں تلے بچھ جائیں جو اس عظیم خاتون کے پیروں کو چبھے تھے۔ امتحان سے تو حضرت ہاجرہ بی بیؓ گزری تھیں۔ دشت و بیاباں، بے آب و گیاہ دھرتی، جہاں دور دور تک سوائے ان ماں بیٹے کے زندگی کے کوئی آثار نہیں۔ ایک اکیلی ماں ہے، جس کا بچہ پیاس سے تڑپ رہا ہے اور وہ کبھی صفا اور کبھی مروہ پر چڑھ کر اس کی زندگی بچانے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کے برعکس ہماری سعی۔۔۔۔ ہاجرہ بی بیؓ کے لیے زمین ناہموار اور گرم، ہمارے لیے فرش ملائم اور ٹھنڈا، وہ اکیلی، ہم گروہ در گروہ، وہ پانی کی تلاش میں ہے، ہمیں قدم قدم پر اسماعیل کے پیروں کی رگڑ کے وسیلے اللہ نے آب زم زم عطا کر رکھا ہے، اس کی نظروں میں پر وحشت ویرانی، ہمارے سامنے بیت اللہ۔۔۔۔ اس امتحان اور ہم جو اتباع کر رہے ہیں اس میں کتنا فرق ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کریمی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہمارے صفا سے مروہ تک کے چلنے اور میلین اخضرین (دو سبز نشانوں) کے مابین چند قدم دوڑنے پر اتنا اجر عطا کر دیا جاتا ہے کہ ہم سے سمیٹے نہیں سمتا۔

ہر چکر کے خاتمے پر دعائیں مانگی گئیں۔ اب ہم سات چکر ختم کرنے کے بعد مروہ کی دائیں جانب کے راستے سے باہر آ گئے ہیں۔ سامنے ہی حجاموں کی دکانیں ہیں۔ ہر اک اپنی جانب متوجہ کر رہا ہے۔ میں ایک حجام کی دکان میں داخل ہو کر اس کے سامنے سر جھکا دیتا ہوں۔ وہ بال نرم کرتے ہوئے پوچھتا ہے۔ حاجی صاحب! پاکستان سے آئے ہیں۔ میں نے جی میں جواب دیا۔ پوچھتا ہے ''کس شہر سے'' میں نے جواب دیا ہے ''بہاول پور''۔ وہ ایک لمحے کے لیے رک جاتا ہے۔ مجھے توجہ سے دیکھتا ہے اور کہتا ہے ''پھر تو آپ میرے ہی شہر کے ہوئے۔'' کیا آپ بہاول پور کے ہیں؟ میں نے پوچھا۔ جی میں بستی کرتا جو ریڈیو اسٹیشن کے بالکل پیچھے ہے، وہاں کا رہنے والا ہوں۔ میں وہاں یہ کام نہیں کرتا تھا۔ بس یہاں آ کر مجبوراً شروع کرنا پڑا۔۔۔۔ آپ کو اگر رہائش کی ضرورت ہو تو بہت سستی اور عمدہ رہائش دستیاب ہے۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مجھے خوشی ہو گی۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی ضرورت ہوئی تو ضرور عرض کروں گا۔ سر دست آپ سے ایک معاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔

''وہ کیا'' اس نے اشتیاق سے کہا۔

''وہ یہ کہ اب بفضلِ خدا یہاں آنا جانا تو لگا رہے گا اور ظاہر ہے کہ مجھے آپ کی خدمات کی بھی ضرورت ہوگی، ابھی تو حجاج کی بھیڑ نہیں، میں نے سنا ہے کہ جیسے جیسے بھیڑ بڑھتی جاتی ہے آپ کے معاوضے میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کرلیں کہ میں کسی اور دکان میں نہیں جاؤں گا اور آپ مجھ سے ہمیشہ پانچ ریال ہی لیا کریں گے۔''

اس نے فوراً معاہدہ کرلیا۔ اس نے تین چار بار تو حسبِ معاہدہ میری خدمت کی اور میں اسے طے شدہ معاوضہ دیتا رہا لیکن اس کے بعد وہ مجھے وہاں نظر نہیں آیا۔

حلق کروانے کے بعد میں نے اسی حجام سے قینچی لے کر اہلیہ کی چٹیا کے سرے کو انگلی پر لپیٹ کر ایک پورے کچھ زائد کاٹ لیا اور انہوں نے ہماری ہمراہی خاتون کے لیے بھی خدمت انجام دی۔ اس کے بعد ہم باب فتح کے راستے پھر حرم میں داخل ہوئے۔ شکرانے کے دو دو نفل پڑھ کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ عشاء کی اذان ہوگئی۔ عشاء کی نماز کے بعد ہم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے صحن کعبہ میں ایسی جگہ آ کر بیٹھ گئے جہاں سے ملتزم، مقامِ ابراہیم، حطیم اور اور میزاب رحمت بالکل ہمارے سامنے تھے۔ نماز عشاء کے بعد بھیڑ خاصی کم ہوگئی۔ حطیم کو دیکھ کر مجھے حضرت ابراہیمؑ کے تعمیر کردہ کعبہ کا نقشہ ذہن میں آنے لگا۔ ابراہیمؑ نے جن بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر فرمائی تھی، پورا حطیم بھی اس میں شامل تھا۔ اللہ کا یہ عظیم گھر بغیر چھت کے تھا اور قریش کے زمانے تک یہ بغیر چھت کے ہی رہا۔ قریش نے اپنی تولیت کے دوران میں باہم مشورے سے خانہ کعبہ پر چھت ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ ولید بن مغیرہ جدہ آئے تو انہوں نے اس جہاز کے تختے خرید لیے جو کسی سمندری طوفان کے سبب پہاڑی سے ٹکرا کر بیکار ہو گیا تھا۔ کعبے کی دیواروں کو گرا کر اسے از سرِ نو

تعمیر کیا گیا اور اس پر تختوں کی چھت ڈالی گئی۔ یہ تختے پوری عمارت کو نہ ڈھانپ سکے اور اس کا ایک حصہ بغیر چھت کے رہا۔ اسی بغیر چھت کے حصے کو حطیم کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے دور میں اس خالی حصے پر بھی چھت ڈال دی لیکن یزید کے سالار حصین بن نمیر نے جب کوہ ابو قبیس سے خانہ کعبہ پر سنگ و آتش کی برسات برسائی تو غلاف کعبہ کے جلنے کے علاوہ پوری عمارت کی حالت بے حد شکستہ ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک بار پھر اس کی تعمیر کی۔ جب عبدالملک کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کر کے مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا تو اس نے عبداللہ بن زبیرؓ کی دشمنی میں خانہ کعبہ کے حطیم والے حصے کی چھت کو ہٹا دینے کا حکم دیا اور عمارت کی نئے سرے سے تعمیر کی۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے چاہا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کردہ بنیادوں پر خانہ کعبہ کی جدید تعمیر کرائے۔ اس نے امام مالک سے رجوع کر کے ان کی رائے طلب کی۔ حضرت امام مالک نے اسے اس بات سے سختی سے منع فرماتے ہوئے کہا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کو بادشاہوں کا کھیل نہ بناؤ کہ جس کا جی چاہا اس نے اسے ڈھا دیا اور جب چاہا اس کو تعمیر کرنا شروع کر دیا۔ حضرت امام مالک کے اس فرمان پر نہ صرف ہارون الرشید نے تعمیر نو کا ارادہ ترک کر دیا بلکہ اس کے بعد خانہ کعبہ کو ڈھانے اور بنانے کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا البتہ جب بھی ضرورت ہوتی ہے اس میں مرمت کا کام فوری طور پر کروا لیا جاتا ہے۔

ہم سب بہت دیر تک یہاں بیٹھے ہوئے جاہ و جلال کے اس عظیم ترین شاہکار کی زیارت کرتے رہے۔ ہم مختلف سورتیں اور دعائیں پڑھتے رہے اور اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ بھیڑ کم ہو تا کہ اطمینان کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیا جا سکے، ملتزم کو سینے سے لگایا جا سکے اور رو رو کر بخشش کی درخواست کے علاوہ اللہ سے اس کے کرم خاص کی استدعا کی جا سکے، مقام ابراہیم کی تسلی و تشفی کے ساتھ زیارت کی جا سکے اور حطیم میں میزاب رحمت کے سائے میں نوافل پڑھے اور دعائیں مانگی جا سکیں۔ کافی دیر کے بعد بھیڑ بہت کم ہو گئی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس مختصر سی قطار میں آ شامل ہوا جس میں شامل افراد باری باری حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے۔ پانچ سات منٹ

میں اللہ نے اپنے خاص فضل و کرم سے یہ موقع عطا فرما دیا کہ میں اپنے لب بالیقین اس متبرک جگہ رکھ پر سکوں جہاں آقائے دو جہاں ﷺ نے اپنے لب مبارک رکھے تھے۔ میں نے حجر اسود کے ہر حصے کو رو رو کر چوما اور یہ سوچ کر چوما کہ یہی وہ پتھر ہے جسے خانہ کعبہ کی اولین تعمیر کے وقت فرشتے اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہی وہ پتھر ہے جسے میرے رسول ﷺ نے تعمیر کے دوران میں ایک فیصلے کے مطابق اپنے دست مبارک سے نصب فرمایا اور بعد ازاں اشتیاق کے ساتھ اسے چوما، یہی وہ پتھر ہے جسے صحابہ کرامؓ، اہل بیتؓ، بزرگان دین اور دنیا کا ہر مسلمان چومنے میں فخر محسوس کرتا ہے، یہی وہ پتھر ہے جسے فاطمیوں کے دور میں کعبے کی فرقت کا دکھ سہنا پڑا اور یہی وہ پتھر ہے جسے چومتے ہوئے حضرت عمرؓ چند لمحوں کے لیے رک گئے تھے اور آپؓ نے فرمایا تھا ''اے پتھر! میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہی ہے لیکن میں تجھے اس لیے چوم رہا ہوں کہ میرے رسول ﷺ نے تجھے چوما۔''

چند لمحوں کے اس عمل نے میرے دماغ پر جو اثر کیا وہ میں ہی جانتا ہوں۔ اس کالے پتھر کی مقناطیسیت کا اندازہ صرف وہی کر سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں لوہ چون بنا لیا ہو۔ جس نے طے کر لیا ہو کہ اتباع رسول ﷺ ہی میں عظمت کا راز مضمر ہے۔ جس نے اپنے ہر عمل کے صلے کے لیے صرف خدا سے ہی رجوع کرنے کا ہنر سیکھ لیا ہو۔ بہر حال، اس پتھر پر جھکتے ہوئے میں نے اپنے قد کو بہت اونچا ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ صرف اسی تصور نے میرے دل و دماغ کو ایک خوشبو بھری روشنی سے بھر دیا کہ اب میرے لب اس جگہ کو مس کر رہے ہیں جہاں کائنات کے سب سے بڑے انسان کے لب مبارک مس ہوئے تھے۔ میں نے جب اپنے حصے سے بھی زیادہ وقت لے لیا تو وہاں موجود سپاہی نے میرے کندھوں کو تھپتھپا کر وہاں سے ہٹنے کے لیے کہا۔ میں نے سر باہر نکال کر سپاہی سے منت کرنے کے انداز میں تھوڑا سا اور وقت مانگا۔ اس نے مسکرا کر مجھے اجازت دے دی اور میں نے والہانہ انداز میں پتھر کو یہ سوچ کر چومنا شروع کر دیا کہ نجانے یہ سعادت پھر نصیب ہوتی ہے یا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد سپاہی نے

پھر میرا کندھا تھپتھپایا۔ میں نے سر باہر نکالا اور سپاہی کو شکریہ کہتا ہوا ملتزم کی طرف بڑھا۔ ملتزم پر بھی ہر وقت بھیڑ کی صورت رہتی ہے۔ لوگ ہیں کہ جوق در جوق چلے آتے ہیں اور اس مقامِ بے مثال کو سینے سے لگا کر اپنے ربِ قدیر سے رحم و کرم کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اس وقت بھی وہاں لوگوں کی تعداد اگر بہت زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں تھی۔ میرے اللہ کو منظور تھا کہ میں اس کے اس عظیم گھر کے اس حصے سے سنتِ رسول ﷺ کے عین مطابق لپٹ کر اس کے حضور اپنے اشکوں کا نذرانہ پیش کر سکوں اس لیے اس نے مجھے یہ موقع عطا فرما دیا۔ ملتزم پر پہنچ کر میں نے محسوس کیا کہ ربِ کعبہ نے ہم پر جہاں ان گنت اور احسان فرمائے ہیں وہاں اس نے ہمیں کعبے کی شکل میں اپنا گھر عطا کر کے احسانِ عظیم سے سرفراز کیا ہے۔ ربِ قدیر خود تو اس سے بالاتر ہے کہ ہم اس کا دامن تھام سکیں۔ اس نے ہم پر ترس کھاتے ہوئے ہمیں یہ گھر عطا کیا جس کا چپا چپا خیر و برکت، اجر و ثواب اور امن و سکون کی وہ دولت اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حجرِ اسود، ملتزم، مقامِ ابراہیم، حطیم، میزابِ رحمت، زم زم اور ان گنت دوسرے ایسے مقامات اسی ایک عظیم گھر میں یک جا کر کے انسانوں کے سامنے رحمتوں کے خزانوں کے طور پر رکھ دیے ہیں اور پھر دعوت دی ہے کہ آؤ اور اپنی جھولیوں کو اس دولتِ بے بہا سے بھر لو۔ ملتزم پر پہنچ کر یوں لگتا ہے جیسے کائنات کی دولت ہاتھ آ گئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کا حال بیان کرے، اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اپنے ربِ عظیم سے معافی طلب کرے، اپنے دکھ بیان کرے، اپنے مستقبل، اپنے دین، اپنے وطن، اپنی اولاد، اپنے عزیز و اقربا، اور اپنے دوستوں کے لیے اللہ کے رحم و کرم کی روشنی مانگے۔ اپنے آقا ﷺ کی عنایت اور احسانات کے لیے اظہارِ تشکر کرے، اپنی دنیا، اپنی آخرت کی بہتری کا سوال کرے اور اپنی جائز دعاؤں کی قبولیت کی استدعا کرے۔ یہ مقامات رحمتوں اور برکتوں کے بہتے ہوئے دریا ہیں جن سے سیرابی کے مکمل مواقع انسان کی دسترس میں آ جاتے ہیں۔ اب یہ اس کا اپنا ہنر ہے کہ وہ ان مواقع سے کتنا فائدہ اٹھاتا ہے۔ میں بہت دیر تک آنکھوں میں اشک اور

ہونٹوں پر دعائیں لیے ہوئے ملتزم سے چمٹا رہا اور سکون کی دولت سمیٹتا رہا پھر خیال آیا کہ نجانے کون کون کہاں کہاں سے اسی دولت کا حصے دار بننے کے لیے یہاں آیا ہوا ہے میں وہاں سے مقام ابراہیم اور پھر حطیم میں آ گیا۔ میزاب رحمت کے نیچے خانہ کعبہ کی دیوار کو اپنے سینے سے لگا کر رب قدیر کے سامنے درخواستیں پیش کرتا رہا اور پھر حطیم میں نوافل ادا کر کے اس جگہ لوٹ آیا جہاں دونوں خواتین میری منتظر تھیں۔ رات بہت ہو چکی تھی۔ ہم اپنی رہائش گاہ پر لوٹ آئے جہاں سلیم پریشانی کے عالم میں ہمارا منتظر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں لیکن اسے کیا معلوم کہ ہمیں سیدھا راستہ تو نظر ہی اب آیا ہے۔ آج کی رات اور کل کا دن ہمیں مکہ معظمہ میں رہنے کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہونا تھا۔ ہم سو گئے۔ تہجد کے وقت پھر بیت اللہ میں آ گئے۔ سارا دن اسی کے سائے میں گزرا اور رات نو بجے فالتو سامان رہائش گاہ پر چھوڑ کر مزید مختصر سامان کے ساتھ ہم مکتب پر آ گئے جہاں سے ہمیں بس کے ذریعے مدینہ منورہ جانا تھا۔

میں خوش نصیب ہوں شہرِ نبی ﷺ میں آیا ہوں

(مکہ معظمہ سے روانگی اور مدینہ منورہ میں آمد)

مکتب والوں نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کے لیے بس کی روانگی کا وقت ساڑھے نو بجے رات کا بتایا تھا اور تاکید کی تھی کہ وقت کی ہر حال میں پابندی کرنی ہے کیونکہ بس ہر صورت میں ساڑھے نو بجے روانہ ہو جائے گی۔ ہم اگر وقت پر نہ پہنچے تو ہماری نشستیں خالی جائیں گی نتیجتاً ہم مدینہ منورہ نہ جا سکیں گے۔ یہ ایسی تاکید تھی جسے ہم نظرانداز نہیں کر سکتے تھے۔ جدہ سے مکہ معظمہ لانے والی بس میں سفر سے اہل مکتب کے انداز میزبانی سے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ مسافروں کو خوار کرتے ہیں لیکن مدینہ منورہ جانے سے رہ جانے کا خوف ایسا تھا کہ اگر وہ ہمیں چھ بجے کا بھی کہتے تو ہم چھ بجے ضرور پہنچ جاتے۔ ہم فرمودات اہل مکتب پر یقین کرتے ہوئے ٹھیک ساڑھے نو بجے مکتب پر پہنچ گئے۔ بس موجود تھی جو مسافروں سے تقریباً بھری ہوئی تھی۔ سلیم نے ہمارا مختصر سامان بس کے اندر رکھا۔ ہم نے اپنی نشستیں سنبھال لیں، سلیم کو الوداع کہہ دیا کیونکہ اسے جدہ جانا تھا اور بس کے چلنے کا انتظار کرنے لگے۔ معلم نے اپنے مہمانوں سے اظہار عقیدت کے لیے ایک موٹا تازہ بلکہ بہت ہی موٹا آدمی بس کے دروازے پر تعینات کر رکھا تھا جو نئے مسافروں کو بس کے اندر تو آنے دے رہا تھا لیکن ایک بار سوار ہو جانے والے مسافر کو باہر نہیں جانے دیتا تھا۔ میں نے قریب بیٹھے ہوئے ایک مسافر سے پوچھا کہ بس کب چلے گی تو وہ پھٹ پڑا۔ "حاجی صاحب! میں کیا بتا سکتا ہوں کہ بس کب چلے گی۔ ان لوگوں نے ہمیں آٹھ بجے کا وقت دیا تھا۔ میں اپنی بیمار

بیوی کے ساتھ یہاں آٹھ بجے پہنچ گیا اور اس وقت سے اس قید میں مبتلا ہوں۔ اب نہ بس چلتی ہے اور نہ یہ شخص ہمیں نیچے اترنے دیتا ہے کہ میری بیوی تازہ ہوا ہی میں بیٹھ سکے۔" میں نے ان کی اہلیہ کے مرض کے بارے میں پوچھا۔ ہنگامی صورت حال کے لیے میں نے کچھ ادویات اپنے ساتھ رکھ لی تھیں۔ دو گولیاں اور سیرپ انہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے ان کی طبیعت میں بہتری پیدا کر دی۔ قریب تھا کہ میں اٹھ کر جاتا اور دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی کو راستہ دینے کے لیے کہتا، اسی لمحے باہر سے دو آدمی اندر آئے جن کے ہاتھ میں پاسپورٹ تھے۔ انہوں نے ہماری حاضری لی۔ ہم یہ سمجھے کہ اب روانگی کا وقت آ پہنچا۔ آدھ گھنٹہ اسی امید میں گزرا۔ اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ کچھ لوگ احتجاج کرنے ہی والے تھے کہ پھر گنتی شروع کر دی گئی۔ غرض انہی حربوں میں رات کے گیارہ بجا دیے گئے۔ آخر خدا خدا کر کے بس رات گیارہ بجے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئی اور مکہ معظمہ کے خوبصورت بازاروں اور سڑکوں سے گزرتی ہوئی مدینہ منورہ جانے والی شاہراہ پر آ گئی۔ مکہ معظمہ اس وقت بھی جاگ رہا تھا۔ معلم کی طرف سے مسافروں کے ساتھ اس طرز عمل سے ایک بار پھر خواہش پیدا ہوئی کہ کاش حکومت پاکستان اپنے شہریوں کو ان لوگوں کے سپرد کرتے ہوئے ان سے بہتر طرز عمل کی ضمانت ضرور لے لیا کرے تاکہ انہیں قیدی کی بجائے معزز شہری سمجھا جائے۔ ان سے اخلاقیات کے بھی تقاضوں کو پورا کرنے اور لوگوں کو پریشان نہ کرنے کا نہ صرف وعدہ لیا جائے بلکہ یہ دیکھنے کا بندوبست بھی کیا جائے کہ وہ اس وعدے کی کس حد تک پاسداری کرتے ہیں۔ معلم صاحبان حجاج کرام سے جتنا کرایہ لیتے ہیں، عام طور پر اس سے کہیں کم کرایہ لگتا ہے لیکن ان کا حجاج کے ساتھ سلوک اکثر اوقات قابل اعتراض اور بعض اوقات ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

بس طویل سفر کے بعد درمیان میں ایک جگہ کچھ دیر کے لیے رکی اور پھر ساری رات کا سفر طے کر کے جب آثار صبح نمودار ہونے لگے تو ایک سرسبز و زرخیز وادی میں داخل ہوئی۔ اس سفر میں آہستہ آہستہ سبھی مسافروں کے چہروں پر تھکن کے آثار نمایاں ہونے لگے تو میں سوچنے لگا کہ

ہم تو ائیر کنڈیشنڈ بس کی آرام دہ نشستوں پر چند گھنٹے بیٹھنے سے تھک گئے ہیں جبکہ میرے آقا ﷺ نے یہی سفر اونٹنی پر اس حالت میں کیا تھا کہ ان کے جانی دشمن ان کے تعاقب میں تھے اور قدم قدم پر ہر طرح کی تکالیف اس راہ کے مسافروں کا مقدر تھی۔ میرے زیادہ تر ہم سفر ایک ایک کر کے نیند کی وادی میں پناہ لینے لگے جبکہ کچھ بے قرار روحیں میری طرح کھلی آنکھوں سے اس سفر میں سامنے آنے والے ہر منظر کو عقیدت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ اب دور و نزدیک کچھ عمارتیں نظر آنے لگیں۔ نماز فجر کا وقت ہو چکا تھا۔ سڑک اور اس کے آس پاس کھجوروں کے درخت بہت خوبصورت دکھائی دے رہے تھے۔ دور جبل سلع، جبل عیر، جبل احد اور جبل ثور سیاہ لکیروں کی طرح نظر آنے لگے تھے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ بس تقریباً ۵۰۰ کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے حدود حرم میں داخل ہو چکی ہے۔ ایک روایت کے مطابق حرم کی حدود ۱۶ کلومیٹر پر محیط ہے۔ اس کا تعین جبل عیر اور جبل ثور کے مابین پائے جانے والے فاصلے سے کیا جاتا ہے جو ۱۶ کلومیٹر ہے۔ اس کی تصدیق میرے رسول ﷺ کے فرمان سے ہوتی ہے۔ آپ ﷺ موضع بنی حریہ تشریف لے گئے تھے تو آپ ﷺ نے وہاں کے لوگوں سے فرمایا تھا کہ تم حدود حرم ہی میں بستے ہو۔ میری آنکھیں فضا میں بے چینی سے گنبد خضرا اور مسجد نبوی ﷺ کے میناروں کی روشنیوں کو ڈھونڈنے لگیں۔ اسی تلاش میں میری آنکھوں میں دور دور تک پھیلے ہوئے شہر کے خوبصورت منظر سمانے لگے۔ یہ میرے پیارے نبی ﷺ کا شہر ہے جس کے ایک روایت کے مطابق پچانوے نام ہیں۔ طابہ، طیبہ، عاصمہ، قریۃ الانصار، قبۃ الاسلام، قلب الایمان، مومنہ، مبارک، مختارہ، مدینۃ الرسول ﷺ، مسلمہ المجبہ، دارالایمان، حرم رسول اللہ ﷺ، دارالابرار، دارالسلام، دارالاخیار، دارالفتح، دارالسنۃ، الدرع الحصینہ، ذات الحرار، ذات النخل، سیدہ البلدان، بیت رسول اللہ ﷺ، آکلۃ البلدان، البارہ اور الجابرہ وغیرہ تو خاص طور پر مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد حضرت نوحؑ کی اولاد میں سے قائنہ بن لبلا بن ابن عبیل وہ پہلا شخص تھا جس نے یہاں رہائش اختیار کی اور بعض روایات کے مطابق عمالیق بنو عملاق نے سب سے پہلے

یہاں آباد ہو کر اس خوبصورت علاقے میں زراعت اور شجرکاری کا آغاز کیا۔ ابن منذر نے مدینہ منورہ کے بارے میں بعض اہل قریش سے سنا اور ابوعبیدہ بن عبداللہ بن عمارہ بن یاسر سے یہ روایت نقل کی کہ جب حضرت موسیٰ حج کے لیے تشریف لے گئے تھے تو بنی اسرائیل کی ایک کثیر تعداد کو آپؑ کی رفاقت کا شرف حاصل تھا۔ واپسی پر جب آپؑ اس شہر سے گزرے تو آپؑ کو اس شہر میں اس شہر کی مناسبت نظر آئی جس کا ذکر تورات میں آیا ہے۔ تورات میں تحریر ہے کہ یہاں ایک ایسا نبی ﷺ آئے گا جو تمام انبیاء کا خاتم ہوگا۔ اسی لیے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ یہاں سے گزرنے والا بنی اسرائیل کا ایک گروہ موضع سوق قینقاع میں سکونت پذیر ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب بنی اسرائیل بخت نصر کے ظلم و ستم سے تنگ آ گئے تو وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے مختلف علاقوں کی طرف بھاگ گئے۔ انہوں نے تورات میں پڑھ رکھا تھا کہ عرب کے ایک ایسے علاقے میں جو اپنی کھجوروں کی وجہ سے مشہور ہے محمد ﷺ نام کے ایک نبی تشریف لائیں گے۔ شام سے گزرتے ہوئے انہوں نے شام سے یمن تک اس علاقے کی تلاش کی جو تورات میں بیان کیے گئے علاقے سے مشابہت رکھتا ہو۔ جب انہیں یثرب کے بارے میں معلوم ہوا تو بنی ہارون کا ایک گروہ مدینہ منورہ میں آ کر آباد ہو گیا۔ اس گروہ کے لوگ حضرت محمد ﷺ کو نبی تسلیم کرتے ہوئے انتقال کرتے رہے اور انتقال سے قبل اپنی اولاد کو ہدایت کرتے رہے کہ وہ بھی اسی نظریے پر قائم رہیں لیکن ان کی اولاد کی بدنصیبی کہ جب انہوں نے میرے آقا ﷺ کو دیکھا تو ان پر ایمان لانے کی بجائے انہیں ﷺ قتل کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔ یہی وہ لوگ تھے جن سے نبی اکرم ﷺ نے امن و سلامتی، آزادیٔ مذہب اور جان و مال کی حفاظت کا معاہدہ کر کے اس پر دستخط بھی کر دیے تھے لیکن ان لوگوں نے غداری اور بدعہدی کی جس کے لیے انہیں سزا کا سامنا کرنا پڑا۔ شہر نبی ﷺ کے ابتدائی زمانے میں یہاں یہودیوں کے بیس اور عربوں کے ستر سے زائد قبیلے رہتے تھے۔ ظہور اسلام سے تقریباً نو سو سال قبل یمن میں سیل العرم کے بعد کچھ یمنی قبائل بھی یہاں آن بسے، ان میں اوس اور خزرج خاص طور پر قابل ذکر

ہیں۔ یہ دونوں قبائل رسول اللہ کے مددگار رہے۔

یہ یقین ہوتے ہی کہ بس حدودِ حرم میں داخل ہو گئی ہے میں نے دعا مانگی اور چشمِ تر شہرِ نبی ﷺ کے ایک ایک منظر کو آنکھوں کے راستے دل میں اتارنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بس ایک وسیع و عریض عمارت میں داخل ہوئی جس میں ان گنت بسیں موجود تھیں۔ نماز فجر کا وقت تھا۔ بس کے رکتے ہی مسافروں نے نماز کی ادائیگی کے لیے اترنا چاہا تو ڈرائیور نے دروازہ لاک کر دیا اور کسی کو وہاں نہیں اترنے دیا۔ وہ شاید مصری تھا۔ جب مجھ سمیت بہت سے لوگوں نے اسے نماز ادا کرنے کی اجازت دینے کے لیے کہا تو اس نے واضح طور پر انکار کر دیا۔ بس میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو عربی بول اور سمجھ سکتے تھے۔ اس نے انہیں کہا کہ وہ اپنے مکتب کے دفتر سے پہلے کسی کو نہیں اترنے دے گا۔ نتیجتاً نہ اس نے خود نماز ادا کی اور نہ ہی اس بس میں سوار کوئی مسافر نماز ادا کر سکا۔ یہ وہی سعودی عرب ہے جہاں نماز کی پابندی کروانے کے لیے باقاعدہ طور پر ایک محکمہ قائم ہے جو ایسے لوگوں پر نظر رکھتا ہے جو نماز ادا نہیں کرتے۔ نماز ادا نہ کرنے والے لوگوں کو یہاں مختلف النوع سزائیں دی جاتی ہیں لیکن یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ اس بس میں سوار حجاج جو یہاں آئے ہی عبادات کے لیے ہیں، انہیں سرزمینِ مدینہ منورہ پر ان کی طرف سے ادا کی جانے والی پہلی نماز ہی سے محروم کر دیا گیا۔ میں نے مکہ واپسی پر یہ بات شکایت کے طور پر معلم سے کی لیکن وہ ادھر ادھر کی بات کر کے مجھے مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ جب میں مطمئن نہ ہوا تو اس نے معذرت کر لی اور وعدہ کیا کہ وہ اپنے عملے کے ارکان کو ہدایت کر دے گا کہ وہ آئندہ اس طرح کی حرکت نہ کریں۔

بس یہاں خاصی دیر رکی رہی۔ دروازہ کھلتا، کوئی آتا، گنتی کرتا اور چلا جاتا۔ آخر کار یہ تھکا دینے والا مرحلہ بھی ختم ہوا اور بس ایک بار پھر محوِ سفر ہو گئی۔ اب کھجوروں کے باغات اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی بڑی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ یہ دل کو مسرور کر دینے اور آنکھوں کو بے حد بھلا لگنے والا نظارہ تھا۔ یہ نظارہ دیکھتے دیکھتے میرا ذہن ماضی کی طرف لوٹ گیا۔ میں سوچنے لگا کہ

میرے آقا ﷺ جب مکہ کی دشمن فضا سے رات کی تاریکی میں اپنے یارِ غار کے ساتھ نکلے ہوں گے تو ان کے کیا احساسات ہوں گے۔ آپ ﷺ کو وہ شہر چھوڑنا پڑ رہا تھا جہاں آپ ﷺ کے آباؤ اجداد نے لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کی تھی اور ہمیشہ معزز گردانے گئے تھے۔ وہ شہر جہاں کے لوگ جانتے تھے کہ محمد ﷺ سچا ہے، امین ہے، شریف ہے، غم خوار ہے، دیانتدار ہے اور ہر طرح سے بے عیب ہے۔ وہ شہر جہاں ماں باپ کی محبت اور شفقت کے نہ ہوتے ہوئے بھی آپ ﷺ نے بہت زیادہ محبت کی چھاؤں تلے زندگی گزاری تھی۔۔۔۔ پھر آپ ﷺ غارِ ثور میں آئے ہوں گے۔ وہاں تین دن تک قیام فرمایا ہوگا جہاں اسماءؓ بنت ابوبکرؓ محبت رسول ﷺ میں ڈوبی میلوں دور غار میں بیٹھے ہوئے اپنے آقا ﷺ کے لیے کھانا اور عبداللہ بن ابوبکرؓ رات کی تاریکی میں معلومات پہنچاتے رہے ہوں گے۔ یہاں سے دونوں دوست کس طرح نکلے ہوں گے اور کالے کوسوں کا یہ سفر طے کیا ہوگا۔ آج ہر طرف کشادہ و ہموار سڑکیں ہیں اور سڑکوں پر برق رفتار گاڑیاں۔ آپ ﷺ اور ابوبکرؓ نے تو یہ سارا سفر اونٹنی کی پیٹھ پر بیٹھ کر کیا۔ اب تو ہر قدم پر رنگ و نور کے میلے ہیں، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر روشنی کا ایک سیلاب ہے جو رات کی تاریکی کا نام و نشان مٹا کر رکھ دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے تو پُر وحشت راستے، کالے سیاہ پہاڑ، بے آب و گیاہ میدان اور ہر قدم پر مشکلات ہی مشکلات کا سامنا کیا ہوگا اور تب جا کر اس شہر بے مثال کے نظاروں اور فضاؤں کو اپنی سانسوں سے مہکایا ہوگا۔ بس دوڑ رہی تھی۔ میرے دل کی دھڑکنیں بتدریج تیز ہو رہی تھیں۔ یکا یک میں درود پڑھنے لگا۔ میرے دل سے یہ صدا آنے لگی۔ اے جبلِ سلع، جبلِ ثور، جبلِ عیر اور جبلِ احد تم پر سلام کہ تم نے میرے رسول ﷺ کی آمد کے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اے احد! تمہیں میرے رسول ﷺ نے دوست کہا اور فرمایا کہ احد ہم سے اور ہم احد سے محبت کرتے ہیں۔ تم نے تو آپ ﷺ کے قدموں کی مسرور کر دینے والی آوازوں کو اپنے سینے میں اتارا ہے۔ میرے رسول ﷺ کی محبتیں تمہارے پاس ایک ایسی امانت کے طور پر محفوظ ہیں جس کے طفیل یہاں آنے والا ہر شخص قیامت تک تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا رہے گا۔ اے وادیٔ عقیق،

اے وادی عقاہ، اے وادی بطحان اور اے وادی مرانو نا، تم نے جس محبت اور پیار سے میرے آقا ﷺ کو اپنا مہمان کیا، یہاں آنے والا ہر مسلمان تمہارے اس عمل کو خود پر احسان سمجھتا ہے اور تمہیں سلام کہتا ہے۔ ہر چند اس وقت قباء میری نظروں کے سامنے نہیں لیکن میں ان نعروں کی آوازیں اچھی طرح سن رہا ہوں جو آپ ﷺ کی یہاں تشریف آوری پر لگائے گئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب اہل قباء نے اللہ اکبر کے نعروں سے فضاؤں کو مہکایا تھا تو اس نے بیک وقت دو متضاد اثرات مرتب ہوئے تھے۔ اہل ایمان کے دل کھل اٹھے تھے جبکہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے دلوں میں دشمنوں کی فصل کاشت ہو گئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ عبداللہ بن ابی انصار مدینہ کا رئیس تھا۔ انصار مدینہ نے رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اسے اپنا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کے لیے تاج بھی تیار ہو گیا تھا لیکن آپ ﷺ کے آتے ہی اس کے بادشاہ بننے کا خواب محض خواب ہی رہ گیا، اسی لیے اس نے روز اول سے آپ ﷺ کے لیے ان گنت مشکلات پیدا کرنا شروع کر دی تھیں۔ اے شہر نبی ﷺ! میں جانتا ہوں کہ میرے رسول ﷺ نے تجھ سے بے حد محبت کی ہے۔ وہ جب بھی یہاں سے باہر تشریف لے جاتے، ان کے چلنے کی رفتار بہت آہستہ ہوتی اور جب باہر سے تیری جانب واپس تشریف لاتے تو وہ معمول سے کافی تیز چل کر تشریف لاتے۔ تیری گلیوں، تیری سڑکوں، تیری راتوں، تیرے دنوں، تیری روشنیوں، تیرے اندھیروں، تیرے ماضی، تیرے حال، تیرے مستقبل، تیری مسجدوں، تیرے لوگوں غرض تیرے ذرے ذرے تک میرا عقیدتوں اور محبتوں میں ڈوبا ہوا سلام پہنچے۔ تیرا وجود ایک ایسی ذات کا امین ہے جس کی امانت داری کو دشمن بھی تسلیم کرتے تھے اور جس پر خدا اور اس کے فرشتے درود و سلام بھیجتے ہیں۔ تیری مٹی میں بقول امام مالک تقریباً دس ہزار صحابہؓ آرام فرما رہے ہیں۔ تیرے سینے پر مسجد نبوی ﷺ کا چاند چمک رہا ہے جہاں ایک نماز کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ تجھ پر مسجد قباء اپنی روشنیاں پھیلا رہی ہے جسے اسلام کی پہلی مسجد ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور جہاں کی نماز عمرے کا ثواب عطا کرتی ہے۔ تجھ پر مسجد القبلتین، مسجد الفتح، مسجد المصلی،

مسجد علی ابن ابی طالب، مسجد ابوبکر صدیق، مسجد عمر ابن الخطاب، مسجد الشجرہ، مسجد الفصیح، مسجد السقیاء، مسجد ابوذر اور مسجد جمعہ ساعدہ ستاروں کی طرح چمک رہی ہیں۔ تمہارے شرق و غرب کا چپا چپا تاریخی ہے اور تمہارا کونہ کونہ کسی نہ کسی عظیم واقعے کی یاد دلاتا ہے۔ تمہیں پہلی اسلامی ریاست کا مرکز ہونے کا ایسا اعزاز حاصل ہے جس پر رشک کی بھی حدیں تمام ہو جاتی ہیں۔ مجھ فقیر و حقیر کو یہ کہتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا ہے کہ مجھے اپنے گھر، اپنے شہر اور اپنے وطن سے بے حد محبت ہے لیکن تجھ سے جتنی محبت ہے اس کے سامنے وہ محبتیں بلاشبہ ہیچ ہیں۔ میں تیری بانہوں میں آ گیا ہوں، مجھے اپنی برکتوں کے سائے میں لے لے جہاں میں اپنے رب سے انتہائی عاجزی کے ساتھ اپنے، اپنی اولاد، اپنے ماں باپ، اپنے عزیز و اقارب، اپنے دوستوں، اپنے وطن اور اہل وطن کے لیے ہر قسم کی خیر کا سوال کر سکوں۔

میں یہی سوچ رہا تھا کہ بس کے کسی مسافر نے با آواز بلند کہا: ''وہ دیکھو''۔ میں چونکا اور بے قراری سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرے دل کی طرف یعنی میری بائیں جانب مسجد نبوی ﷺ اور گنبد خضرا کا حسین نظارہ میری آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے لگا۔ میری آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور زبان خود بخود درود پڑھنے لگی۔ دنیا میں لاکھوں حسین عمارتیں ہیں جن کی خوبصورتی لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ مدینہ منورہ میں آنے والا کوئی بھی شخص جس بے قراری سے فضا میں گنبد خضرا تلاش کرتا ہے یہ صرف اسی کا حصہ ہے۔ یہ بے قراری کیوں نہ ہو کہ یہ اس ہستی کا گھر ہے جس نے دنیا بھر کے لوگوں کو قرار و سکون کی وہ دولت بخشی جس کی پوری انسانیت کو بے حد ضرورت تھی۔ اس نے اس وقت طاقتوروں کے پاؤں تلے کچلے ہوئے غریب اور مظلوم لوگوں کو اپنے سینے سے لگایا جب ان کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ اس نے ہر مظلوم پر ڈھائے جانے والے ہر ظلم کو روکا۔ اس نے تاریک ذہنوں کو ایسی روشنی عطا کی جس کے طفیل انہیں لاکھوں خداؤں کی بجائے صرف خدائے واحد کی پہچان ملی۔ اس نے جہاں بھی کوئی زخم دیکھا، اس پر مرہم لگایا۔ اس نے ہر اشک کو اپنے ہاتھوں سے

پونچھا۔ اس نے یقین دلایا کہ جس کا کوئی نہیں، اس کا اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ ہے۔ اس نے غمزدوں کو خوشیاں، بے بسوں کو طاقت، جاہلوں کو علم، جھوٹوں کو صداقت اور کچلے ہوؤں کو زندگی کا اعتماد بخشا۔ وہ کیا ہے؟ وہ اللہ کے بعد سب سے بڑا ہے۔ میں اس کے بارے میں کیا کہوں، میری کیا اوقات ہے۔ وہ تو ایک ایسی ذات ہے جس پر انسان زندگی بھر لکھتا رہے تو بھی اسے احساس ہو کہ اس نے ابھی ابتدا کی ہے۔ مجھ پر اسی سفر کے دوران میں یہ عقدہ کھلا کہ انسان کے ذہن کی کئی جہتیں ہیں اور یہ سبھی جہتیں حیران کر دینے والی خوبصورتیوں سے مزین ہیں۔ مثلاً میں سوچ رہا ہوں اور سوچ ہی سوچ میں صدیوں کا سفر طے کرتا چلا جاتا ہوں لیکن اسی ذہن نے زبان کو درود پر لگایا ہوا ہے، دل کو محبت خدا اور رسول ﷺ کے اظہار پر لگا دیا ہے، آنکھوں کو اظہار خلوص کے لیے اشک برسانے کا عمل انجام دینے کا حکم دے دیا ہے اور ہاتھوں کو دعاؤں کے لیے بلند کر دیا ہے۔ غرض بیک وقت تمام کام ہو رہے ہیں اور پوری صداقت و خلوص کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ میرے خیال میں یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی محبت کا کرشمہ ہے جو ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے۔ بس مختلف سڑکوں پر دوڑ رہی ہے۔ بس میں بیٹھے ہوئے محمد ﷺ کے مہمانوں کی نظریں بس ایک ہی طرف لگی ہوئی ہیں۔ وہ ایک ہی منظر کو دیکھنا چاہتی ہیں جس کی پیاس لے کر بھی کالے کوسوں کا سفر طے کر کے یہاں پہنچے ہیں لیکن وہ منظر چند لمحوں کے لیے عمارتوں کی اوٹ سے جھانکتا ہے اور قلب و نظر کو اپنی محبت سے مہکاتا ہوا پھر غائب ہو جاتا ہے۔ اب کچھ دیر ہوئی وہ منظر نظر نہیں آیا۔ بس ایک عمارت کے سامنے آ کر رک گئی ہے۔ ڈرائیور اتر گیا ہے۔ ایک صاحب بس میں سوار ہوئے ہیں۔ انہوں نے مسافروں کو اطمینان سے بیٹھے رہنے کی تلقین کی ہے اور بتایا ہے کہ چند منٹوں میں انہیں ان کی رہائش گاہ تک پہنچا دیا جائے گا اور جن لوگوں کا رہائش کے لیے اپنا بندوبست ہے وہ یہاں یا راستے میں جہاں اترنا چاہیں، اتار دیا جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد بس پھر چل پڑی ہے۔ ہم باب مجیدی کے سامنے اتر گئے ہیں جہاں سے مسجد نبوی کا خوبصورت منظر دل کو مسرور کر رہا ہے۔ میں اہلیہ اور اپنی ہمراہی خاتون کو وہیں رکنے کا کہہ کر ٹیلیفون کرنے کے لیے

قریب ہی کی عمارت میں چلا جاتا ہوں۔ایک بوتھ سے عزیزی اسلم اور اجمل کو ٹیلیفون کرتا ہوں جو ہمارے منتظر ہیں۔تھوڑی ہی دیر میں وہ آ جاتے ہیں اور بالکل قریب ہی کی ایک عمارت میں ہمیں لے جاتے ہیں جہاں ہماری رہائش کے لیے انہوں نے ایک خوبصورت کشادہ کمرے اور ہماری سہولت کے لیے ہر چیز کا بندوبست کر رکھا ہے۔وہ ہمیں ناشتہ کروانے کے بعد یہ کہہ کر چلے گئے ہیں کہ ہم آرام کریں۔وہ جمعہ وقت آ جائیں گے اور ہمیں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسجد نبوی ﷺ لے جائیں گے۔

درِ اقدس پہ غلام ابنِ غلام آیا ہے

(مسجد نبوی ﷺ اور روضہ رسول ﷺ پہ حاضری)

جب احمل ہمیں مسجد نبوی ﷺ لے جانے کے لیے ہماری رہائش گاہ پر آیا تو ہم تیار ہو چکے تھے۔ ہم نے تھوڑی دیر آرام کر لیا تھا اس لیے اب اپنے آپ کو تر و تازہ محسوس کر رہے تھے یا پھر اس تازگی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہم اس دروازے پر حاضری کے لیے جا رہے تھے جہاں حاضر ہونا ایک مسلمان کے لیے زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھی جاتی ہے۔ مجھے یہ سب کچھ خواب کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ میری زندگی کے گرم و سرد میں گرم والا حصہ بہت طویل ہے۔ میں نے خوشحالی کم اور تنگدستی زیادہ دیکھی ہے۔ نہ مال اور نہ ہی اعمال میں خود کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ اس عظیم سعادت کے خواب کو تعبیر کی شکل دے سکتا لیکن جس پر عطا کے دروازے کھل جائیں، اسے اپنے خوابوں کو تعبیر کی شکل دینے سے کون روک سکتا ہے۔ طویل جد و جہد کی لیکن جب منظوری ہوئی تو یوں لگا کہ پلک جھپکنے کی دیر میں ہوا مجھے اڑا کر اس سرزمین پر لے آئی ہے جہاں کعبۃ اللہ ہے، جہاں منیٰ، مزدلفہ و عرفات ہیں، جہاں مولدِ رسول ﷺ، حرا و ثور ہیں، جہاں مسجد نبوی ﷺ، مسجد قبا، اور احد ہیں اور جہاں میرے آقائے نامدار ﷺ اور ان کے صحابہ، با کردار ہیں۔ مجھ پر پھر وہی کیفیت طاری ہو رہی ہے جو بیت اللہ میں حاضری کے وقت طاری ہوئی تھی۔ میرا ایمان ہے کہ جب ہم درِ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں تو میرے آقا ﷺ ہمیں دیکھ رہے ہوتے ہیں اور اپنے ہر غلام کی آمد پر تبسم فرما کر اسے اپنی شفقتوں کی دولت سے مالا مال فرما دیتے ہیں۔ وہ رحمۃ للعالمین

ہیں، اپنے امتیوں سے انہیں بے حد پیار ہے لیکن ان سب حقائق کے باوجود میری حالت عجیب ہے۔ میں جہاں مسرور ہوں کہ مجھ پر آپ ﷺ کی رحمتیں بارش کی طرح برسی ہیں اور یقین ہے کہ برستی ہی رہیں گی وہاں جب اپنے گریبان میں جھانکتا ہوں تو بے حد ندامت ہوتی ہے۔ احساس ہوتا ہے کہ میرا دفترِ عمل تو سیاہیوں سے بھرا پڑا ہے، کاش اس میں روشنی کی ایک کرن ہی ہوتی۔

جہاں ہماری رہائش کا بندوبست کیا گیا ہے وہاں سے مسجدِ نبوی ﷺ پانچ چھ منٹ کے پیدل سفر کے فاصلے پر ہے۔ چند قدم چلنے کے بعد باب مجیدی کا منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ ہم سب اجمل کی قیادت میں اس سڑک پر آ گئے ہیں جس کی دونوں جانب بلند و بالا عمارتیں ہیں اور ان عمارتوں کے خاتمے پر مسجدِ نبوی ﷺ۔ ہمارے ہر طرف ہر رنگ و نسل کے لوگ ہیں اور سبھی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک لیے مسجدِ نبوی ﷺ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مسجدِ نبوی ﷺ کی حدود میں داخل ہوتے ہی اجمل نے خواتین کو مفصل طور پر مسجدِ نبوی ﷺ کا نقشہ سمجھایا ہے اور بتایا ہے کہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد وہ روضہ رسول مقبول ﷺ پر کس طرح حاضری دیں گی اور حاضری کے بعد کہاں آ کر ہمارا انتظار کریں گی۔

سفرِ حج میں اگر آپ تنہا ہیں تو فکر کی بات نہیں لیکن اگر آپ کے ساتھ خاتون یا خواتین یا ساتھی ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو کسی طرح کی کوئی پریشانی نہ ہو تو ضروری ہے کہ آپ جہاں بھی جائیں آپس میں طے کر لیں کہ بچھڑ جانے کی صورت میں فلاں جگہ ملاقات ہوگی۔ میرے ساتھ کیونکہ خواتین تھیں اور خواتین بھی ایسی کہ جو سو فیصد گھریلو، اس لیے اس سلسلے میں میں نے مزید احتیاط کی۔ مکہ معظمہ میں بھی ہم نے ایک جگہ مقرر کر لی تھی اور یہی کچھ یہاں یعنی مدینہ منورہ میں کیا اور بعد ازاں منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں بھی اسی حکمتِ عملی پر عمل کیا اس لیے اللہ کے فضل و کرم سے کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا ورنہ ہم نے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھیوں کی تلاش میں بے حد پریشان دیکھا ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو ایسے بھی ملے کہ جنہیں کسی چیز کا کچھ پتا ہی نہیں اور اگر کوئی ان کی مدد کرنا چاہے بھی تو نہیں کر سکتا۔

مجھے بہاول پور کی ایک خاتون کا واقعہ یاد ہے کہ وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے آئیں اور حج سے ایک روز قبل ان سے بچھڑ گئیں۔ لوگ عرفات چلے گئے اور وہ وہیں مسجد الحرام کے باہر بیٹھی رہیں۔ عرفات سے واپسی پر بھی خاتون کی اپنے ساتھیوں سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ اس کے ساتھی حج کر کے واپس پاکستان آ گئے۔ ڈیڑھ دو ماہ بعد کسی نے انہیں پاکستان واپس بھجوایا اور وہ اس احساس محرومی میں کڑھتے کڑھتے اللہ کو پیاری ہو گئیں کہ سعودی عرب پہنچ کر بھی وہ نہ تو حج کر سکیں اور نہ ہی مدینہ جا کر روضہ رسول پر حاضری دے سکیں۔

مسجد نبوی ﷺ بلاشبہ فن تعمیر کا حسین شاہکار ہے جس کی کشادگی اور حسن آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور بخشتا ہے۔ میرے آقا ﷺ جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر قباء کے راستے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مسجد نبوی ﷺ تعمیر فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "لوگ تین مسجدوں کے لیے سفر اختیار کریں گے۔ ایک میری مسجد، دوسری مسجد حرام اور تیسری مسجد اقصیٰ" پھر آپ ﷺ نے فرمایا "میری مسجد میں ادا کی گئی ایک نماز مسجد الحرام کے سوا باقی تمام مساجد کی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔"

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر جس قطعہ زمین پر ہوئی یہ دو یتیم بچوں سہیل و سہل کی ملکیت تھا جو نافع بن عمر بن ثعلبہ بن النجار کے بیٹے تھے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں مدینہ میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے وقت آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ اس سے متصل حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مکان تھا جہاں آپ ﷺ نے ابتدا میں رہائش اختیار فرمائی تھی۔ اس زمین پر کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ جب آپ ﷺ نے یہاں مسجد تعمیر فرمانے کی خواہش کا اظہار فرمایا تو آپ ﷺ نے بچوں کے سرپرست و ولی اسعد ابن زرارہ انصاری کے ذریعہ یہ زمین خرید فرمائی۔ خالی جگہ کے علاوہ کچھ زمین پر کھجوروں کے درخت تھے جن کے نیچے مشرکین کی قبریں تھیں جو ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان درختوں کو کاٹنے اور زمین کو ہموار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ زمین ہموار ہوئی تو

آپ ﷺ نے تعمیر کا کام اپنے دستِ مبارک سے شروع کیا۔ کھجور کے انہی درختوں کے تنے ستون بنانے اور پتے چھت ڈالنے کے کام آئے۔ وہاں مٹی کو گیلا کیا گیا اور گیلی مٹی سے اینٹیں بنائی گئیں۔ آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اینٹیں اٹھا کر دیوار کی چنائی فرمائی۔ صحابہ کرامؓ نے بار بار درخواست کی کہ آپ ﷺ کام نہ کریں لیکن آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول نہ فرمائی اور اختتامِ تعمیر تک کام کرتے رہے۔ آپ ﷺ تعمیر فرماتے اور یہ رجز پڑھتے۔

اللهم لا عيش الا عيش الاخرة فاغفر الانصار والمهاجر

''اے اللہ زندگی تو آخرت کی زندگی ہے لہٰذا تو انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما۔''

جب مسجد پہلی بار تعمیر ہوئی تو اس کا رقبہ آٹھ سو پچاس اعشاریہ پانچ (۸۵۰٫۵) مربع میٹر اور اونچائی دو اعشاریہ نو میٹر (۲٫۹) تھی اور اس کی تعمیر پر تقریباً سات ماہ کا عرصہ لگا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ مسجد آباد ہوئی اور اس طرح آباد ہوئی کہ تھوڑے ہی عرصے میں نماز کے لیے تنگ پڑنے لگی۔ چھت کیونکہ کھجور کے پتوں سے بنائی گئی تھی اس لیے بارش میں مسجد میں پانی بھر جاتا اور کیچڑ کی وجہ سے نماز میں بے حد دشواری ہوتی۔ اس کا عارضی طور پر تو یہ حل نکالا گیا کہ فرش پر سنگریزے بچھا دیے گئے لیکن جگہ کی تنگی کے لیے اس کی توسیع بے حد ضروری ہوگئی۔ فتح خیبر کے سات سال بعد یہ کام بھی میرے آقا ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے انجام پایا۔ اب مسجد کا رقبہ دو ہزار پچیس (۲۰۲۵) مربع میٹر ہوگیا۔ اس بار مسجد کی بنیادیں پتھروں سے تعمیر کی گئیں۔ دیواروں کی پختہ اینٹوں سے چنائی کی گئی۔ چھت کی اونچائی بھی بڑھا کر چار اعشاریہ صفر چھ (۴٫۰۶) میٹر کر دی گئی۔ ستونوں کے لیے کھجوروں کے تنے استعمال کیے گئے۔ چھت میں مٹی اور گارا استعمال کر کے کھجور کی کڑیاں ڈالی گئیں اور مناسب ڈھلان بھی رکھی گئی تاکہ بارش کا پانی چھت پر کہیں رکنے نہ پائے۔

مسجد کے تین دروازے بنائے گئے۔ ایک دروازہ مسجد کے عقب یعنی جنوب کی جانب رکھا گیا۔ دوسرا دروازہ باب عائشہ جسے اب باب الرحمۃ کہا جاتا ہے اور تیسرا دروازہ باب عثمانؓ

جواب باب جبریل کہلاتا ہے۔ عام طور پر آپ ﷺ اسی دروازے سے تشریف لاتے تھے۔ تحویل کعبہ کے وقت پہلے دروازے کو جو جنوب کی جانب تھا، بند کر دیا گیا اور اس کی جگہ شمال کی جانب دروازہ بنایا گیا۔

آپ ﷺ کے بعد مختلف ادوار میں مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر، توسیع اور تزئین کا کام ہوتا رہا۔ نبی اکرم ﷺ کے تقریباً دس سال بعد حضرت عمر بن خطابؓ نے تعمیر و توسیع کا کام کروایا۔ انہوںؓ نے پوری مسجد کو دوبارہ تعمیر کروایا۔ اس کے رقبے اور چھت کی اونچائی میں اضافہ کروایا۔ انؓ کے بعد حضرت عثمانؓ نے مسجد کی تعمیر کروائی جو حضرت عمرؓ کی کروائی گئی تعمیر کے تیرہ سال بعد عمل میں آئی۔ حضرت عثمانؓ کی کروائی گئی تعمیر کے تقریباً باسٹھ سال بعد اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک نے مسجد کی توسیع و تعمیر کا کام کروایا۔ ان کے بعد خلیفہ مہدی العباسی نے چوہتر سال بعد مسجد کی توسیع و تعمیر کا کام کروایا پھر یہی کام مختلف مسلم سلاطین انجام دیتے رہے۔ مصر کے سلطان اشرف قائتبائی نے مسجد کی تعمیر و توسیع کا کام ۸۸۸ھ میں کروایا۔ ان کے ۳۷ سال بعد سلطان عبد المجید اور پھر ۹۶ سال بعد ملک عبد العزیز نے اس کارِ خیر کو اپنے کھاتے میں لکھوایا۔ یہ کام ان گنت لوگوں نے انجام دے کر اپنے نامہ اعمال کو روشن کیا اور یہ سلسلہ حسبِ ضرورت قیامت تک جاری رہے گا۔

مسجدِ نبوی ﷺ کو دو بار کی آتش زدگی نے بہت بڑے نقصانات سے دوچار کیا۔ آگ لگنے کا پہلا واقعہ ۶۵۴ھ میں اس سال پیش آیا جب حجاز کے علاقے میں آتش فشاں پھٹا۔ اس سال ماہِ رمضان المبارک میں مسجدِ نبوی ﷺ کے مخزن میں آگ لگی۔ مسجدِ نبوی ﷺ کا فراش مسجد کے شمال مغربی حصے سے قندیلیں نکالنے کے لیے داخل ہوا اور اس نے وہ قندیل جو اس کے ہاتھ میں تھی غلطی سے اس قندیل دان میں رکھ دی جس میں بہت سی قندیلیں پڑی تھیں۔ پلک جھپکنے کی دیر میں آگ بھڑک اٹھی اور شعلے قالینوں اور جائے نمازوں تک جا پہنچے جس کے نتیجے میں ہر طرف آگ پھیل گئی۔ فراش آگ بجھانے میں ناکام رہا۔ امیر مدینہ بہت سے لوگوں کے ہمراہ مسجدِ نبوی ﷺ پہنچا اور آگ پر قابو پانے میں کامیاب ہوا لیکن اس دوران میں آگ نے مسجد کی دیواروں

پر بنے ہوئے نقش ونگار مٹا ڈالے۔ بہت سی کتابیں تباہ ہوگئیں، صرف مسجد کا وسطی مینار جو سلطان ناصر الدین اللہ نے مسجد کے بیش قیمت ذخائر رکھنے کے لیے بنوایا تھا، محفوظ رہا۔

دوسری بار آگ ۸۸۶ھ میں لگی۔ ماہ رمضان میں موسم ابر آلود تھا۔ جب مؤذن اذان دینے کے لیے مینار پر پہنچا تو مینار پر اچانک بجلی آن گری۔ مؤذن کی فوری طور پر موت واقع ہوگئی اور مسجد کی چھت بھی آگ کی لپیٹ میں آگئی۔ مسجد کے دروازے کھول دیے گئے۔ لوگ فوری طور پر آگ بجھانے کے لیے دوڑے۔ کچھ لوگ چھت پر چڑھ گئے جن میں سے کچھ چھت سے گر پڑے اور ان کی موت واقع ہوگئی۔ آگ نے مشرقی حصے، محراب، منبر، مینار اور دروازوں کو بُری طرح جلا ڈالا جس سے مسجد کو بے حد نقصان پہنچا جس پر سلطان اشرف قایتبائی نے مسجد کی عظیم الشان تعمیر و توسیع کا کام کر کے اس نقصان کی مکمل طور پر تلافی کی۔

حسن تعمیر کا یہ شاہکار میرے سامنے تھا جسے میرے آقا ﷺ کے ہاتھوں کے لمس، قدموں کی آہٹ، فرمودات کی سماعت اور تلاوت کی آواز سے سرفراز ہونے کی عزت نصیب ہوئی۔ میں اپنے رسول ﷺ کے فرمان کے ایک ایک حرف کی صداقت کی عملی صورت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں جس جانب نظر اٹھاتا، اس طرف ہر رنگ و نسل کے لوگوں کا تاحدِ نظر پھیلا ہوا سلسلہ نظر آتا۔ آپ ﷺ کی تعمیر کی ہوئی مسجد کے لیے لوگ دنیا کے ہر کونے سے سفر کرتے ہوئے حاضری کے عظیم اعزاز سے شرف یاب ہو رہے تھے۔ میرے ذہن میں ایک ایک کر کے وہ بھی نام آنے لگے جنھوں نے مسجد کی تعمیر، توسیع اور تزئین کے اہم کام کو سرانجام دینے میں اپنا کردار ادا کر کے مسلمانوں کے دلوں پر اپنا نام کندہ کروالیا۔ ان میں ان لوگوں کے علاوہ جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، خلیفہ اول حضرت صدیق، الناصر الدین اللہ، المعتصم عباسی، محمد بن قلاوون الصالحی، منصور حاکم مصر، نور الدین علی بن معز ایبک، المظفر شمس الدین حاکم یمن، ظاہر مصر جقمق العبد قاری، اشرف برسبائی، اشرف شعبان بن حسین، سلطان مراد عثمانی، سلطان سلیم عثمانی اور سلطان محمود اول عثمانی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

میں مسجد نبوی ﷺ کے سامنے کھڑا ہوں اور تصوری تصور میں مسجد نبوی ﷺ کی تاریخ کی ورق گردانی میں اس طرح گم ہوں کہ مجھے اپنے گرد و پیش کی کچھ خبر نہیں۔ کبھی مسجد اور کبھی اپنے آپ کو دیکھتا ہوں۔ کہاں یہ عظمت کا بے مثال نشان اور کہاں میں حقیر و پست۔ میں چند لمحوں کے لیے مسرت آمیز غرور کی وادی میں جا پہنچا ہوں۔ اسی کیفیت میں ہوں کہ اجمل کی آواز مجھے چونکاتی ہے۔''ابا سئیں! جمعے دا وقت تھیون والا ہے۔۔۔۔۔بہوں رش ہوسی اندر۔۔۔۔۔جلدی چلو ناں تاں جا کائنا لبھسی۔۔۔۔۔(ابا سئیں! جمعہ کا وقت ہونے والا ہے۔ اندر بہت بھیڑ ہوگی۔۔۔۔۔جلدی سے چلیں ورنہ جگہ نہیں ملے گی۔)''میں چند لمحوں میں چودہ سو سالوں کی تاریخ کے تسلسل کو توڑ کر اپنے آج میں واپس آ گیا ہوں۔ میں نے پہلے آہستہ اور پھر قدرے تیز قدم اٹھانا شروع کر دیے ہیں۔ اب ہم مسجد نبوی ﷺ کے دروازے کے بالکل نزدیک آ چکے ہیں اور چند لمحوں میں اس مسجد میں داخل ہونے کا اعزاز حاصل کرنے والے ہیں جس کے بارے میں میرے آقا ﷺ نے فرمایا تھا''جو شخص میری مسجد میں لگاتار چالیس نمازیں اس طرح ادا کرے کہ درمیان میں اس کی کوئی نماز فوت نہ ہو تو وہ دوزخ کی آگ، عذاب اور نفاق سے بری ہو جاتا ہے۔''میں آج وہاں سجدہ ریز ہونے والا ہوں جس کی دیواروں کے درمیان میرے آقا ﷺ کے ان گنت سجدوں کی خوشبوئیں مہک رہی ہیں اور تاقیامت مہکتی رہیں گی، جہاں میرے آقا ﷺ نے صحابہؓ کی امامت فرمائی اور اس کے سائے میں ایک امی ﷺ نے علم کا ایک ایسا سمندر لوگوں کو عطا کیا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ میرے لبوں پر خود بخود دعا کے الفاظ مچلنے لگے ہیں۔

''یا اللہ درود بھیج ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پاک پر۔ یا اللہ میرے گناہوں کو بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اے اللہ آج کے دن تیری طرف متوجہ ہونے والوں میں مجھے سب سے زیادہ متوجہ ہونے والا بنا لے، تیرا قرب حاصل کرنے والوں میں مجھے سب سے زیادہ قریب بنا لے اور زیادہ کامیاب کر ان میں

جنہوں نے تجھ سے دعا مانگی اور مرادیں مانگیں"

اس دعا اور دیگر دعاؤں کے بعد میں اپنے آقا ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہوا مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہو گیا ہوں۔ اس وقت مسجد نبوی ﷺ لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ میں اجمل کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا خاصا آگے نکل آیا ہوں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ نماز کے لیے شاید جگہ ہی نہ مل پائے۔ ایک صف میں تھوڑی سی جگہ نظر آئی ہے۔ میں وہاں چلا جاتا ہوں۔ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں نے جگہ کی تنگی کو دل کشادہ کے اشارے پر بہت زیادہ کشادہ کر دیا ہے۔ میں اور اجمل بیٹھ گئے ہیں۔ اب میں نے اپنے پیارے رسول ﷺ کی پیاری مسجد کا جائزہ لینا شروع کیا ہے۔ انتہائی کشادہ، انتہائی خوبصورت، انتہائی عظیم۔۔۔۔ چھت بہت اونچی، ہر طرف ستون ہی ستون، فرش پر قالین، رستوں پر آب زم زم کے کولر، مکمل ائر کنڈیشنڈ، فرش نہایت خوبصورت، دروازے کھلے کھلے، بڑے بڑے اور اونچے اونچے، صفائی وہ کہ جس کی مثال صرف کعبۃ اللہ کی صفائی ہی سے دی جاسکتی ہے۔ درو دیوار چمکتے ہوئے۔ تقریباً ہر ستون کے ساتھ ایک شوکیس رکھا ہوا ہے جس میں کلام پاک کے نسخے موجود ہیں۔ غرض خوبصورتی اور حسن انتظام کا لاجواب نمونہ۔

میں نے ہزاروں مسلمانوں کے ساتھ مسجد نبوی ﷺ میں نماز جمعہ کو اپنی اس مسجد میں پہلی نماز کے طور پر عجیب کیف و سرور کے عالم میں ادا کیا ہے۔ میرے ارد گرد ٹھاٹھیں مارتا ہوا انسانوں کا ایک پاکیزہ سمندر ہے جس میں میں اپنے آپ کو ایک ننھی سی کشتی کی طرح تیرتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے یوں لگا ہے جیسے یہ حسین ترین منظر میرا دیکھا بھالا ہے۔ جب امام صاحب نے نماز کے دوران قرات کی ہے تو میرے خیالوں کی دنیا میں اس انسان کامل ﷺ کی آواز کا تصور مہکنے لگا ہے جس نے حسن اخلاق، سچائی اور خلوص کی دولت سے نبی نوع انسان کو ایک ایسی راہ دکھائی ہے جس کی صداقت پوری دنیا کو ایک انقلاب کی منزل تک لے آئی ہے۔ وہ بستیاں جو تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھیں، آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کے مینار بن گئی ہیں۔ مجھے نماز ادا کرتے ہوئے ایک انوکھی لذت نصیب ہوئی ہے، ایسی لذت جس سے میں زندگی

میں اس سفر کے دوران ہی روشناس ہوا ہوں ۔ یہی وہ مسجد ہے جہاں میرے آقا ﷺ فرض نمازوں کی امامت فرماتے تھے ۔ یہی وہ مسجد ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اولین تلامذہ مصعب بن عمیرؓ کے سجدوں کی امین بنی ، یہی وہ مسجد ہے جو سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ ابن ابوطالب کے روشن چہروں سے سجی اور ان کی ایمان میں ڈوبی ہوئی آوازوں کو اپنے سینے سے لگاتی رہی ۔ یہی وہ مسجد ہے جو معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن سلامؓ، ابوہریرہؓ، ابوذر غفاریؓ، عبداللہ بن عباسؓ، محمد بن علی بن الحسینؓ، عامر بن عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن المسیبؓ، محمد ابن شہاب زہریؒ، محمد بن المنکدر رؒ، جعفر الصادقؒ، محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہؒ، مالک بن انسؒ، امام شافعیؒ اور ان گنت دوسرے عظیم المرتبت لوگوں کو اپنے فرش پر رب قدیر کے حضور سجدہ ریز ہونے کا شرف بخشتی رہی ۔ یہی وہ مسجد ہے جہاں سیدنا بلالؓ آقائے نامدار ﷺ کی موجودگی میں اس بات کی شہادت دیتے رہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں ۔ حی الصلوٰۃ اور الصلوٰۃ خیر من النوم کا پیغام دیتے رہے ۔ سنہ ایک ہجری سے لے کر قیامت تک دنیا بھر سے ہر رنگ ، ہر نسل اور ہر مکتب فکر کے مسلمان یہاں آ کر اپنے دلوں کی سیاہیوں کو روشنی میں تبدیل کرتے رہیں گے اور آج میری شکل میں ایک بہت بڑا خطاکار اپنے دل کو یہاں کی روشنیوں سے منور کرنے کے لیے حاضر ہے ۔

ایک عجیب و غریب صورت حال ہے ۔ اس طرف جود و سخا، رحمت، شفقت اور کرم کا ایک سمندر ہے اور اس طرف میں سیاہ کار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ احساس ندامت لہروں کی شکل میں ذہن و قلب کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے ۔ سوچ رہا ہوں کہ چند قدم کے فاصلے پر سرکار دو عالم ﷺ آرام فرما ہیں اور قدم وفور شوق میں آگے بڑھ رہے ہیں لیکن اس عظیم ترین انسان کی مرقد مبارک پر کس طرح حاضری دے سکتا ہوں جس کی بزرگی بعد از خدا مسلم ہے ۔ پھر حوصلہ ہوا کہ اگر غلطی نہ ہوتی تو میں یہاں کیونکر آ سکتا تھا ۔ آپ ﷺ تو بلاشبہ سراپا رحمت ہیں ، آپ ﷺ تو اپنے دشمنوں کو بھی اس طرح معاف فرما دیتے کہ انہیں ندامت کا احساس تک نہیں ہونے دیتے تھے ، میں تو آپ ﷺ

کے مبارک پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کے لیے سرمہ، آپ ﷺ سے محبت کو اپنا سرمایہ عظیم، اور آپ ﷺ کی شفاعت کو توشہ آخرت سمجھتا ہوں۔ میری یہاں طلبی ہی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ میں جو بھی ہوں مجھے آپ ﷺ نے اپنے در کا غلام ہونا منظور فرمالیا ہے۔ مجھے اپنی کہی ہوئی نعت کے کچھ شعر یاد آئے۔

ہوں جسے تیری عنایات میسر آقاؑ
کیوں نہ پھر اس کے سنور جائیں مقدر آقاؑ
میں ترے در کا غلام اور غلامی پہ نثار
میری اولاد، میری جان، میرا گھر آقاؑ
کمتری میری مسلم تری عظمت کی طرح
میں کہ اک قطرۂ کم تر تو سمندر آقاؑ

میں درود پڑھتا اور جذب وکیف میں ڈوبے ہوئے لوگوں میں سے گزرتا ہوا ریاض الجنتہ تک آپہنچا ہوں۔ میں نے سعودی عرب آنے سے پہلے مقاماتِ مقدسہ کے بارے میں تفصیل سے پڑھا تھا۔ میں نے ریاض الجنتہ کی عظمت اور اس کے ستونوں کی اہمیت اور تقدس کے بارے میں پڑھتے ہوئے اس کا نقشہ پوری طرح ذہن میں محفوظ کرلیا تھا۔ اب میں اس جگہ آگیا ہوں جہاں میری بائیں جانب روضہ اقدس ہے اور دائیں جانب مسجدِ نبوی ﷺ کے تاریخ ساز اساطین ہیں۔ سلطنت عثمانیہ کے دور میں سلطان عبدالمجید نے جب مسجدِ نبوی ﷺ کی تجدید وتوسیع کا کام کرایا تو ان اساطین پر خصوصی توجہ دی گئی۔ یہ اساطین انہی بنیادوں پر تعمیر ہوئے ہیں جن پر آقائے دو جہاں ﷺ نے مسجدِ نبوی ﷺ کی اولین تعمیر کے وقت کھجور کے تنوں سے اساطین کھڑے فرمائے تھے۔ ان تاریخی اساطین کی تعداد آٹھ ہے۔ پہلے اسطوانے کو اسطوانہ، مطیبہ معطرہ کہا جاتا ہے جو خاص مصلیٰ نبوی ﷺ پر واقع ہے۔ صحابہ رسول ﷺ میں سے مسلم ابن

الاکواع" کو اکثر اس مقام پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا۔ ان ؓ سے وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا" رسول اللہ ﷺ اس جگہ نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے"۔ اس اسطوانے کو قبلے کی طرف تھوڑا سا ہٹا دیا گیا ہے اور اس کا تھوڑا سا حصہ محراب نبوی ﷺ کے اندر آ گیا ہے۔

دوسرے اسطوانے کو اسطوانہ، سیدہ عائشہؓ کہا جاتا ہے۔ یہ اسطوانہ مسجد نبوی ﷺ کے منبر شریف، مرقد مبارک اور قبلے کی طرف سے تیسرا اسطوانہ ہے، اسے اسطوانہ، مہاجرین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں مہاجرین جمع ہوتے تھے۔ اسی اسطوانہ کو اسطوانہ، قرعہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے روایت ہے "میری مسجد میں ایک ایسا ٹکڑا ہے جس کی اہمیت کے بارے پتا چل جائے تو وہاں نماز پڑھنے والوں کا ہجوم ہو جائے اور پھر اس جگہ پر نماز پڑھنے کے لیے قرعہ اندازی کرنی پڑے"۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو اس ٹکڑے کے بارے میں مکمل معلومات تھیں لیکن آپؓ نے اس راز کو مخفی رکھا البتہ آپؓ نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اس ٹکڑے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ یہی وہ اسطوانہ ہے، جس کی اہمیت کی جانب میرے آقا ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا۔ مسجد اقصیٰ سے کعبۃ اللہ کی طرف قبلہ تبدیل ہو جانے کے بعد منبر شریف پر قیام فرمانے سے پہلے آپ ﷺ نے اس مقام پر کئی مرتبہ امامت فرمائی۔ روایت ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عامر بن عبداللہؓ نے بھی اس اسطوانہ پر نمازیں ادا فرمائیں۔

تیسرے اسطوانے کا نام اسطوانہ، توبہ ہے۔ اس اسطوانے سے دو روایات منسوب ہیں۔ پہلی یہ کہ آنحضرت ﷺ اس اسطوانے پر نوافل نمازیں ادا فرماتے اور نماز فجر کے بعد اس کے پیچھے تشریف فرما ہو کر غریب، ضعیف اور مسکین لوگوں کے علاوہ نومسلم لوگوں سے بھی ملاقات فرماتے اور انہیں گزشتہ شب نازل ہونے والی وحی کے بارے میں مفصل طور پر آگاہ فرماتے۔ دوسری روایت ایک صحابی ابی لبابہ کے حوالے سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کا ایک راز مدینہ کے یہودی قبیلہ بنی قریظہ کے لوگوں کو بتا دیا۔ ابی لبابہ کو اپنی اس حرکت پر جب ضمیر

نے ملامت کی تو وہ خود بطور سزا اس ستون سے لٹک گئے اور عہد کیا کہ جب تک ان کی توبہ منظور نہیں ہو جاتی اور نبی اکرم ﷺ خود تشریف لا کر ان کے ہاتھ پاؤں نہیں کھول دیتے، وہ اسی طرح لٹکے رہیں گے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ پیر باندھ لیے اور کئی روز تک بغیر کھائے پیے لٹکے رہے سوائے اس وقت کے جب ان کی صاحبزادی خاص ضرورت کے لیے تھوڑی دیر کے لیے ان کے ہاتھ پاؤں کھول دیتیں۔ انہی دنوں قرآن مجید کی سورۂ توبہ نازل ہوئی جس پر نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس تشریف لائے اور آپ ﷺ نے ابی لبابہ کو اس ستون سے کھولا۔ ابی لبابہ ہی کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ جنگ تبوک میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شریک نہ ہوئے جس پر انہوں نے اس ستون کے ساتھ خود کو لٹکا لیا اور اس وقت تک وہاں سے نہیں اترے جب تک کہ آقائے نامدار ﷺ نے خود آ کر اپنے دستِ مبارک سے انہیں آزاد نہیں فرمایا۔ اسی نسبت سے اس ستون کے اسطوانہ ابی لبابہ بھی کہا جاتا ہے۔

اسطوانہ توبہ منبر شریف سے چوتھا، روضہ اطہر سے دوسرا اور قبلے کی سمت سے تیسرا اسطوانہ ہے۔

چوتھے اسطوانے کا نام اسطوانہ سریر ہے۔ یہ اسطوانہ حجرۂ مطہرہ کی کھڑکی سے ملحق ہے اور مشرق کی جانب اسطوانہ توبہ سے اگلا ستون ہے۔ نبی اکرم ﷺ عام طور پر اس اسطوانہ کے قریب بستر بچھا کر آرام فرماتے تھے۔ اس اسطوانے کو اسی نسبتِ خاص سے اسطوانہ سریر کہا جاتا ہے۔

پانچویں اسطوانے کا نام اسطوانہ محرس ہے۔ یہ اسطوانہ شمال کی جانب اسطوانہ توبہ کے عقب میں واقع ہے۔ اس اسطوانے کے قریب سیدنا علیؓ نمازیں ادا فرماتے تھے، اس لیے اسے اسطوانہ علی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اسی کے پاس بیت النبی ﷺ کا دروازہ تھا جہاں حضرت علیؓ بطور محافظ اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔ امرائے مدینہ نے اپنے اپنے ادوار میں یہاں نمازیں ادا کیں۔

چھٹے اسطوانے کا نام اسطوانہ وفود ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آقائے دو جہاں ﷺ باہر سے آنے والے وفود سے ملاقات فرماتے۔ انہیں دین اور دنیا کے بارے میں **مفصل تعلیم** دینے کے علاوہ ہر قسم کے درپیش مسائل پر گفتگو فرماتے۔ اس اسطوانے کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہاں بہت سے اصحابہ کرامؓ نے قیام فرمایا۔

ساتویں اسطوانے کا نام اسطوانہ مربعۂ قبر ہے۔ اسے مقام جبریل بھی کیا جاتا ہے۔ یہ حجرۂ مطہرہ کے مغرب میں واقع ہے اور نامور مورخین کے نزدیک خاتون جنت سیدہ النساء حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کا مکان اس مربع کے بالکل سامنے تھا۔

آٹھویں اور آخری اسطوانے کا نام اسطوانہ تہجد ہے جو سیدہ فاطمۃ الزہرہؓ کے مکان کی پشت پر شمال کی طرف واقع ہے۔ اس میں ایک محراب ہے جس کے پاس کھڑے ہو کر مسجد نبوی ﷺ کا باب جبریل بائیں ہاتھ پر واقع ہے۔ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت اپنا کھجور سے بنا ہوا مصلی نکال کر حضرت فاطمہؓ کے مکان کی پشت کی جانب رکھ دیتے اور وہیں نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔ آپ ﷺ اس نماز کو اس باقاعدگی، تسلسل اور تواتر کے ساتھ ادا فرماتے تھے کہ ایک روز صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس نماز کے بارے میں تم سے کچھ نہیں کہتا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے اس کے بارے میں تم سے کچھ کہا تو کہیں یہ تم پر فرض نہ ہو جائے۔

میں یہاں کچھ دیر ٹھہر کر ان اساطین کو دیکھتا رہا۔ میرے لبوں پر درود اور دل میں عجیب و غریب جذبات موجزن تھے۔ میرے ذہن میں جب یہ بات آئی کہ اب میں اس جگہ کھڑا ہوں جہاں میرے پیارے رسول ﷺ کی مدنی زندگی کا زیادہ وقت گزرا تو پورے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ یہ وہ مرکزی جگہ ہے جہاں صحابہ کرامؓ کا ہر وقت جمگھٹا رہتا اور تشنگان علم و محبت رسول ﷺ شمع رسالت کے گرد پروانوں کی طرح ہر لمحے جان نثاری کے بہانے ڈھونڈتے رہتے۔ دنیا کا وہ کونسا مسئلہ ہے جس پر یہاں کی فضا نے نبی اکرم ﷺ کی ارشادات نہ سنے ہوں گے۔ یہی اسلامی

دنیا کی اولین ریاست کا انتظامی مرکز تھا جہاں سے پوری دنیا نے وہ فیض حاصل کیا جس کی تاریخ عالم میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہاں عالموں، حاکموں اور مجاہدوں کا ایک ایسا لشکر تیار کیا گیا جس نے نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں دنیا پر ایک ایسے نقطہ نظر کو واضح کیا جس نے سیاہیوں کے طوفان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موت سے ہم کنار کر دیا۔ یہیں ایک اُمّی ﷺ نے علم کے پیاسوں کو علم کی ایک عظیم دولت سے سیراب کیا اور دنیا پر حکمران نفرت کے آتش فشاؤں کو اپنے تبسم کی ٹھنڈک سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھا دیا۔ یہیں سے فقیرانِ مصطفےٰ ﷺ کا ایک گروہ اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے محبت کے اس سبق کو پوری دنیا میں پھیلا دیا جو انہیں نبی اکرم ﷺ نے بنفس نفیس پڑھایا۔ یہیں سے تاریخ عالم میں ایک ایسا انقلاب برپا ہوا جس نے کھرے اور کھوٹے کو الگ کر کے رکھ دیا اور جس سے سچائی کے ایسے پیمانے وضع ہوئے جنہیں کبھی چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔

میرے ذہن میں خود بخود اس کچی مسجد کا نقشہ ابھرنے لگا جسے میرے آقا ﷺ نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنے جانثار صحابہؓ کے ساتھ مل کر بنایا تھا۔ میرے سامنے مسجدِ نبوی ﷺ کا وہ مقام بھی تھا جہاں مؤذن کھڑے ہو کر اذان دیتا ہے۔ ہر چند اس وقت اذان نہیں ہو رہی تھی لیکن میرے کانوں میں اذان کے الفاظ کی ایک ایسی گونج ابھرنے لگی جیسے حضرت بلالؓ اذان دے رہے ہوں۔ اس کیفیت سے دوچار ہوتے ہی میری نظر منبرِ رسول ﷺ اور مصلیٰ رسول ﷺ کی جانب اٹھی اور اس عظیم ہستی کو دیکھنے کے لیے بے قرار ہونے لگی جسے دیکھ دیکھ کر سیدنا بلالؓ ایک حسین حالت کیف و سرور میں لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے تھے۔ وہاں محبانِ رسول ﷺ کی ایک قطار کے سوا کچھ نظر نہ آیا جس میں شامل لوگ نوافل کی ادائیگی کے لیے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ میرے کانوں میں یہ الفاظ رس گھولنے لگے۔ ''میرے مکان اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ میرا منبر جنت کے حوضوں میں سے ایک حوض کے اندر ایستادہ ہے۔'' میں نے اپنے ارد گرد دیکھا۔ لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو جنت کے باغوں میں سے اس باغ

میں داخل ہو کر اپنی آخرت کے لیے توشہ سمیٹنا چاہتا تھا لیکن وہاں پہلے سے موجود لوگ اس طرح بیٹھے تھے کہ انہیں کسی کی خواہش کا کچھ خیال نہ تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ تو وہ دریائے رحمت ہے جس پر پوری دنیا کا یکساں حق ہے۔ اس سے سیراب ہونے کے لیے اول و آخر، تقدیم و تاخیر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہاں قابض ہو کر بیٹھنے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ دنیا کے کونے کونے سے لوگ یہی خواہش اور شوق لے کر یہاں پہنچے ہیں کہ انہیں ریاض الجنہ میں بیٹھنے کے لیے چند لمحے نصیب ہوں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہر شخص یہاں کچھ دیر بیٹھے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو یاد کرے، نفل پڑھے، دعائیں مانگے اور اپنے بھائیوں کے لیے جگہ چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی اس وسیع و کشادہ مسجد میں کسی اور جگہ بیٹھ کر عبادات میں مشغول رہے لیکن میں نے اپنے مختصر قیام کے دوران محسوس کیا، جو یہاں بیٹھ گیا، وہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ میں یہ سوچنے لگا کہ یہ لوگ شاید یہی سوچتے ہوں گے کہ زیادہ دیر بیٹھنے سے وہ ثواب کی عظیم دولت سمیٹ رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ وہاں بیٹھنا اور عبادت کرنا بہت افضل بات ہے لیکن دوسروں کو اس سعادت سے دور رکھنے کی شعوری کوشش کرنا بھی تو درست بات نہیں۔ میں نے ان کے اس طرز عمل پر مزید غور و خوض کرتے ہوئے اپنے لیے جگہ کی تلاش کی کوشش شروع کی۔ میری خواہش تھی کہ میں اسطوانہ سیدہ عائشہ کے قریب بیٹھ کر نوافل ادا کروں اور اپنے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کروں لیکن بہت دیر تک انتظار کرنے کے باوجود وہاں مجھے جگہ نہ مل پائی۔ اس خوف سے کہ پھر نماز عصر کی اذان ہو جائے گی اور میں نوافل ادا نہیں کر پاؤں گا، میں پیچھے ہٹ آیا، کچھ دیر کے بعد مجھے ایک جگہ تھوڑی سی جگہ نظر آئی۔ میں نے وہاں پہنچ کر قریب بیٹھے ہوئے حضرات سے اشاروں کے ساتھ تھوڑی سی گنجائش پیدا کرنے کی درخواست کی تاکہ میں نوافل ادا کر سکوں جنہوں نے پہلے تو جگہ کی تنگی کی بات کی لیکن جب میں نے دوبارہ ان سے مزید عاجزی سے درخواست کی تو انہوں نے مجھے اس قدر جگہ دے دی جہاں میں نوافل ادا کر سکتا تھا۔ میں نے دو نفلیں پڑھیں اور اللہ کے حضور رو رو کر دعائیں مانگیں۔ جی چاہتا تھا کہ میں یہیں بیٹھا

رہوں اور اسی طرح اپنے گناہوں کی معافی کے لیے اپنے آپ کو اللہ کے حضور حاضر رکھوں، اس پر یہ احساس کہ میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ہوں میری اس خواہش کو اور شدید کررہا تھا لیکن میری نظر ارد گرد کھڑے ہوئے ان گنت لوگوں پر پڑی جو اپنے خوش نصیب ہونے کی باری کا انتظار کررہے تھے۔ میں وہاں چند لمحے اور بیٹھنے کے بعد اٹھ کر مصلی رسول مقبول ﷺ کی طرف آ گیا جہاں ایک قطار بنی ہوئی تھی۔ میں درود پڑھتا ہوا سب سے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں درود پڑھتا اور سوچتا رہا کہ ہجرت مدینہ کے بعد جب آقائے دو جہاں ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو یہی وہ جگہ ہے جس کا سینہ آپ ﷺ کے قدموں سے سرفراز ہوا۔ زمین کا یہ ٹکڑا کتنا خوش بخت ہے کہ جس نے کائنات کے سب سے بڑے انسان کو خود پر مقیم کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اس خاص حصے کی خوش بختی کی کہاں مثال مل سکتی ہے کہ جہاں آپ ﷺ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوئے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ ﷺ امامت فرماتے اور دنیا کے عظیم ترین لوگ آپ ﷺ کی امامت میں نمازیں ادا فرماتے۔ یہاں کا چپا چپا روشن، یہاں کا ذرہ ذرہ لائق رشک اور یہاں کا کونہ کونہ تاریخ اسلام کی عظیم ترین صدیوں کو اپنے سینے میں امانت کے طور پر سنبھالے ہوئے ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ میں وہ نہیں جو بہاول پور میں تھا۔ میری آنکھیں، میرا دل اور میری سوچیں، سب کچھ بدل گیا ہے۔ میں جو اپنی آنکھ میں ایک آنسو لانا مردانگی کی شان کے خلاف سمجھتا تھا اب انہی آنکھوں کے لیے آنسوؤں کا سمندر مانگ رہا تھا کہ میری آنکھوں سے یہ آنسو ہر لمحہ بہتے رہیں اور اس عظیم خطہ زمین میں جذب ہوتے رہیں۔ میرا دل بے حد گداز ہو گیا تھا جس پر لمحہ بہ لمحہ ایک عجیب کیفیت اتر رہی تھی، ایک ایسی کیفیت جسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا بیان ممکن نہیں۔ میری سوچوں پر تاریخ کے دریچے کھل کر مجھ پر طویل صدیوں کو منکشف کر رہے تھے۔

مصلی رسول ﷺ محراب نبوی ﷺ کے درمیان جانب غرب واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ، اور آپ ﷺ کے خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں یہ محراب نہیں تھی۔ اموی حکمران ولید

بن عبدالملک کے عہد میں عمر ابن عبدالعزیز نے پہلی بار اسے بنوایا جبکہ موجودہ محراب اشرف قایتبائی کی تجدید و توسیع کردہ ہے۔ مصلی رسول مقبول ﷺ محراب نبوی ﷺ کے درمیان سے بائیں جانب اور منبر شریف سے چھ میٹر دور ہے۔ یہاں "ہذا مصلی النبی علیہ السلام" کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ یہاں لوگ آتے ہیں اور قطار میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں۔ باری آنے پر دو رکعت نماز نفل ادا کر کے ان سعادت مندوں میں اپنا نام شامل کروا لیتے ہیں جو سجدہ گاہِ رسول عربی ﷺ پر اپنی پیشانی کو رکھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حضرت محمد ﷺ کے سچے پیروکار ہونے کے عہد کی تجدید کرتے ہیں۔ یہاں پہنچتے پہنچتے انسان کے تصورات اسے ان لمحاتِ عظیم میں اڑا کر لے جاتے ہیں جب اسی جگہ میرے آقا ﷺ اور ان کے مٹھی بھر جانثار اپنے اقوال و اعمال سے اسلام کے شجر بے مثال کی آبیاری فرما رہے تھے۔ یہاں سر جھکاتے ہوئے ہر انسان کو عظمت کا ایک عجیب احساس سربلندی کی ایسی دولت عطا کرتا ہے جس کے سامنے دنیا کی ہر عظمت ہیچ ہے۔ مجھے تو یوں بھی محسوس ہوا کہ میرے سر پر کھجور کی چھڑیوں والی چھت کا سایہ ہے اور پوری مسجد میں نیم تاریکی کا عالم ہے۔ اس نیم تاریکی میں کچھ روشن روشن چہرے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ پھر ذہن کے پردے پر خوشبوؤں میں مہکا ہوا یہ منظر بھی ابھرا کہ کچھ لوگ نیم دائرے کی شکل میں تشریف فرما ہیں اور میرے آقا ﷺ ان سے انتہائی نرم اور دھیمے لہجے میں گفتگو فرما رہے ہیں، اسقدر دھیما لہجہ کہ آواز انہی چند حاضرین تک ہی پہنچ پاتی ہے۔ حاضرین کا انداز ادب ایسا ہے کہ سب سر جھکائے ہوئے ہیں اور کوئی شخص ذرا بھر بھی حرکت نہیں کر رہا۔ مجھے یوں لگا کہ کائنات ساکت ہے جس کے تحرک کی ڈور میرے آقا ﷺ کے دستِ مبارک میں ہے اور اس پُرنور گھڑی میں صرف آپ ﷺ کے لب مبارک نور کی آبشار بنے ہوئے ہیں جن سے روشنی کی مہکتی ہوئی کرنیں مکمل توازن، ترتیب اور انتہائی لطافت کے ساتھ برآمد ہوتی ہیں اور حاضرین کے دلوں کو روشن کر دیتی ہیں۔

میں انہی مناظر کی دولت بے بہا سے قلب و نظر کو منور و معطر کرتا ہوا اس جگہ آ پہنچا جہاں

سجدہ ریز ہو کر انسان ایک بے مثال راحت محسوس کرتا ہے۔ اس احساس نے کہ میرے بعد بھی لوگوں کا ایک طویل سلسلہ اسی سعادت کے حصول کا منتظر ہے میں نے مختصر ترین سورتوں کے ساتھ دو نفل ادا کیے اور غیر ضروری تاخیر کے بغیر اپنے بعد کے آنے والے دوست کے لیے جگہ خالی کر دی۔ میں چاہتا تھا کہ نماز عصر کے بعد حاضری کا شرف حاصل کروں تاکہ نماز مغرب تک درِ حضور ﷺ پر حاضر رہ کر ہدیہ درود وسلام کے علاوہ اپنی گزارشات پیش کرسکوں، اس لیے میں ایک ایسی جگہ آ گیا جہاں ادائیگی نماز کے لیے خاصی گنجائش موجود تھی۔ میں نے یہاں رب کائنات کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور نماز عصر کی اذان تک دعاؤں میں اس طرح مصروف رہا کہ وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ تو کہیں بھی پھیلائے جاسکتے ہیں اور بلاشبہ وہ انہیں دیکھتا بھی ہے لیکن خانہ کعبہ اور مسجد نبوی ﷺ میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلانے کی لذت ہی کچھ اور ہے۔ یوں تو رب قدیر و خبیر انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن ان دو مقامات پر وہ اس کے قرب کو نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ اس کی لذت کو بھی دل میں اترتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ میں اس لذت سے ایک لمحے کے لیے اس وقت باہر آیا جب نماز کے لیے اذان کی آواز بلند ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی میں سماعت اذان کی ایک الگ لذت سے ہمکنار ہو گیا۔ نماز ادا کر کے میں وہاں آ گیا جہاں مشتاقانِ دید کی ایک لمبی قطار آہستہ آہستہ روضہ ہادیٔ برحق کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میری زندگی کا یہ نہایت عجیب وقت تھا۔ دل پر بیک وقت دو کیفیات کا غلبہ تھا۔ پہلی یہ کہ میں خود کو بے حد خوش نصیب سمجھ رہا تھا۔ رسول امی ﷺ کی خدمت میں حاضری ایک ایسا اعزاز ہے جس کی مثال دنیا کے کسی اور اعزاز سے دی ہی نہیں جاسکتی۔ میرا ایمان ہے کہ اس دروازے پر صرف وہی حاضر ہوسکتا ہے جسے طلب فرمایا گیا ہو۔ ہم اپنے ارد گرد ان گنت لوگوں کو دیکھ سکتے ہیں کہ دولت مند اور صحت مند ہیں، ہر قسم کے وسائل رکھتے ہیں، انہیں کسی قسم کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں لیکن اس سعادتِ عظیم سے محروم ہیں۔ مجھے سفر حج کے دوران میں بتایا گیا کہ سعودی عرب ہی میں لاتعداد ایسے لوگ ہیں جو اس عزت سے محروم ہیں اور

ان کی بدنصیبی تو یہ ہے کہ وہ اسے اپنی بدنصیبی ہی نہیں سمجھتے اور اس سعادت کے حصول کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں۔ میرے خیال میں یہ نقطۂ نظر اور مقدر کا معاملہ ہے۔ ایسی دولت کا بھی کیا کرنا جو بینکوں اور تجوریوں میں پڑی سڑ رہی ہے لیکن اس مقصد عظیم کے لیے اسے خرچ کرنے کو جی نہیں چاہ رہا۔ اس وقت پر بھی لعنت ہے جو دنیا کے سبھی کاموں پر تو صرف ہو رہا ہے لیکن حج اور روضہ اقدس پر حاضری کے لیے میسر نہیں۔ قطار میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دوسری کیفیت جو مجھ پر طاری تھی وہ وہی تھی جو خانہ کعبہ میں حاضری کے وقت مجھ پر طاری ہوئی تھی۔ لب پر ہر چند درود کے الفاظ تھے لیکن دل کی تیز تیز دھڑکنیں مجھ سے بار بار پوچھ رہی تھیں کہ کس منہ سے اس ذات عظیم کے سامنے جاؤ گے جن کا درجہ بعد از خدا کا ہے۔ میری آنکھیں، میرا ذہن، میرے پاؤں، میرے ہاتھ غرض میرے جسم کا ایک ایک عضو مجھے ایک گونہ ندامت سے ہمکنار کر رہا تھا کہ تم نے زندگی بھر اپنے آپ اور ہمیں ایسے کاموں میں لگائے رکھا جن کی یاد بھی ندامت کے سمندر میں دھکیل دیتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا ہر عضو مجھے کہہ رہا ہے کہ کاش آج آقائے نامدار ﷺ کے سامنے جاتے ہوئے ہم تمہاری نیکیوں کی گواہی دیتے لیکن یہاں تو معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ میں نے ندامت کی اس کیفیت میں رسول عربی ﷺ سے اپنی محبت کو اپنا امام بنایا اور اس کا دامن تھامے درود پڑھتے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔ پہلے میری آنکھوں میں نمی پھیلی، پھر وہ پر ہو گئیں اور پھر ان سے آنسو ٹپکنے لگے۔ روضہ اقدس جیسے جیسے قریب آتا گیا میرے آنسوؤں کی رفتار اور مقدار میں ویسے ویسے اضافہ ہوتا گیا۔ ایک وقت وہ آیا کہ روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی۔ اب میں روضہ اقدس کے بالکل نزدیک آ گیا تھا۔ مقصورہ شریف کے سامنے آ کر میری گردن خود بخود جھک گئی۔ دل نے دھڑک کر بآواز بلند کہا "حدِ ادب! اب تم وہاں سے گزر رہے ہو جہاں کی مٹی عرش کے بعد سب سے زیادہ معتبر و متبرک ہے۔ جہاں محسن انسانیت، مالک دو جہاں، فخر انبیاء و مرسلین رحمۃ للعالمین آرام فرما ہیں اور ان کے ساتھ سیدنا ابوبکرؓ و سیدنا عمرؓ موجود ہیں اور جو جگہ خالی پڑی ہے ایک روایت کے مطابق یہاں حضرت عیسیٰ کو دفن کیا جائے گا۔" یہاں

آ کر دل اور آنکھوں کے تقاضے مختلف ہو گئے۔ آنکھیں جی بھر کر قبرِ اقدس کو دیکھنا چاہتی تھیں اور خود میں اس منظرِ عظیم کی برکتیں اور ٹھنڈک کو محفوظ کرنا چاہتی تھیں لیکن دل کہ عالمِ خوف میں مبتلا تھا، دھڑک دھڑک کر مطلع کر رہا تھا کہ شعوری یا لاشعوری طور پر کوئی ایسا عمل نہ ہو جائے کہ آپ ﷺ سے عمر بھر کی محبت بھی اس داغ کو نہ دھو سکے۔ چند لمحے اس کشمکش میں گزرے ہوں گے کہ دل نے آنکھوں کی بے اندازہ بے قراری پر ترس کھاتے ہوئے انہیں اجازت دے دی کہ اس انسانِ کامل کی قبرِ مبارک کی زیارت کر لیں لیکن ادب کے سبھی تقاضوں کا مکمل احساس رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ دل نے یہ اجازت دے کر آنکھوں پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ خود اس کی تشنگی کو بجھانے کا سامان بھی تو آنکھوں ہی کے راستے اس تک پہنچنا تھا، اس لیے اس نے بروقت اجازت دے کر نہ صرف آنکھوں بلکہ اپنے لیے بھی اطمینان اور ٹھنڈک کا موقع پیدا کیا۔

میں نے نہایت احترام سے آنکھیں اٹھا کر اس طرف دیکھا جہاں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے دو معتمد ساتھی آرام فرما ہیں۔ میری زبان پر خود بخود درود و سلام کے الفاظ جاری ہو گئے۔ یوں لگا کہ سکون کی ایک دولت بے بہا آنکھوں کے راستے دل کی گہرائیوں میں اتر کر محفوظ ہونے لگی ہے۔ میں ایک عجیب لذت سے فیض یاب ہو رہا تھا۔ ایک ایسی لذت کہ جس نے میرے جسم کو سبھی آلائشوں، سبھی دکھوں، سبھی پریشانیوں اور سبھی سیاہیوں سے پاک کر دیا تھا۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر پشت قبلے کی طرف کر کے ایک ایسی جگہ آن کھڑا ہوا جہاں اور بھی بہت سے لوگ حضوری کی برکتوں کو سمیٹ رہے تھے۔ یہاں سے مجھے قبرِ مبارک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے پہلے اپنے آقا ﷺ حضرت محمد ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ہدیہ درود و سلام پیش کیا، اپنے دوستوں اور عزیزوں کے پیغامات پیش خدمت کیے اور پھر اپنی درخواستوں کی جانب متوجہ ہوا۔ مجھے سورۃ النساء کا وہ حصہ یاد آیا۔

> ''اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے
> تھے تو تمہارے پاس آ جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی

ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔"

اے آقا ﷺ! آپ ﷺ منبع و مصدر علم، میں جاہل مطلق، آپ ﷺ صاحب جودوکرم، میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا، آپ ﷺ سرتاپا روشنی اور میں تاریکیوں میں ڈوبا ہوا انسان، آج میں آپ ﷺ کے دروازے پر اپنی جھولی پسارے کھڑا ہوں۔ یارسول اللہ! آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، میں آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی رحمتوں کی بھیک مانگتا ہوں۔ میں دنیا کا سب سے بڑا گنہگار ہوں۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے آپ ﷺ سے نہایت عاجزی کے ساتھ شفاعت کی درخواست کرتا ہوں، میں اپنے لیے، اپنے ماں باپ، اپنی اولاد، اپنے اہل خاندان، اپنے دوستوں۔۔۔۔۔۔۔۔"

میں درخواستیں پیش کرتا رہا اور مجھے یقین ہے کہ میرا ایک ایک لفظ آپ ﷺ کے حضور پیش ہو کر آپ ﷺ کو میری جانب متوجہ کرتا رہا لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ آج مجھے احساس ہو رہا تھا کہ آپ ﷺ کی ذات مبارک اور اس سے وابستہ سخاوتوں کی وسعت لامحدود اور ہماری درخواستیں لاتعداد ہونے کے باوجود اس کے سامنے ایک سمندر اور قطرے کی نسبت سے بھی بے حد کم ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں درخواست پیش کرتا ہوں، آپ ﷺ تبسم فرما کر اپنے سر اقدس کو خفیف سی اثباتی جنبش دے کر قبولیت سے شرف یاب فرماتے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ مدینہ کیا ہے؟ دل نے فوراً جواب دیا، مدینہ محمد ﷺ سے ہے، اگر آپ ﷺ کی یہاں آمد نہ ہوتی تو اس کی کیا حیثیت ہوتی؟ ذہن نے ایک اور سوال کیا، کائنات کیا ہے؟ دل نے جواب دیا کہ کائنات بھی کچھ نہیں۔ یہاں میرے آقا ﷺ کی ذات والا صفات تشریف نہ لاتی تو اس کی تخلیق بھی بے معنی ہو کر رہ جاتی۔ اس انسان کامل کے ہی طفیل یہاں روشنیوں اور خوشبوؤں کا سفر شروع ہوا اور یہ عمل ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ تاریخ کا دروازہ کھلا۔ میری آنکھوں میں حروف ایسے تیرنے لگے جیسے سمندر میں کشتیاں تیرتی ہے۔ ۶۵۵ھ، (۱۲۶۳ء) کا واقعہ ہے کہ عیسائیوں نے میرے آقا ﷺ کے

جسد مبارک کو قبر مبارک سے نکال کر مدینہ منورہ سے کہیں اور منتقل کرنے کی ناپاک سازش کی۔ انہوں نے دو آدمیوں کو اس ناپاک کام کے لیے مراکشیوں کے بھیس میں بہت زیادہ دولت دے کر بھیجا جنہوں نے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں اور غریبوں کو باقاعدگی سے کھانا کھلانا شروع کر دیا۔ وہ روضہ مبارک پر باقاعدگی سے حاضر ہوتے اور جنت البقیع میں روزانہ اصحابؓ اور تابعین کی قبور کی زیارت کو جاتے۔ اپنا مکمل اعتبار قائم کرنے کے بعد انہوں نے اپنے مکان کے اندر سے ایک سرنگ کھودنا شروع کی۔ منصوبے کے مطابق اس سرنگ کو حجرۂ اطہر تک پہنچانا تھا۔ سرنگ سے جو مٹی نکلتی وہ اسے یا تو اپنے مکان میں واقع کنویں میں ڈال دیتے یا پھر اسے مشکوں میں بھر کر جنت البقیع میں ڈال آتے۔ انہوں نے اپنا منصوبہ اس خوبی سے تیار کیا تھا کہ جس کی کامیابی کے مکمل امکانات تھے لیکن وہ یہ بھول گئے تھے کہ وہ اپنے مکروہ منصوبے کو کس ذات پر آزما رہے ہیں۔ جب وہ اپنے کام کو کافی حد تک آگے بڑھا چکے تو ایک رات سلطان نورالدین زنگی نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ ﷺ سنہری بالوں والے دو آدمیوں کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئے "اے محمود! مجھے ان دونوں سے بچا۔"

نورالدین زنگی گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ وہ اس خواب سے بے حد پریشان ہوئے۔ انہوں نے نماز ادا کی اور پھر سو گئے لیکن جب وہ سوئے تو انہیں دوبارہ یہی خواب نظر آیا۔ جب سونے پر انہیں تیسری بار بھی یہی خواب نظر آیا تو انہوں نے اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو جو نہایت نیک اور دانشمند انسان تھا طلب کیا اور اسے اپنا خواب سنایا۔ وزیر سے مشورے کے بعد انہوں نے ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل ایک بہت بڑا قافلہ فوری طور پر ترتیب دیا اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ قافلے نے شام سے مدینے تک کا یہ سفر سولہ دنوں میں طے کیا۔

مدینہ منورہ پہنچ کر سلطان نے دوگانہ ادا کیا اور فوری طور پر ان دونوں آدمیوں کی تلاش کے لیے وزیر کے ترتیب دیئے ہوئے منصوبے پر عمل شروع کر دیا۔ سلطان نے پروگرام کے مطابق مدینہ منورہ کے سبھی لوگوں کو یہ کہہ کر بلایا کہ امیر لوگ تو غریبوں اور محتاجوں کے بارے میں

معلومات فراہم کریں جبکہ غریب اور محتاج لوگ حسب ضرورت خیرات لے لیں۔ مدینے کے بھی لوگ حاضر ہو گئے لیکن وہی دو مراکشی حاضر نہ ہوئے۔ جب سلطان نے یہ سوال کیا کہ مدینہ منورہ کا کوئی آدمی رہ تو نہیں گیا تو انہیں بتایا گیا کہ صرف دو مراکشی نہیں آئے۔ وہ خود امیر ہیں اس لیے انہیں نہ تو خیرات کی ضرورت ہے اور نہ ہی وہ خود کو کسی قسم کی معلومات فراہم کے قابل سمجھتے ہیں۔ سلطان نے انہیں طلب کیا۔ جب وہ سامنے آئے تو سلطان انہیں فوراً پہچان گئے۔ انہوں نے مراکشیوں سے مدینہ منورہ آنے کی غایت پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ وہ حج و زیارات کے سفر پر ہیں اور مدینہ منورہ میں ایک ماہ تک قیام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سلطان نے ان دونوں کو اپنے آدمیوں کے حوالے کیا اور کچھ آدمی لے کر خود ان کے مکان کی تلاشی کے لیے چلے گئے۔ سلطان کو ان کے مکان سے سوائے دولت کے اور کچھ نہ ملا۔ عین اس لمحے جب وہ مایوس ہو کر لوٹنے والے تھے، سلطان کا پاؤں دری کے نیچے پڑے ہوئے ایک تختے سے ٹکرایا۔ جب تختے کو ہٹایا گیا تو وہاں ایک سرنگ نظر آئی جو مسجد نبوی ﷺ کی دیوار کے نیچے سے کھودی گئی تھی اور جو حجرۂ مبارک کی طرف جا رہی تھی۔ جب ان لوگوں سے ان کے ارادے کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ سلطان نے ان پر کوڑے برسانے کا حکم دے دیا۔ چند کوڑے ہی پڑے تھے کہ انہوں نے سچ اگل دیا۔ انہوں نے اقرار کیا کہ وہ دونوں عیسائی ہیں جنہیں ان کے بادشاہ نے کثیر رقم دے کر یہاں اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ حجرۂ مبارک سے نبی اکرم ﷺ کا جسد اطہر نکال کر کسی طرح اس کے پاس لے آئیں۔ دونوں کا جرم ثابت ہونے پر انہیں فوری طور پر سزائے موت دے دی گئی اور ان کی نعشوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مشہور مورخین جمال الدین الاسنوی، جمال الدین المطری، سید سمہودی اور سید برزنجی نے لکھا ہے کہ سلطان نورالدین زنگی نے حجرۂ مبارک کے چاروں طرف ایک خندق کھدوائی اور خندق کے اندر سیسہ پگھلوا کر بھروا دیا تا کہ آئندہ کوئی شخص دیواریں توڑ کر اندر داخل ہونے کی کوشش نہ کر سکے۔

السمہودی نے اپنی کتاب خلاصۃ الوفا میں ابن النجار کی تاریخ بغداد سے جو ایک چونکا دینے والا واقعہ نقل کیا ہے اس کے الفاظ بھی میری نظروں میں تیرنے لگے۔ ابن النجار کے مطابق بعض زندیقوں نے والئی مصر سلطان العبیدی کو مشورہ دیا کہ نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اجسادِ مطہرہ کو اگر مدینہ منورہ سے مصر میں منتقل کر دیا جائے تو دنیا بھر سے لوگ زیارت کے لیے مصر آنے لگیں گے۔ العبیدی نے اس کام کے لیے خفیہ طور پر ابوالفتح نامی ایک شخص کو مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ حالات اور اس منصوبے کے قابلِ عمل ہونے کا جائزہ لے لیکن اہلِ مدینہ کو اس سازش کا پتا چل گیا۔ وہ ابوالفتح اور اس کے معاونین کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن وہ قتل ہونے سے بچ گئے۔

السمہودی ہی نے خادمِ مسجدِ نبوی ﷺ شمس الدین صواب اللمطی کا ایک بیان تحریر کیا ہے کہ شام کے شہر حلب سے کچھ لوگ مدینہ آئے اور امیرِ مدینہ کو ایک خطیر رقم دے کر حجرۂ مطہرہ کو کھولنے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اجسادِ مبارک نکالنے کی اجازت چاہی۔ وہ اسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے جس سے امیرِ مدینہ کا تعلق تھا۔ امیرِ مدینہ نے خادمِ مسجدِ نبوی ﷺ کو حجرۂ مبارک کے دروازے کھول دینے کے احکام جاری کر دیے۔ ان لوگوں نے حجرۂ اقدس میں داخل ہو کر اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے اقدامات شروع کیے ہی تھے کہ ایک تودے کے نیچے آ کر جان گنوا بیٹھے۔ خادمِ مسجدِ نبوی ﷺ کو جب اس سازش کا علم ہوا تو انہیں دروازے کھولنے کا بے حد دکھ ہوا۔

میری آنکھوں میں تاریخ کے جب یہ صفحے گردش کر رہے تھے تو میرا یہ یقین اور پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ میں آپ ﷺ کے حضور حاضر ہو کر جو درخواستیں اپنے آنسوؤں کی لڑی میں پرو کر پیش کر رہا ہوں، ان پر یقیناً فوری توجہ عطا کی جا رہی ہے۔ آپ ﷺ میرے علاوہ اپنے حضور حاضر ہونے والے سبھی لوگوں کو اپنے کرم اور رحمتوں کی بارش سے سیراب فرما رہے ہیں اور آپ ﷺ کے دونوں عظیم اور آپ ﷺ پر جاں نچھاور کر دینے والے اصحاب آپ ﷺ کے سامنے ادب سے

بیٹھے ہر سوالی کی مرادیں پوری ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

میں دعا مانگتا ہوں، ایک دعا ختم ہوتی ہے تو ہدیہ درود و سلام پیش کرتا ہوں، پھر دوسری دعا مانگتا ہوں، آپ ﷺ کی خدمت میں وہ پیغامات پیش کرتا ہوں جو روانگی کے وقت میرے سپرد ہوئے تھے، پھر ہدیہ درود و سلام پیش کرتا ہوں۔ اس دوران تاریخ سے مختلف واقعات در دل پر دستک دینے لگتے ہیں۔ یہ خیال بھی ذہن میں خوشبو کی طرح مہک رہا ہے کہ میں اپنی زندگی کے عظیم ترین لمحات کے خوشبو بھرے حصار میں ہوں اور اس وقت اس ہستی کے حضور حاضر ہوں جو آسمان کے دروازوں کے کھلنے تک کی آواز سننے پر قادر ہے۔ میری پشت پر وہی کھڑکی ہے، جس کے راستے جبرائیل آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مجھے یوں لگا کہ صحابہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

''میں جو دیکھتا ہوں، تم نہیں دیکھ سکتے اور میں جو سنتا ہوں، تم نہیں سن سکتے۔ میں تو آسمان کی آواز بھی سن لیتا ہوں۔''

حضرت جبرائیل آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ آپ ﷺ نے اچانک اوپر کی طرف سے آواز سنی۔ سر مبارک اٹھایا تو جبرائیل نے عرض کی۔

''یا رسول اللہ ﷺ! یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج ہی کھلا ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔''

جو ذات عظیم ﷺ آسمان کے دروازوں کے کھلنے کی آواز کو سن لینے پر قادر ہے، وہ ہم فقیروں اور اپنے دروازے پر حاضر گداؤں کی آوازوں کو کیوں نہیں سن رہی ہوگی۔ مجھے حضرت ابن عباس کی وہ روایت یاد آئی کہ آپ ﷺ اندھیری رات میں بھی روز روشن کی طرح دیکھتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا۔

''کیا تم یہاں میرا قبلہ رو ہونا دیکھتے ہو؟ خدا کی قسم! مجھ سے تمہارا خشوع و خضوع اور رکوع و سجود ہرگز مخفی نہیں۔ میں تم کو اپنی پیٹھ پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔''

مجھے یاد آیا کہ جب آپ ﷺ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ سے خانہ کعبہ کو دیکھا۔ شب معراج کی صبح جب قریش نے آپ ﷺ سے بیت المقدس کا حال دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر ہی اس کا حال بیان فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت جعفر طیارؓ کو شہادت کے بعد جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا، غزوہء احزاب میں خندق کی کھدائی کرتے ہوئے شام کے سرخ محلات، کسریٰ کے سفید محل اور صنعا کے دروازوں کو دیکھا، جنگِ موتہ میں جب حضرت زیدؓ بن حارث، حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ یکے بعد دیگرے بڑی بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو میرے آقا ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے ہوئے ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے نہ صرف دیکھا بلکہ ہو بہو بیان بھی فرمایا۔ میں آج اسی ہستی کے حضور حاضر ہوں۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ مجھ فقیر و حقیر کو نظر کرم دیکھ رہے ہیں اور میرے آنسوؤں کا ہدیہ نہ صرف قبول فرما رہے ہیں بلکہ میری دیوانہ وار محبت کے صدقے مجھے اپنے کرم اور عطا کا مستحق بھی سمجھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری آپ ﷺ ہی کی منظوری سے مشروط ہے۔ وہ جسے آپ ﷺ نے خود طلب فرمایا ہو، اس پر آپ ﷺ کی رحمتوں، نوازشوں اور شفقتوں کے دروازے کیوں نہ کھلیں۔ مجھے یاد آیا کہ آپ ﷺ کی ذات تو وہ ذات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایسی ایسی فضیلتیں عطا فرمائیں کہ جن کا دوسرے کے لیے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ﷺ کو سب نبیوں سے پہلے پیدا کیا گیا لیکن سب سے آخر میں مبعوث فرمایا گیا۔ آپ ﷺ کو عالمِ ارواح میں نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں نے حضور کی روح انور سے استفاضہ کیا۔ یوم الست میں جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں سے استفسار فرمایا ''الست بربکم'' (کیا میں تمہارا رب ہوں؟) تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے ''بلیٰ'' (ہاں) کہا تھا۔ آپ ﷺ باعث تخلیق کائنات ہیں۔ آپ ﷺ کا اسم مبارک عرش پر جگہ جگہ لکھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کا اسم مبارک اسم الٰہی سے مشتق ہے، آپ ﷺ کے لیے بار بار بہشت سے طعام آیا، آپ ﷺ کے

لیے پتھر تک نرم ہو جاتے، آپ ﷺ کا دل عالم خواب میں بھی بیدار رہتا، آپ ﷺ کے جسم مبارک سے ہمیشہ ایسی خوشبو آتی جس کی کوئی مثال بھی نہیں دی جاسکتی، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لیے تمام روئے زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا گیا یعنی جہاں نماز کا وقت ہو جائے آپ ﷺ کی امت وہیں سجدہ ریز ہو سکتی ہے جبکہ دوسری امتوں کی عبادات ان کی عبادت گاہوں تک ہی محدود ہیں، آپ ﷺ کو شجر و حجر سلام عقیدت پیش کرتے ہیں، آپ ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی رسالت کی قسم کھائی ہے، آپ ﷺ کے جسدِ مبارک کو قبر شریف میں مٹی نہیں کھا سکتی اور آپ ﷺ کا جسدِ مبارک قبر شریف میں بہ تمام و کمال تا قیامت محفوظ ہے، آپ ﷺ کا جسم مبارک زمین کے جس حصے سے مس ہو رہا ہے وہ یقیناً کائنات میں سب سے معتبر و عظیم ترین مرتبے کی حامل جگہ ہے، آپ ﷺ کی نماز جنازہ بغیر امامت کے پڑھی گئی اور آپ ﷺ ہر روز اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔ کائنات کی اس عظیم ترین ہستی کے سامنے حاضری کے وقت یہ گمان کیونکر کیا جاسکتا ہے کہ حاضر ہونے والے کے لبوں سے نکلے ہوئے الفاظ آپ ﷺ تک نہیں پہنچ رہے ہوں گے یا پھر اس کی دل کی کیفیت آپ ﷺ پر واضح نہیں ہوگی اور عقیدت بھرے آنسوؤں کی مالاؤں کے ذریعے آپ ﷺ تک پیغام محبت نہیں پہنچ رہا ہوگا۔ جو ذات دنیا سے پردہ فرمانے کے سالہا سال بعد نورالدین زنگی کو روضہ اقدس کی حفاظت کے لیے شام سے طلب کر سکتی ہے، وہ ذات اپنی درگاہ پر حاضر ہونے والوں کی دلی کیفیات سے کیونکر بے خبر ہو سکتی ہے۔ میرے ذہن میں اچانک فتح مکہ کے دوران رونما ہونے والا ایک واقعہ آیا۔ آپ ﷺ نے اہل مکہ کے لیے عام معافی کے اعلان کے بعد حضرت بلالؓ کو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کے لیے کہا۔ اس وقت ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے، اذان کی آواز سن کر عتاب بولا۔

''خدا نے اسید کو یہ عزت بخشی کہ اس نے یہ آواز نہ سنی ورنہ اسے رنج ہوتا'' یہ بات سن

کر حارث بولا۔

"خدا کی قسم! اگر یہ حق ہوتا تو میں اس کی پیروی کرتا۔"

ابوسفیان نے کہا۔

"میں تو کچھ نہیں کہتا، اگر کہوں تو یہ کنکریاں ان ﷺ کو میری بات کی خبر کر دیں گی۔"

تھوڑی ہی دیر بعد نبی اکرم ﷺ اس طرف تشریف لے آئے۔ انہیں دیکھتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا۔

"تم سب کی باتیں مجھے معلوم ہو گئیں۔ عتاب نے کہا کہ خدا نے اسید کو عزت بخشی کہ اس نے یہ آواز نہ سنی ورنہ اسے رنج ہوتا، حارث نے کہا کہ خدا کی قسم! اگر یہ حق ہوتا تو میں اس کی پیروی کرتا اور ابوسفیان نے کہا کہ میں تو کچھ نہیں کہتا، اگر کہوں تو یہ کنکریاں ان ﷺ کو میری بات کی خبر کر دیں گی۔"

حارث اور عتاب یہ سنتے ہی کہنے لگے۔

"ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ان باتوں کی اطلاع ہمارے سوا کسی کو نہیں تھی ورنہ ہم سمجھ سکتے تھے کہ آپ ﷺ کو یہ باتیں اس نے بتائی ہوں گی"۔ یہ اور اسی قسم کے ان گنت واقعات نے مجھ جیسے لوگوں کے آپ ﷺ کی ذات پر گہرے اعتماد کو اپنے حصار میں لے رکھا ہے، ایک ایسے حصار میں کہ جسے کوئی وہم، کوئی بداعتمادی، کوئی وسوسہ اور کوئی بے یقینی توڑ یا متزلزل نہیں کر سکتی۔

میں نے اس قلیل وقت میں وہاں کھڑے کھڑے نہ جانے کتنی صدیوں کا سفر طے کر لیا۔ میں اپنے اردگرد سے بالکل بے خبر اپنی درخواستیں اور ہدیہ، سلام و درود آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بصد ادب و نیاز پیش کر رہا تھا اور میری محبت مجسم ہو کر آنکھوں کے راستے مسلسل آپ ﷺ کے قدموں پر نچھاور ہو رہی تھی کہ میرے ہاتھ پر ایک عرب نوجوان کے بوسے کالمس مجھے اس بے مثال لطیف کیفیت سے باہر لے آیا۔ وہ مجھے بے حد عقیدت سے دیکھ رہا تھا۔

جب میں نے جواباً اس کا ہاتھ چومنا چاہا تو اس نے مسکرا کر اسے پیچھے کھینچ لیا۔ میں نے آنسوؤں میں ڈوبی آنکھوں سے اسے محبت سے دیکھا تو وہ مسکرانے لگا اور اشارے سے مجھے اسی عالم انہماک میں لوٹ جانے کا مشورہ دیتے ہوئے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے ایک بار پھر ہدیہ سلام و درود پیش کیا اور اب عالم تصور میں اپنے آقا ﷺ کے حضور حاضر سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ کی خدمت میں ہدیہ خلوص پیش کرنے لگا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی موجودگی میں قلب و نظر کسی اور کی طرف متوجہ ہوں، یہ بہت مشکل نظر آتا ہے لیکن یہ بھی تو آپ ﷺ کے پیارے ہیں، جانثار ہیں اور انہوں نے اپنا مال، اپنی اولاد اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ آپ ﷺ ہی پر قربان کرنے کے لیے وقف رکھا۔ یہ آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ انؓ سے محبت فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد یہ ہمارے سردار و آقا ہیں۔ آپ ﷺ کی نسبت سے ہم ان کے قدموں کی دھول کو اپنے لیے باعث عزت سمجھتے ہیں۔ سیدنا ابوبکرؓ! آپؓ کو میرا عاجزی و انکساری میں ڈوبا ہوا سلام۔ اے میرے سردار! آپؓ ہی میرے پیارے رسول ﷺ کے خلیفہ اول ہیں، آپؓ میرے آقا ﷺ کے ہجرت کے ساتھی اور یار غار ہیں، آپؓ ہی وہ عظیم انسان ہیں جو میرے آقا ﷺ پر آزاد مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے، آپؓ نے حق دوستی یوں ادا فرمایا کہ نہ تو زندگی بھر رسول اللہ ﷺ سے جدا ہوئے اور نہ ہی پردہ فرمانے پر آپ ﷺ کی جدائی گوارا کر سکے۔ اس وقت بھی آپؓ میرے آقا ﷺ کے حضور میں حاضر ہیں۔ آپؓ میرے آقا ﷺ کی ان زوجہ مطہرہ اور ام المومنینؓ کے والد ہیں جن کے حجرے میں میرے آقا ﷺ نے اپنی دنیاوی زندگی کا آخری وقت بسر فرمایا اور دفن بھی وہیں ہوئے۔ آپؓ عالموں کے سربراہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور قرآن کی مکمل طور پر پیروی کرنے والے ہیں۔ آپؓ پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

اس کے بعد میں نے سیدنا عمرؓ ابن خطاب کے حضور ہدیہ سلام پیش کیا۔ اے عمرؓ ابن خطاب! آپؓ تک میرا سلام عقیدت پہنچے۔ آپؓ کی ذات وہ عظیم ذات ہے جس کی طلب خود

میرے رسول ﷺ نے فرمائی۔ آپؓ کفر و اسلام میں فرق پیدا فرما کر ہی فاروق گردانے گئے۔ آپؓ انصاف فرمانے والے، غریبوں، یتیموں، بیواؤں، فقیروں اور ضعیفوں کی مدد فرمانے والے، ہمارے سردار، خلیفہ دوم اور نبی اکرم ﷺ کے خسر ہیں۔ آپؓ کا جنت میں ٹھکانا ہو، آپؓ پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

میں مواجہ شریف و مقصورہ شریف کے سامنے ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں سے مجھے اپنے آقا ﷺ اور آپ ﷺ کے ان دونوں وزیروں اور معتمد ترین ساتھیوں کی قبور مبارک بیک وقت نظر آ رہی تھیں۔ میں سوچنے لگا کہ رفاقت ہو تو ایسی کہ جو نہ تو زندگی میں کبھی ٹوٹی اور نہ ہی پردہ فرمانے کے بعد، عزت ہو تو ایسی کہ جو دنیا کے کسی اور شخص کو نہ مل سکی، محبت ہو تو ایسی کہ جو ضرب المثل بن گئی، وفا ہو تو ایسی کہ جو شک سے ماوراء، قربانی ہو تو ایسی کہ تن، من، دھن سب کچھ قربان، پیروی ہو تو ایسی کہ جس میں سوال کی کہیں گنجائش نہیں، آپ ﷺ نے جو فرمایا، درست، جو کیا، درست اور جو سنا، درست۔ یہی سوچتے سوچتے میرا ذہن سیدنا ابوبکرؓ کے بارے میں اپنی معلومات کے خاص خاص حصے جمع کرنے لگا۔ سیدنا ابوبکرؓ سفر شام سے جب مکہ معظمہ واپس پہنچے تو قریش کے سردار ابوجہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ سے ملنے گئے۔ انہوں نے آپؓ کو دیکھتے ہی کہا کہ تمہارے دوست نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ہم تمہارے ہی انتظار میں تھے کہ تم آؤ تو اس سے نمٹنے کی کوئی ترکیب کریں۔ آپؓ وہاں سے سیدھے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بعثت کے بارے میں سوال کیا اور اسی وقت اسلام قبول فرمایا۔

زمانہ جاہلیت کے عبدالکعبہ حالتِ کفر میں بھی نہایت سخی تھے۔ جس قدر آمدنی ہوتی غربا و مساکین کو کھلا دیتے۔ بعد از قبول اسلام کسی نے آپؓ سے دریافت کیا "اے ابوبکرؓ! کیا تم نے جاہلیت میں شراب پی تھی؟" آپؓ نے فرمایا "میں ہمیشہ اپنی عزت اور انسانیت کی حفاظت کرتا رہا ہوں۔ جس نے شراب پی گویا اس نے اپنی عزت اور انسانیت کو ضائع کر دیا۔"

ایک دفعہ انصار و مہاجرین جمع تھے۔ آپؓ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا "یا رسول اللہ

ﷺ! بخدا میں نے جاہلیت میں بھی کبھی بت کو سجدہ نہ کیا بلکہ موقع پا کر ان کو توڑ دیتا تھا۔"

نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے، میں نے جسے اسلام کی دعوت دی تو اس میں اس کی طرف سے ایک گونہ کراہت، تردد اور فکر پائی لیکن ابوبکرؓ سے جب میں نے اسلام کا ذکر کیا تو انہوں نے بلا توقف و تردد اسے قبول کیا۔ میں نے کہا کہ اے لوگو! میں تم سب کے پاس اللہ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں، تم نے کہا، جھوٹ، ابوبکر نے کہا سچ ہے۔

عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ کون محبوب ہے، فرمایا، عائشہؓ۔ میں نے کہا مردوں میں، فرمایا ابوبکرؓ، پھر عرض کی ان کے بعد، فرمایا عمرؓ ابن الخطاب۔

نبی اکرم ﷺ کے یہ جواب یاد آتے ہی میں نے ایک بار درود پڑھا اور پھر سوچنے لگا، آج میں جہاں حاضر ہوں، یہ جوابات ان کی عملی صورت ہے۔ میرے سامنے آپ ﷺ کی قبر مبارک ہے، آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکرؓ اور انؓ کے بعد سیدنا عمرؓ ابن الخطاب آرام فرما ہیں۔ پھر یاد آیا کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

"کوئی نبی ایسا نہیں کہ جس کے دو وزیر اہل آسمان سے اور دو وزیر اہل زمین میں سے ہوں۔ میرے دو وزیر جبرئیل اور میکائیل آسمان والوں سے اور ابوبکرؓ و عمرؓ اہل زمین میں سے ہیں۔" آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے میری قبر کشادہ ہوگی۔ اس کے بعد ابوبکرؓ کی اور پھر عمرؓ کی۔ جنت میں سب سے پہلے میں اور پھر امت میں سب سے پہلے ابوبکرؓ داخل ہوں گے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ ہم نے نہ دے دیا ہو مگر ابوبکرؓ کہ ان کا جو احسان ہمارے ذمہ ہے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دے گا۔ کسی کے مال نے وہ نفع ہمیں نہیں دیا جو ابوبکرؓ کے مال نے دیا۔

السلام علیک یا سیدنا ابا بکرؓ! السلام علیک یا افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق! آپ کا

کردار ہمارے لیے مشعل راہ کا درجہ رکھتا ہے۔آپؓ نے آقائے نامدار ﷺ کے احکام کی تعمیل میں جو طرزِ عمل اختیار فرمایا، وقت نے ثابت کیا کہ وہی طرزِ عمل وقت کی ضرورت تھی۔ حضرت اسامہؓ کے سالارِ لشکر مقرر کرنے کے خلاف جب حضرت عمرؓ نے آپؓ کو انصار کا پیغام سنایا تو آپؓ نے غصے میں بیتاب ہو کر پیغام بھجوانے والوں کے لیے فرمایا۔

''تم کو موت ہو، رسول اللہ ﷺ نے اسامہ کو امیر لشکر بنایا، تم مجھ کو ہدایت کرتے ہو کہ میں اسے معزول کر دوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر مجھ کو یہ گمان بھی ہوتا کہ درندے مجھ کو اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی بہ تعمیل حکم رسول اللہ ﷺ اسامہ کا لشکر ضرور بھیجتا۔ اگر بستیوں میں سوائے میرے ایک متنفس بھی باقی نہ رہتا تو بھی روانگی کا حکم ضرور دیتا۔''

اے امیر المومنین! آپؓ نے لشکر کی روانگی کے وقت اسے جو ہدایات دی تھیں، انہیں تاریخ کے صفحات سے کون مٹا سکتا ہے؟ آپؓ نے فرمایا تھا، خیانت نہ کرنا، دھوکا نہ دینا، سردار کی نافرمانی مت کرنا، کسی شخص کے اعضا مت کاٹنا، کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل مت کرنا، کھجور یا کسی اور میوہ دار درخت کو نہ تو کاٹنا اور نہ ہی جلانا، بکری، گائے یا اونٹ کو سوائے غذا کی ضرورت کے مت مارنا، تم کو اگر ایسے لوگ ملیں جو عبادت گاہوں میں گوشہ گیر ہوں تو ان کو ان کے حال ہی پر رہنے دینا، تمہارے پاس ایسے آدمی آئیں جو تمہارے لیے قسم قسم کے کھانے لائیں تو کھاتے ہوئے یکے بعد دیگرے خدا کا نام لیتے جانا یعنی خدا کو ہر دم یاد رکھنا اور تم کو ایک ایسی قوم ملے گی جس کے سر کے بال بیچ میں سے منڈے ہوئے ہوں گے اور پٹے چھوٹے ہوں گے، ان کو تازیانے کی سزا دینا۔ اب تم خدا کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔ خدا تمہیں دشمن کے حربے اور ظالموں کے حملے سے محفوظ رکھے۔

اے میرے سردار! مجھے آپؓ کا وہ جواب بھی یاد آ رہا ہے جو آپؓ نے مرتدین کے رہنما وفد کے لوگوں کو دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا۔

"اے ابوبکرؓ! اگر تم چاہتے ہو کہ ہم مسلمان رہیں تو نماز میں تخفیف کر دو اور زکواۃ معاف کر دو۔" آپؓ یہ کلمات سنتے ہی غصے سے سرخ ہو گئے تھے۔ آپؓ نے فرمایا تھا "ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نہ نماز میں رتی بھر تخفیف ہو سکتی ہے اور نہ صاحب نصاب پر زکواۃ ایک دقیقہ کے لیے معاف ہو سکتی ہے۔ اے موذیو! تم نے اسلام کو کھیل سمجھ رکھا ہے۔ یاد رکھو کہ ابوبکرؓ رسی جیسی حقیر چیز کے لیے بھی تم سے لڑے گا اور تمہیں کیفر کردار تک پہنچائے گا خواہ ایک شخص بھی میری مدد پر نہ ہو۔ جب تک میرے جسم میں جان اور ہاتھ میں تلوار ہے، میں مفسدوں سے برابر جہاد کرتا رہوں گا۔"

اور اے میرے آقا! آپؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی جو خطبہ عطا کیا تھا، کیا اس نے ایک مسلمان حکمران کے فرائض و حقوق کی حدود کا تعین نہیں کر دیا تھا؟ آپؓ نے فرمایا تھا۔

"آپ حضرات نے اتفاق کر کے مجھے خلیفہ اور امیر مقرر کیا ہے حالانکہ میں اپنے اندر اس قدر قابلیت نہیں رکھتا۔ یاد رکھو کہ میں انسان ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں احتیاط کروں اور محال نہیں ہے اگر برائی کروں، لہٰذا تم میرے اچھے کاموں میں مدد و معاون ہو اور برے کاموں میں مجھے روک دو۔ مجھے سرزنش کرو۔ بلاشبہ صدق، امانت اور کذب، خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے صدیق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ تم میں سے جو ضعیف ہے وہ میری نظروں میں قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کی حق رسی کروں، اور جو قوی ہے وہ میری نظروں میں ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق لے لوں۔ مسلمانو! جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیتی ہے، وہ ذلت و خسران کی تنگ و تاریک غاروں میں گھر جاتی ہے اور جو قوم بدکاری میں مبتلا ہوتی ہے، خدائے قدوس اس پر نزول مصائب کرتا ہے۔ اے مسلمانو! یاد رکھو کہ جب تک میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی کرتا رہوں اس وقت تک تم میری متابعت و فرمانبرداری کرو اور جب راہ مستقیم سے میرے قدم ادھر ادھر دیکھو تو میری اطاعت نہ کرو کیونکہ گمراہ کی پیروی گمراہی ہے۔"

اے مرے رہبر و رہنما! آپؓ نے جس طرح میرے رسول ﷺ کے دین کی بنیادوں پر اسلام کی عظیم الشان عمارت کھڑی کی وہ آپؓ ہی کا کام ہے۔ آپؓ نے احکام رسول ﷺ کی تعمیل

کو اپنے کردار کی اساس بنایا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ کامیابی خود بخود آپؓ کے سامنے سجدہ ریز ہوئی۔ وہ اسلامی حکومت جس نے ابھی بلندی کا سفر شروع ہی کیا تھا کہ آقائے نامدار ﷺ نے پردہ فرمالیا لیکن آپؓ نے آقائے نامدار ﷺ کی عطا کی ہوئی تعلیم کی روشنی میں جس طرح اسے بلند تر کر دیا اس نے ثابت کر دیا کہ فرمودات رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونا ہی عظمت کی دلیل ہے۔ مجھے آپؓ کی وفات پر لوگوں کو صبر کی تلقین کے سلسلے میں سیدنا علیؓ کی گفتگو یاد آئی جس سے آپؓ کی زندگی کی ایک خوبصورت تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا۔

ابوبکرؓ کا ایمان خالص اور یقین سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا۔ اللہ تعالیٰ سے آپؓ سب سے زیادہ ڈرا کرتے تھے اور آپؓ نے سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے دین کو نفع پہنچایا۔ خدمتِ نبوی ﷺ میں سب سے زیادہ حاضر رہنے والے، رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے لیے سب سے زیادہ شفیق اور بابرکت، رفاقت میں سب سے زیادہ بہتر، فضائل میں سب سے آگے، درجہ میں بلند، سیرت، ہیبت، مہربانی اور فضل میں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ، قدر و منزلت میں سب سے بلند، اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی طرف سے جزائے خیر دے۔ آپؓ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بمنزلہ ان کی سمع و بصر تھے۔ آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت سچا جانا جب (نعوذ باللہ) سب انہیں جھوٹا کہتے تھے۔ اسی لیے آپؓ کا نام صدیق ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا۔

''والذی جآء بالصدق و صدق به''

یعنی جو سچ لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی۔ سچ لانے والے رسول اللہ ﷺ تھے اور تصدیق کرنے والے جناب صدیق اکبرؓ۔ جس وقت دوسرے لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ تنگ دلی کا برتاؤ کیا اس وقت آپؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ غم خواری کی۔ آپؓ دو میں سے ایک تھے اور غار میں رفیق۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپؓ پر اپنی سکینت نازل فرمائی۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب لوگ مرتد ہو گئے اور آپؓ کے ساتھی سستی کرنے لگے اور

آپ ؓ کو کہنے لگے کہ مرتدین کی تالیفِ قلوب کرنی چاہیے اور ان سے نرمی کا برتاؤ مناسب ہے تو اس وقت آپ ؓ نے امتِ محمدیہ ﷺ کی ایسی حفاظت اور نگہبانی کی جو کسی نبی کے خلیفہ نے پیشتر ازیں نہیں کی تھی۔ اس وقت آپ ؓ نے دشمنوں کی کثرت اور اپنی کمزوری کا خیال نہیں کیا بلکہ احیائے دین کے لیے دلیرانہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اگرچہ آپ ؓ کے خلیفہ ہونے کے وقت باغی لوگ غیظ و غضب میں تھے، کفار کو رنج تھا اور حاسدوں کو آپ ؓ کے خلیفہ ہو جانے کے باعث کراہت ہو رہی تھی تب بھی آپ ؓ بلا نزاع و تفرقہ خلیفہ برحق تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد لوگوں کی بزدلی اور گھبراہٹ کے وقت آپ ؓ ثابت قدم رہے اور لوگوں کو بھی اپنا پیرو بنا کر ان کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔ اگرچہ آپ ؓ کی آواز پست تھی لیکن آپ ؓ کا تفوق سب سے بڑھا ہوا تھا۔ آپ ؓ کا کلام باوقار تھا اور گفتگو باصواب۔ آپ ؓ کی خاموشی طویل اور قول بلیغ تھا۔ آپ ؓ عمل میں سب سے بزرگ، معاملات میں واقف کار اور شجاع ترین انسان تھے۔ خدا کی قسم! آپ ؓ مومنین کے سردار تھے۔ لوگوں کے ارتداد کے وقت آپ ؓ آگے بڑھے اور ان کو ارتداد سے بچا لیا اور ان کی پشت و پناہ بن گئے۔ امتِ محمدیہ کے لیے آپ ؓ بمنزلہ باپ کے تھے، شفیق، مہربان اور اہلِ دین بمنزلہ اولاد کے ہونے جن کی فروگزاشتوں کی آپ ؓ نے نگہداشت کی اور جو کچھ وہ نہ جانتے تھے ان کو سکھایا۔ ان کی عاجزی کے وقت آپ ؓ نے جانبازی اور ثابت قدمی دکھائی۔ فریادیوں کی فریاد کو پہنچے۔ وہ اپنی رہنمائی کے لیے آپ ؓ کے پاس آئے اور آپ ؓ نے خدا کی مہربانی سے ان کو کامیاب بنایا۔ آپ ؓ کی شجاعت، تہور اور اولوالعزمی کا صدقہ ان کو وہ کچھ ملا جس کا انہیں گمان تک نہ تھا۔ کافروں کے حق میں وہ برق سوزاں سے کم نہ تھے اور مومنین کے لیے بارانِ رحمت سے زیادہ تھے۔ آپ ؓ اس پہاڑ کی مانند تھے جس کو نہ تو زمانے کے شدائد ہلا سکتے تھے اور نہ تیز و تند ہوا کے طوفان جنبش دے سکتے تھے۔ اگرچہ آپ ؓ بدن کے ناتواں تھے مگر آپ ؓ کا دل سب سے زیادہ قوی اور دلیر تھا۔ نہ تو آپ ؓ کی دلیل کو شکست ہوئی، نہ آپ ؓ نے بزدلی دکھائی اور نہ آپ ؓ کا دل راہِ راست سے بھٹکا۔ آپ ؓ کے مال نے آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ نفع پہنچایا جس کے لیے وہ ہمیشہ

آپؓ کے احسان کا تذکرہ کرتے رہتے تھے اور جس کا اجر عظیم خدائے تعالیٰ آپؓ کو مرحمت فرمائے گا۔ اگرچہ آپؓ اپنے آپ کو ہمیشہ ناچیز تصور کرتے رہے لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک اور رسول ﷺ کی نظروں میں نیز تمام لوگوں کی نگاہوں میں سب سے زیادہ گرامی قدر رہے اور ہم سب سے فضائل میں بازی جیت لی۔ آپؓ کی نسبت کسی کو طعن کا موقع نہ ملا کیونکہ آپؓ نے کبھی کسی کی بے جا رعایت نہیں کی۔ اس لیے لوگوں کے دلوں میں آپؓ کا جلال اور رعب و وقار قائم تھا۔ کمزور آپؓ کے نزدیک قوی تھا جب تک کہ اس کا حق نہ لے لیتے تھے۔ آپؓ کا سب سے زیادہ مقرب وہی تھا جو سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کا فرمانبردار اور مطیع تھا۔ آپؓ کی رائے میں دانائی اور اولوالعزمی پائی جاتی تھی اور اس کے طفیل آپؓ نے باطل کو شکست دے کر فتنا اور مشکلات کا راستہ صاف کر دیا اور آپؓ کی وجہ سے اسلام قوی بن گیا اور مسلمان مضبوط ہو گئے۔ اگرچہ آپؓ کی وفات نے ہماری کمر توڑ دی ہے لیکن آپؓ کی شان ہماری آہ و بکا سے ارفع ہے۔ آپؓ کا ماتم آسمان عظیم پر ہے لیکن ہم سوائے انا للہ و انا الیہ راجعون کے اور کیا کہہ سکتے ہیں اور بجز اس کے کہ رضائے الٰہی پر رضامند رہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ کے حکم کو مان کر ہم صبر و شکر کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی قسم! آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپؓ کی وفات سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہ آئے گی۔ آپؓ اسلام کے لیے عزت اور مسلمانوں کے لیے ملجا و ماویٰ تھے۔ اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپؓ کو جناب رسالت پناہ ﷺ سے ملائے اور ہمیں آپؓ کے اجر سے محروم اور آپؓ کے بعد گمراہ نہ کرے۔ آخر میں ہم پھر انا للہ و انا الیہ راجعون کہتے ہیں۔'' حاضرین نے نہایت سکون و خاموشی سے اس خطبے کو سنا اور اس قدر روئے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ بالاتفاق سب نے کہا اے رسول اکرم ﷺ کے عزیز و خویش! جو کچھ آپؓ نے فرمایا ہے سب سچ ہے۔

اے سیدنا صدیق اکبرؓ! آپؓ نے اسلام کی ناؤ کو جس دانشمندی، بہادری، فہم و فراست اور بے خوفی سے طوفان ارتداد سے باہر نکالا، رسول عربی و امی ﷺ کی امت آپؓ کے اس احسان کا بدلہ نہیں دے سکتی البتہ دعا کر سکتی ہے کہ آپ کو رب قدیر اس عمل عظیم کا اجر عطا فرمائے۔ ویسے

بھی آپؐ تو وہ واحد ذات ہیں جن کے احسانات کو میرے آقا ﷺ نے نہ صرف ہمیشہ سراہا بلکہ ان کے صلے کے لیے اللہ تعالیٰ سے رجوع فرمایا۔ آپؓ کو میری طرف سے عقیدت بھرے آنسوؤں میں ڈوبا ہوا سلام۔

میں نے ایک بار پھر نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا شروع کیا۔ درود و سلام ختم ہی ہوا تھا کہ ذہن میں سیدنا عمرؓ کی شخصیت اپنے تمام تر جاہ و جلال کے ساتھ ابھرنے لگی۔ دیکھتا ہوں کہ چھبیس سال کا ایک نوجوان، سرخ و سفید رنگت، طویل القامت، تیغ بکف اپنے بہنوئی حبابؓ کے گھر سے اپنے بہنوئی اور بہن کو زدوکوب کرنے اور قرآن پاک کی آیات سننے کے بعد دارارقم کی طرف آ رہا ہے۔ یہ عمرؓ ہے، وہی عمر جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! اسلام کو عمر یا ابن ہشام کے ذریعے تقویت بخش۔'' طلحہؓ، حمزہؓ اور دوسرے لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ انہیں منع فرما کر باہر نکل آتے ہیں اور عمرؓ کا گریبان تھام کر ان سے مخاطب ہوتے ہیں۔

''عمرؓ! کیا تم نہیں مانو گے، کیا تم ولید بن المغیرہ کے ذلت انگیز انجام کے منتظر ہو، خداوندا! عمر بن الخطاب میرے پاس آ گیا ہے، تو اسے ہدایت دے۔''

جلال نبوت کام کر جاتا ہے اور حضرت عمرؓ آپ ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں اور ایمان لاتے ہی آقائے دو عالم ﷺ سے سوال کرتے ہیں۔

''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ جب ہم حق پر ہیں تو ہم اعلان حق میں کیوں تاخیر کریں؟''

اب اسلام کی دعوت عام ہو گئی ہے۔ لوگ بیت اللہ میں حلقہ وار بیٹھنے اور طواف بھی کرنے لگے ہیں۔

دیکھتا ہوں کہ ہجرت کے بعد حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عمرے کی اجازت طلب فرما رہے ہیں۔ حضورؐ اجازت دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میرے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں شریک کر لینا۔ حضرت عمرؓ لوگوں سے فخریہ کہتے پھر رہے ہیں کہ حضور انور ﷺ کا انہیں "یا اخی" (میرے بھائی) کہہ کر پکارنا دنیا و مافیہا کی دولت سے بڑھ کر ہے یعنی سورج کی چمک جس جس شے پر پڑتی ہے اگر وہ سب کچھ میرے تصرف میں آ جائے تو بھی میں رسول اکرم ﷺ کے ان محبت بھرے الفاظ کو بہر طور قیمتی سمجھوں گا۔"

دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے سفیر دحیہ بن خلیفہ آپ ﷺ کا نامہ مقدس لے کر قیصر روم کے پاس آتے ہیں۔ بادشاہ نے نامہ مبارک پر ثبت مہر نبوت کو چوما ہے اور اپنے مذہبی سرداروں اور قوم کو بلوایا ہے۔ سب جمع ہو گئے ہیں۔ بادشاہ انہیں نامہ مبارک سے متعارف کراتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ یہ اسمٰعیل بن ابراہیم کی نسل سے ان حضور کا خط ہے جن ﷺ کی آمد کی اطلاع ہمیں "مسیح" نے دی تھی۔ بادشاہ کے الفاظ سنتے ہی حاضرین کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ بادشاہ اگلے روز اسلامی سفیر کو ایک بڑے محل میں لے گیا ہے۔ یہ محل تصویر خانہ ہے جس میں تین سو تیرہ تصاویر آویزاں ہیں۔ بادشاہ سفیر سے کہتا ہے کہ ان تصاویر میں سے اپنے صاحب (نبی اکرم ﷺ) کی تصویر تلاش کرو۔ سفیر لمحوں میں آپ ﷺ کی تصویر کی نشاندہی کر دیتے ہیں جس میں آپ ﷺ کسی شے کو دیکھ رہے ہیں۔ بادشاہ پوچھتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی دائیں جانب کون ہیں؟۔ سفیر کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر ہی کی قوم کے ایک فرد ہیں جنہیں لوگ ابوبکر صدیق کہتے ہیں۔ بادشاہ پوچھتا ہے کہ بائیں جانب کون ہے؟ سفیر کہتے ہیں یہ بھی پیغمبر کے قبیلے کے فرد ہیں جنہیں لوگ عمر بن الخطابؓ کے نام سے پکارتے ہیں۔ بادشاہ کہتا ہے کہ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو نبی اکرم ﷺ کے ان دونوں ساتھیوں کے ذریعے مکمل کرے گا۔

سفیر واپس آ کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پورا واقعہ عرض کرتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ بادشاہ سچ کہتا ہے، ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ذریعے سے اس دین کی تکمیل اور کشائش ہوگی۔

مجھے یہاں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان یاد آیا ہے۔ قریش کے ایک فرد نے حضرت

علیؓ سے دریافت کیا ہے۔

''امیر المومنین! آپ کبھی کبھی اپنے خطبات میں فرمایا کرتے ہیں کہ خداوندا! ہم میں وہی صفات پیدا کردے جس سے تو نے خلفائے راشدین المہدیین کو نوازا تھا! یہ خلفائے راشدین کون ہیں؟'' سیدنا علیؓ کی آنکھ نمناک ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''بیٹے! میری مراد اپنے گرامی قدر حبیبوں اور تمہارے چچاؤں ابوبکرؓ اور عمرؓ سے ہوتی ہے۔ رشد و ہدایت کے امام، اسلام کے مشائخ، قریش کے بزرگ، رسول اللہ ﷺ کے بعد امت کے مقتدا اور پیشوا، وہ جن کی ہدایت راہ رشد پر لے جاتی ہے اور لغزشوں اور خطاؤں سے محفوظ رکھتی ہے اور جن سے وابستگی سے آدمی کو حزب اللہ میں شامل ہونے کا موقع ملتا ہے یعنی ان خدا پرستوں میں شامل ہونے کا، جو فلاح پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جملہ حاکموں اور اولیاء امور کے لیے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو حجت اور معیار مطلق بنایا ہے۔''

اب مجھے سیدنا عمرؓ لشکر اسلام کو مہم پر روانہ فرماتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ آپؓ کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ آپؓ اپنے فوجی سرداروں کو اللہ سے ڈرنے کی مسلسل تلقین فرما رہے ہیں۔ اس قدر بھرپور تلقین کے باوجود آپؓ انہیں تحریری طور پر بھی ہدایات دے رہے ہیں۔ اس تحریر اور تقریر کا آغاز اللہ کے نام اور اس کی نصرت کی امید سے ہوتا ہے۔ آپؓ نے تحریر فرمایا ہے۔

''اللہ کی تائید کے بھروسے پر آگے بڑھو اور اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤ۔ سچائی اور صبر کو مضبوط تھام لو۔ جہاد کے موقع پر سستی مت دکھاؤ۔ منکرین خدا سے خدا کی راہ میں لڑو مگر ظلم و جور سے باز رہو۔ اللہ ظلم و جور والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مقابلہ پڑ جائے تو بزدلی مت دکھاؤ۔ تمہیں غلبہ حاصل ہو جائے تو اپنے دشمنوں کا مثلہ مت بناؤ یعنی انہیں ٹکڑے ٹکڑے مت کرو۔ دشمنوں پر قابو پا جانے کے بعد حد اعتدال سے نہ بڑھو۔ عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو قتل مت کرو اور جس وقت فوجیں آمنے سامنے ہوں تو انہیں خاص طور سے بچاؤ یعنی ان کے قتل سے گریز کرو۔ مال غنیمت

کے حصول میں حد سے تجاوز مت کرو اور جہاد کے جذبے کو دنیوی اغراض سے ملوث نہ کرو۔"

اے سیدنا فاروق اعظمؓ! آپؓ کی دانائی، آپؓ کی فہم و فراست، آپؓ کے انصاف، آپؓ کی سالاری اور جنگی حکمتِ عملی کو سلام۔ اے میرے سردار! میرے دور کے طاقت وروں نے زیر دستوں پر عرصہ حیات تنگ رکھا ہے۔ کمزور کو کچلا جا رہا ہے اور طاقت ور نے ہر ضابطہ اخلاق کو پس پشت ڈال کر اپنے مفاد کو بہترین حکمتِ عملی قرار دے دیا ہے۔ وہ بزعم طاقت اپنی ہر ناجائز بات کو بالجبر منوا رہا ہے۔ میرے دور کو آپؓ کے طرزِ عمل، انداز حکمرانی، احساسِ انصاف اور آپؓ کے فرمائے ہوئے ایک ایک حرف کی روشنی کی ضرورت ہے۔ مجھے علم ہے کہ آپؓ اپنے عاملوں اور حاکموں کو مختلف علاقوں میں بھیجنے سے پہلے ان سے حلف لیا کرتے ہیں۔

اپنے مکان کے دروازے بند نہ کرنا تا کہ جب بھی کوئی غرض مند تمہارے پاس آنا چاہے، بلا روک ٹوک آ سکے۔ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا جس سے تمہاری شان و شوکت کی دھاک بیٹھے اور تم میں فخر و غرور کے احساسات پیدا ہو جائیں۔ باریک کپڑے نہ پہننا اور چھنا ہوا آٹا استعمال نہ کرنا۔

میرے آقا! آپؓ نے اپنے اعمال کے رہن سہن کیلئے جو معیار مقرر فرمایا ہے، کاش آج کے اہل اختیار و اقتدار اس پر توجہ دے سکیں۔ اے میرے سردار عمرؓ! آیئے اور دیکھئے کہ آج کی اسلامی ریاستوں کے سربراہ اور ان کے اعمال اپنی رعایا کے ساتھ کیا سلوک روا رکھے ہوئے ہیں۔ آپؓ نے دروازے کھلے رکھنے کا حکم دیا ہے یہاں عوام پر کبھی دروازہ کھلتا ہی نہیں۔ اعمال سے ملنا، اپنا مسئلہ بیان کرنا اور انصاف حاصل کرنا تو ایک طرف، آج کے اعمال کی زیارت کر لینا ہی ایک ناممکن بات ہوگئی ہے۔ یہ بڑی بڑی عمارتوں میں رہتے ہیں جن میں دنیا جہان کی سہولتیں اور آسائشیں سرکاری خزانے سے میسر کردی گئی ہیں۔ دروازہ رہائشی عمارت سے گزوں دور ہوتا ہے جس پر بندوقیں سنبھالے دربان چوبیس گھنٹے موجود ہیں اور کیا مجال کہ وہاں چڑیا بھی پر مار جائے۔ آپؓ نے ترکی گھوڑے پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے، یہاں تو ایسی سواریاں استعمال میں آ رہی

ہیں کہ جن کے ایک دن کے خرچ پر کئی گھرانے سال بھر پیٹ بھر سکتے ہیں اور جن کی قیمت پر سینکڑوں خاندان ہنسی خوشی اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔ آپؓ نے باریک کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ یہاں تو ایسے ایسے لباس زیب تن کیے جاتے ہیں جن کے تانے بانے میں غرور کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ آپؓ نے لطیف غذاؤں کے کھانے سے منع فرمایا ہے، یہاں تو صرف ایک لنچ یا ڈنر میں اتنی ڈشیں ہوتی ہیں کہ جن سے ایک ایک نوالہ لینا شروع کیا جائے، تو آدھی تعداد تک پہنچتے پہنچتے پیٹ بھر جاتا ہے۔ محتاط اندازوں کے مطابق ایک ہی وقت کے کھانے پر اتنا سرمایہ خرچ کر دیا جاتا ہے کہ جس سے سینکڑوں بھوکوں کے پیٹ بھرے جا سکتے ہیں۔ امیر، امیر ترین بنتا جا رہا ہے، اور غریب سخت ترین محنت کے باوجود زندگی کی اکثر بنیادی سہولتوں سے محروم ہے۔ آپؓ کی ذات انصاف کے سلسلے میں ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے۔ آپؓ نے بلاشبہ انصاف کو مظلوم کی چوکھٹ تک پہنچایا اور حق دار کا حق اسے یوں سونپا ہے کہ جیسے اس سے چھنا ہی نہیں تھا لیکن میرے دور میں ۔۔۔۔ میں نے اپنی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھوں کو اٹھایا تو مجھے یوں لگا کہ جیسے سیدنا فاروقؓ ہاتھ میں درہ لیے مدینے کے بازار سے گزر رہے ہیں۔ ابوایاس سڑک کے بیچوں بیچ چل رہے ہیں۔ سیدنا فاروقؓ نے انہیں انتہائی آہستگی سے درہ لگا کر فرمایا ہے ''یوں راستہ روک کر مت چلو۔'' ابوایاس کو درہ بدن پر نہیں صرف کپڑے پر لگا ہے۔ وہ سڑک کے کنارے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے امیر المومنین کے چہرے کی طرف دیکھا ہے۔ محسوس کیا ہے کہ چہرہ پر ملال ہو گیا ہے۔ اس بات کو ایک سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ ابوایاس اور امیر المومنین کی ملاقات اسی بازار میں ہو رہی ہے۔ انہیں دیکھتے ہی آپؓ ان سے پوچھتے ہیں۔

''مسلمہ اس سال حج کا ارادہ ہے؟۔''

مسلمہ جواب دیتے ہیں۔

''جی امیر المومنینؓ''

سیدنا عمرؓ نے ان کا ہاتھ نہایت محبت سے تھام لیا ہے اور انہیں اپنے گھر تک لے آئے

ہیں۔ امیر المومنینؓ نے مسلمہ کے ہاتھ میں تھیلی تھمائی ہے جس میں چھ سو درہم ہیں۔ ارشاد ہوا ہے "مسلمہ! یہ رقم لے لو اور سطرج میں اسے کام میں لاؤ اور دیکھنا یہ رقم اسی درے کا خون بہا ہے۔"

"امیر المومنینؓ!" مسلمہ جواب دیتے ہیں "مجھے تو وہ بات یاد ہی نہیں ہے۔ آپؓ یاد دلا رہے ہیں تو مجھے یاد آ رہی ہے۔"

"لیکن خدا شاہد ہے کہ میں اسے ایک لمحے کو نہیں بھولا"

یا امیر المومنین! آپؓ نے بحیثیت ایک حکمران انصاف کی جو روایت قائم کی، کاش میرے دور کے حکمران اسی روایت کے امین بنتے لیکن یہاں تو رعایا کے عزت نفس کو کچلنا اصول حکمرانی میں نہایت اہم اصول کا درجہ رکھتا ہے۔ جس کا جی چاہتا ہے عوام کی عزت کو سر بازار یوں اچھال دیتا ہے کہ جیسے یہ اس کا بنیادی حق ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ نعمان گورنر میسان کے کہے ہوئے اشعار آپؓ کے ہاتھ میں ہیں۔ ابن رشیق کی کتاب العمدۃ کے صفحات آپؓ کے شعری مذاق کی تعریف میں بھرے ہوئے ہیں لیکن آپؓ نے نعمان کو ان اشعار کے کہنے پر معزول فرما دیا ہے جن کا مفہوم یہ ہے۔

> "جانے کسی نے حسناء کو یہ اطلاع پہنچائی یا نہیں کہ میسان پہنچنے والے نے میسان پہنچتے ہی شیشے میں مے لنڈھائی ہے۔ میں جس وقت بھی چاہوں، میرے لیے اہل قریہ ترنم ریز اور رقاصائیں عشوہ فروش ہو سکتی ہیں۔ میں بادہ آشامی کروں گا تو پھر قدح خوار بنوں گا۔ چھوٹے چھوٹے جام ہائے مے کس کام کے۔"

نعمان آپؓ کی خدمت میں حاضر ہے۔ وضاحت کر رہا ہے "امیر المومنین! خدا شاہد ہے کہ میں نے ان مذمومہ باتوں میں سے کسی پر عمل نہیں کیا۔ شاعر ہوں، طبیعت موزوں تھی، بس یہ شعر ہو گئے۔

آپؓ فرماتے ہیں "میں نے تمہیں اخلاق وجوہ کی بناء پر معزول کیا ہے۔ تم

نے مذمومہ باتوں پر عمل نہیں کیا لیکن یہ تمہارے دل میں تو موجود ہیں اور اب تم تمام عمر میری حکومت میں کسی منصب پر فائز نہیں ہو سکو گے۔"

امیر المومنین! میں آپؓ کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ قائے نامدار ﷺ اور صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں آپؓ کے حضور حاضر ہوں۔ آپؓ خود سے کالے کوسوں دور عراق میں بیٹھے ہوئے ساریہ بن زنیم اور ان کے لشکر کو پہاڑی پر چڑھ جانے کا مشورہ عطا فرماتے ہیں اور آپؓ کی آواز منبر مسجد نبوی ﷺ سے میدان جنگ تک پہنچتی ہے۔ ساریہ اس آواز میں پائے جانے والے حکم پر عمل کرتے ہیں اور فتح یاب ہوتے ہیں۔ اس حیرت انگیز واقعہ کے بارے میں جب لوگ سیدنا علیؓ سے دریافت کرتے ہیں تو وہ کیا خوب جواب عطا فرماتے ہیں۔

"لوگو! آپ کو اس بات پر زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ عمرؓ کی کوئی بات بے بنیاد نہیں ہوتی۔ ان کی ہر بات نتیجہ خیز ہوتی ہے۔"

امیر المومنین! آپؓ بوقت زلزلہ زمین کو درہ رسید فرماتے ہیں تو زلزلہ ختم ہو جاتا ہے۔ دریائے نیل جو ہر سال بہترین زیورات ولباس سے مزین ایک دوشیزہ کی قربانی لے کر رواں ہوتا تھا آپؓ کے رقعے پر اس طرح رواں ہوا ہے کہ اس کا پانی پہلے سے سولہ گز بلند ہے اور پھر آج تک دریائے نیل نے مصر کے لیے خشک سالی پیدا نہیں ہونے دی۔ آپؓ نے رقعہ میں تحریر فرمایا ہے۔

"اللہ کے بندے عمرؓ کی جانب سے دریائے نیل کے نام۔ اے نیل! اگر تو پہلے رواں تھا اور اب رواں نہیں ہے اور اگر اللہ واحد القہار تجھے رواں کرتا ہے تو ہم اسی معبود سے یہ التجا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔"

امیر المومنینؓ میں دیکھ رہا ہوں کہ بارش نہ ہونے کے سبب خلق خدا کو کال کی صورت حال درپیش ہے۔ آپؓ قوم کو اپنے ساتھ لے کر شہر سے باہر نکل آئے ہیں۔ سب سے پہلے انہیں دو رکعت پڑھائی گئی ہیں پھر آپؓ نے اپنی چادر کے دائیں حصے کو بائیں جانب اور بائیں

حصے کو دائیں جانب الٹ کر ہاتھ پھیلا دیے ہیں۔

''اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور تجھ سے اپنے کھیتوں کے لیے پانی مانگتے ہیں۔''

ابھی آپؓ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے کہ بادل آ گئے ہیں۔ لوگوں نے بادلوں میں سے یہ آواز سنی ہے ''ابوحفص امداد آ پہنچی، ابوحفص امداد آ پہنچی۔'' اور ہر طرف جل تھل ہو گیا ہے۔

میرے سردار، میرے آقا، میرے امیر عمرؓ! آپؓ کی عظمت اور مرتبے کی بلندی ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے۔ آپؓ کی عظمت کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ تین باتوں میں آپؓ ہی کی رائے پر احکام الٰہی نازل ہوئے ہیں۔ آپؓ ہی کی رائے پر مقام ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ قرار دیا گیا ہے، اسیران بدر اور پردے کے بارے میں آپؓ ہی کی رائے کے مطابق احکام الٰہی کا نزول ہوا ہے۔ اسی قسم کی آراء کو پیش نظر رکھتے ہوئے آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ہے ''اگر میرے بعد کوئی اور نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔'' آپؓ نے ۲۵ لاکھ مربع میل کی عظیم سلطنت پر حکمرانی کی ہے لیکن آپؓ اپنے اور اہل خانہ کے لیے مزدوری کر کے روزی کما رہے ہیں۔ شیطان آپؓ کے سائے سے بھی گھبراتا ہے۔ آپؓ کی ذات وہ ذات ہے کہ جن کے نام کے آتے ہی دنیا کے بڑے بڑے کج کلاہ بادشاہوں کی نیندیں اڑ جاتی ہیں لیکن آپؓ سایہ دیوار میں ریت پر آرام فرما ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے تو آپؓ کو دیکھتے ہی رومی سفیر نے کہا ہے۔

''اے عمرؓ! آپؓ نے انصاف کیا، آپؓ کو گرم ریت پر بھی نیند آ جاتی ہے، ہمارے شہنشاہ نے ظلم کیا، انہیں ریشم اور کمخواب کے بستروں پر بھی نیند نہیں آتی۔''

میرے آقا! کتنے واقعات ہیں جو میرے سامنے ہیں جو مجھے آپؓ کا پیروکار ہونے میں فخر کا احساس دلاتے ہیں۔ آپؓ کا ہر قول، قول زریں، آپؓ کا ہر عمل، عمل عظیم، آپؓ کا ہر لفظ ملفوظ خاص، آپؓ کی آقائے نامدار ﷺ سے محبت، لائق رشک، آپؓ کی اسلام کے لیے خدمات،

بے نظیر و بے مثال اور آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ لائق اتباع ہے۔ اے حضور میری حاضری کو قبول فرمائیے۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔

مجھے روضۂ اقدس کے سامنے یوں تو حاضر ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی لیکن اس مختصر وقت میں میں نے جو مناظر دیکھے، تاریخ کے جو لمحے سوچ کے پردے پر روشن کر سکا، محبت اور عقیدت کی جس بارش میں بھیگا، حروف دعا کے ساتھ جس بلندی تک پہنچا، حضوری کی سعادت میں جتنا سرفراز ہوا، اظہار وفا کے جن مرحلوں سے گزرا، مجھے یوں محسوس ہوا کہ زندگی بھر وہی سب کچھ میرے دل میں ایک ایسے اثاثے کے طور پر محفوظ رہے گا جس کی پاسبانی کی لذت مجھے ہمیشہ مطمئن رکھے گی۔

اس سے پہلے کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پھر ہدیہ، سلام پیش کرتا، میرے ذہن میں حضرت فاطمہؓ کی قبر شریف کے متعلق تینوں روایتیں روشن ہو گئیں۔ میں حجرہ شریف کی طرف متوجہ ہوا اور خاتون جنت اور اپنے پیارے نبی ﷺ کی پیاری صاحبزادی کے حضور سلام عقیدت پیش کرنے لگا۔ اس کے بعد میں نے ایک بار پھر آقائے نامدار ﷺ کی خدمت میں درود و سلام پیش کیا، چند مزید درخواستیں پیش کیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی واپسی کی اجازت چاہی کیونکہ نماز مغرب کا وقت قریب تھا۔ روضہ۔ اقدس کے سامنے اور پھر قبلہ رخ ہو کر دعا مانگنے کے بعد میں جنت البقیع کی طرف کھلنے والے دروازے سے اس طرح باہر آ گیا کہ میرا منہ روضۂ اقدس کی طرف رہا۔ میں الٹے پاؤں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اتنی دور آ گیا کہ اب گنبد خضرا کا پورا مبارک منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ میں چشم تر اس وقت تک اس عظیم و حسین ترین گنبد کی زیارت کرتا رہا، دعائیں پڑھتا رہا اور نبی اکرم ﷺ کے حضور درود و سلام پیش کرتا رہا جب تک کہ اذان مغرب نہیں ہوگئی۔ اذان مغرب کے ساتھ ہی میں مسجد نبوی ﷺ میں آ گیا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد میں ایک ایسی جگہ جہاں سے روضہ۔ اقدس نظر آ رہا تھا، بیٹھ کر نماز عشاء تک تلاوت کرتا رہا۔ نماز عشاء کے بعد میں مسجد نبوی ﷺ سے باب مجیدی کے راستے باہر اس طے شدہ مقام پر

آ گیا جہاں خواتین کو آنا تھا۔ خواتین کے آنے تک میں دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمان خواتین وحضرات کو دیکھتا رہا۔ ان گنت لوگ، ان گنت چہرے اور ہر چہرہ خوشی سے روشن۔ عجیب منظر ہے۔ کچھ لوگ تنہا ہیں، کچھ گروہوں کی شکل میں ہیں فلپائن، ملائشیا، انڈونیشیا، ترکی اور وسط ایشائی ریاستوں سے تعلق رکھنے والے خواتین وحضرات گروہوں کی شکل میں اپنی اپنی رہائش گاہوں کی طرف آہستہ آہستہ جا رہے ہیں۔ کچھ گروہوں کے رہنماؤں نے جھنڈے بھی اٹھا رکھے ہیں اور کچھ نے مختلف رنگوں کے کپڑے چھتریوں یا چھڑیوں کے ساتھ اپنے گروپ کے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے باندھ رکھے ہیں۔ یہ ایک ایسا منظر ہے جو صرف مسلمان آنکھوں ہی کو دیکھنا نصیب ہو سکتا ہے کیونکہ یہ منظر یا تو خانہ کعبہ یا پھر مسجد نبوی ﷺ کے باہر دیکھا جا سکتا ہے جہاں کسی غیر مسلم کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اہلیہ اور ہماری ہمراہی خاتون آ گئی ہیں۔ ہم بھی یہاں سے قریب واقع اپنی رہائش گاہ کی طرف آہستہ آہستہ چلنے لگے ہیں جہاں ہمیں اپنے قیامِ مدینہ منورہ کی پہلی رات گزارنی ہے۔

دل نے ہر گام کئی زخم نئے کھائے ہیں

(مسجد نبوی ﷺ اور جنت البقیع میں آمد)

رات کو گھر جانے سے پہلے اسلم اور اجمل ایک ٹائم پیس دے گئے تھے۔ انہوں نے تہجد کے لیے الارم بھی لگا دیا تھا۔ الارم بجا تو ہم سب بیدار ہو گئے۔ ہم ابھی وضو کر رہے تھے کہ مسجد نبوی ﷺ سے اذان تہجد کی صدا بلند ہوئی۔ شہر نبی ﷺ، مسجد نبوی ﷺ اور موذن مسجد نبوی ﷺ۔ زندگی میں اذان سننے کا جو لطف آج آ رہا تھا اس سے پہلے کان اس سے کبھی آشنا نہ ہوئے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کائنات سراپا گوش بن کر اس اذان کو سن رہی ہے۔ مدینے کے موسم میں قدرے خنکی سی محسوس ہوئی۔ میں نے احرام کی ایک چادر اوڑھ لی اور خواتین کے ساتھ باہر سڑک پر نکل آیا۔ میں سمجھتا تھا کہ سڑکوں پر اکا دکا آدمی آ جا رہے ہوں گے لیکن یہ دیکھ کر دل بہت خوش ہوا کہ سڑکیں اس وقت بھی بھری ہوئی تھیں اور سبھی لوگوں کا رخ مسجد نبوی ﷺ کی طرف تھا۔ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین سے محبت کا یہ اظہار میرے لیے مسرت کا باعث بنا۔ چند منٹ میں ہم مسجد نبوی ﷺ پہنچ گئے۔

خواتین کو مسجد نبوی ﷺ میں خواتین کے لیے وقف حصے کی طرف بھیج کر میں مسجد نبوی ﷺ میں آ گیا اور تہجد پڑھ کر تلاوت میں مصروف ہو گیا۔ نماز صبح کی اذان کے بعد سنتیں پڑھ کر جب جماعت کھڑی ہوئی تو میری دائیں جانب ادھیڑ عمر کا ایک عرب میرا ہمسایہ تھا۔ میں نیت کر کے حالت قیام میں چلا گیا لیکن وہ دیر تک نیت کیے بغیر کھڑا رہا اور ہل ہل کر عجیب عجیب حرکتیں

کر کے میری نماز میں خلل ڈالتا رہا۔ جب امام صاحب نے کچھ قراءت کر لی تو اس نے بھی ہاتھ باندھ لیے۔ چند لمحے گزرے ہوں گے کہ وہ میری طرف والی جیب سے کچھ نکالنے لگا۔ حالتِ نماز میں میرے لیے یہ بڑی عجیب بات تھی، لیکن میں کیا کر سکتا تھا۔ وہ شاید ٹشو پیپر تھا۔ اس نے مفصل طریقے سے ناک صاف کی، سر کو قدرے آگے کر کے میری طرف دیکھا، ٹشو کو تہہ کیا اور اسے دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ اب اس کی نظر شاید آگے والی صف میں خالی جگہ پر پڑی۔ اس نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اگلی صف میں لے جانے کے لیے قدرے زور لگایا۔ جب میں نے مدافعت کی تو اس نے مزید زور لگایا۔ میرے لیے یہ زندگی کا انوکھا تجربہ تھا کہ کوئی حالتِ نماز میں اس طرح کی حرکات کرے۔ میں نے مزید مدافعت کی، اس نے اپنا سر میرے چہرے کے سامنے لا کر کچھ کہا اور ہاتھ سے اشارہ کیا جیسے کہہ رہا ہو "دفع ہو جاؤ" اس کے بعد وہ اپنا بایاں ہاتھ ناف پر رکھے حالتِ قیام میں آگے بڑھنے لگا۔ وہ قبلہ رو ہو کر آگے کی طرف چلتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ سے یوں اشارہ کرنے لگا جیسے کوئی فوجی افسر اپنے جوانوں کو آگے بڑھنے کا حکم دے رہا ہو۔ ایسا کرتے ہوئے وہ قبلہ رو رہا اور اس نے اپنا بایاں ہاتھ پیٹ ہی پر رکھے رکھا۔ مجھے اس کی اس حرکت سے یوں محسوس ہوا جیسے دشمن فوج اس کے سامنے ہو جس پر سے وہ ایک لمحے کے لیے نظر ہٹا کر خود کو خطرے سے دوچار نہ کرنا چاہتا ہو اور وہ یہ بھی چاہتا ہو کہ اس کے جوان خاموشی سے اس کے اشارے کے مطابق اس کا اتباع کریں۔ اس عرب کی اس حرکت نے نہ صرف چند لمحوں کے لیے میری نماز میں خلل پیدا کیے رکھا بلکہ اس لذت سے بھی محروم رکھا جو امام مسجدِ نبوی ﷺ کی قراءت کو سن کر حاصل ہوتی ہے۔ یوں تو تمام جہری نمازوں میں آئمہ مسجدِ حرام و مسجدِ نبوی ﷺ کی قراءت سننے سے تعلق رکھتی ہے لیکن صبح کی نماز کے وقت عالم ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ مسجدِ نبوی ﷺ میں یہ میری پہلی فجر کی نماز تھی۔ میرا یقین ہے کہ نبی اکرم ﷺ پردہ فرمانے کے بعد بھی اپنی پانچوں نمازیں اقامت کے ساتھ ادا فرماتے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو آپؐ ہماری درخواستوں کی سماعت فرماتے ہیں تو پھر اس قراءت

کی سماعت کیوں نہ فرماتے ہوں گے؟ چند لمحوں کے لیے مجھے یوں لگا جیسے میں چودہ سو سال پیچھے کی طرف لوٹ کر ان لمحات پرنور میں آ گیا ہوں جو حضور ﷺ کی ذاتِ مبارک کی برکتوں سے منور اور آپ ﷺ کی سانسوں سے مہکے ہوئے ہیں۔ انسان اس دنیا میں اس سے زیادہ کیا سرفراز ہو سکتا ہے کہ وہ ان آسمانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھے جو میرے آقا ﷺ کے نظارے میں رہے ہوں، ان فضاؤں میں سانس لے جو میرے حضور ﷺ کی سانسوں کی امین ہوں اور اس دھرتی پر چلے جہاں کا چپا چپا دو عالم کی کائنات کی قدم بوسی کرتا رہا ہو۔ میرے کانوں میں قراءت کے الفاظ رس گھول رہے تھے۔ اس احساس نے اس قراءت کی لذت کو کئی چند کر دیا تھا کہ یہی قراءت میرے آقا ﷺ کی سماعت میں بھی آ رہی ہے۔ نماز کے ختم ہونے پر میں بہت دیر تک ایک عجب عالم کیف میں رہا۔ میں مسجد نبوی ﷺ کے دیوار و در کو غور سے دیکھتا رہا۔ میرے لبوں پر گو درود کے الفاظ مہک رہے تھے لیکن آنکھیں ان نظاروں سے بالکل مختلف نظاروں سے فیض یاب ہو رہی تھیں جو اس وقت میرے سامنے تھے۔ نماز کے ختم ہوتے ہی مسجد میں آئے ہوئے ہزاروں لوگ مختلف دروازوں سے باہر جانے لگے۔ مسجد فانوسوں اور مختلف النوع روشنیوں سے منور تھی لیکن مجھے دل کی آنکھ سے یہ منظر نیم تاریک سا نظر آیا۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے روضۂ اقدس کی سمت آگے بڑھتے ہوئے ریاض الجنۃ میں پہنچوں گا تو صفہ کے پاس مجھے ایک حلقہ نظر آئے گا، ایک ایسا حلقہ جس میں شامل سبھی لوگ ساکت و جامد، اتنے ساکت کہ جیسے ان میں جان ہی نہیں۔ اس حلقے کے درمیان مولائے کل ﷺ گفتگو فرما رہے ہوں گے اور آپ ﷺ کی گفتگو کی خوشبو سے ماحول معطر ہو رہا ہوگا۔ میں تصور ہی تصور میں وہ نورانی چہرے دیکھنے لگا جنہوں نے مسجد نبوی ﷺ اور مدینہ منورہ کے کونے کونے کو اپنے علم سے روشن رکھا۔ سب سے پہلے مجھے رسول اللہ ﷺ کے اولین تلامذہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کی یاد آئی جنہیں آقائے دو جہاں ﷺ نے ہجرت سے قبل مدینہ منورہ کے باشندوں کو دین اسلام کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ ان کے بعد آپ ﷺ کی یہاں تشریف آوری ہوئی اور ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ حضرت ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ،

حضرت عثمان بن عفانؓ، سیدنا علیؓ، معاذؓ بن جبل، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن سلامؓ، ابوہریرہؓ، ابوذر غفاریؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، سیدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیق، اور سیدہ حفصہ بنت عمرؓ کے ناموں کی یاد آتے ہی میرے ذہن کا گوشہ گوشہ ان کی خوشبو سے مہکنے لگا۔ ان جلیل القدر اور عظیم ناموں کے بعد دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں اور چھٹے گروہ کے علماء کے نام میرے کانوں میں اپنے علم و فضل کا رس گھولنے لگے۔ عروہ بن زبیرؓ، قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ، علی بن عبداللہ بن عباسؓ، محمد بن الحسینؓ، عامر بن عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن المسیبؓ، محمد ابن شہاب زہریؒ، محمد بن المنکدرؒ، جعفر الصادقؒ، محمد بن عبدالرحمن بن المغیرہؒ اور مالک بن انسؒ کے علم و فضل نے دین حق کی اشاعت میں جو کردار ادا کیا اس سے کون بد بخت انکار کرسکتا ہے۔ مسجد نبویﷺ میرے آقاﷺ کی زندگی میں تو بلاشبہ دنیا میں علم کا عظیم ترین مرکز تھا ہی لیکن آپﷺ کے بعد بھی ان علماء نے علم کی اس شمع کو بجھنے نہیں دیا۔ آج بھی مسجد نبویﷺ میں مختلف جگہوں پر وقت کے نامور علماء مسند پر جلوہ افروز ہوتے ہیں، تشنگان علم اس مسند کے سامنے نہایت احترام سے بیٹھ کر ان کی گفتگو سنتے ہیں اور علم کے لیے اپنی پیاس کو بجھاتے ہیں۔ امام مالک کے تلامذہ میں یوں تو لاتعداد لوگ شامل ہیں لیکن ان میں امام شافعی کا نام ایک روشن ستارے کا درجہ رکھتا ہے۔ میں مسجد نبویﷺ میں ایسی جگہ بیٹھا تھا جہاں سے میں وہ بھی نظارے بیک وقت دیکھ سکتا تھا جنہیں دیکھنے کے لیے ان گنت لوگوں کی آنکھیں عمر بھر ترستی رہتی ہیں۔ یہ خیال آتے ہی مجھے اپنی خوش نصیبی پر رشک آنے لگا۔ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر ایک عرب عالم اپنے علم سے لوگوں کو فیض یاب کر رہے تھے۔ ایک چودہ پندرہ سال کی لڑکا اس گروہ میں سب سے پیچھے بیٹھا ہوا قلم سے اپنی ہتھیلی پر کچھ لکھ رہا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس نے قلم کھولنے تک کی زحمت نہیں کی اور وہ لکھنے کی بجائے اسے صرف ہتھیلی پر پھیر رہا ہے۔ وہ قلم کو کبھی منہ میں لے لیتا اور کبھی اسے ہتھیلی پر پھیرنے لگتا۔ معاً مجھے امام شافعی کے حضرت امام مالک کی خدمت میں اسی مسجد میں حاضری کا واقعہ یاد آیا۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ جب وہ چودہ پندرہ سال کے ہوئے تو انہیں مدینہ جانے کا شوق ہوا۔ وہ مدینہ کے لیے

روانہ ہوئے۔ ان کے جسم پر صرف دو یمنی چادریں تھیں۔ سفر طے کرتے ہوئے جب ذی طویٰ پہنچے تو انہیں ایک قافلہ نظر آیا۔ وہ قافلے کے لوگوں کے پاس گئے۔ اہل قافلہ میں سے ایک بوڑھا شخص آگے بڑھا اور اس نے امام شافعی کو کھانے کی دعوت دی جسے انہوں نے بلا جھجک قبول کرلیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس بزرگ کا شکریہ ادا کیا۔ بزرگ نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ مکہ کے رہنے والے ہیں۔ امام شافعی نے اثبات میں جواب دیا۔ بزرگ نے دوسرا سوال کیا" کیا قریشی ہو؟" امام شافعی نے جواب دیا کہ جی ہاں وہ مکی اور قریشی ہیں۔ جواب دینے کے بعد انہوں نے بزرگ سے پوچھا" آپ کو یہ دونوں باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

بزرگ نے جواب دیا" تمہارا مکی ہونا تمہارے لباس سے ظاہر ہے اور تمہارا بے تکلفی سے کھانے کی دعوت قبول کرلینا واضح کرتا ہے کہ تم قریشی ہو کیونکہ قریش جس بے تکلفی سے کھانے کی دعوت قبول کرتے ہیں اسی طرح ان کی ہمیشہ یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ لوگ ان کی دعوت کھلے دل سے قبول کریں اور ان کی میزبانی میں جی بھر کر کھائیں۔"

بزرگ کا جواب سن کر امام شافعی نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ بزرگ نے جواب دیا کہ وہ شہر نبی ﷺ کے رہنے والے ہیں اور ان کا قافلہ مدینہ منورہ جا رہا ہے۔ یہ سن کر امام شافعی خوش ہو گئے۔ انہوں نے بزرگ سے پوچھا کہ اس وقت شہر نبی ﷺ میں کتاب وسنت کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ بزرگ نے حضرت امام مالک کا نام لیا۔ امام شافعی نے کہا کہ شہر نبی ﷺ میں ان کے جانے کا سب سے بڑا مقصد روضہء رسول ﷺ پر حاضری کے علاوہ امام مالک کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب فیض ہی ہے۔ انہوں نے بزرگ سے قافلے کے ساتھ سفر کی اجازت چاہی تو بزرگ نے انہیں سواری کے لیے سب سے اچھا اونٹ دیا۔ سفر کے دوران میں امام شافعی نے قرآن پاک کے سولہ ختم کیے۔ قافلہ آٹھ روز کے بعد نمازِ عصر کے وقت مدینہ منورہ پہنچا۔ امام شافعی نے روضہء رسول ﷺ پر حاضر ہو کر ہدیہء درود و سلام پیش کیا۔ درود و سلام سے فارغ ہوئے تو ان کی نظر امام مالک پر پڑی۔ انہوں نے ایک چادر کا تہہ بند باندھا ہوا تھا اور

دوسری چادر اوڑھ رکھی تھی۔ وہ اس وقت با آواز بلند حدیث کی روایت فرما رہے تھے۔ وہ یوں روایت فرماتے۔

''مجھ سے ''نافع'' نے ''ابن عمر'' کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا۔'' اس قبر'' کے الفاظ ادا فرماتے ہوئے وہ ہاتھ پھیلا کر نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی طرف اشارہ فرماتے۔

امام مالک کا یہ انداز دیکھ کر امام شافعی پر ان کی ہیبت چھا گئی۔ انہیں درس میں سب سے پیچھے جگہ ملی۔ وہ وہیں بیٹھ گئے۔ انہوں نے ایک تنکا اٹھایا اور اسے لعاب لگا کر ہتھیلی پر لکھنے لگے۔ جب درس ختم ہوا تو امام مالک نے انہیں اپنے پاس بلایا اور پوچھا۔

''کیا تم مکہ معظمہ سے آئے ہو؟''

''امام شافعی نے ہاں میں جواب دیا تو امام مالک نے فرمایا کہ تم میں مکی ہونے کی یوں تو سبھی صفات پوری دکھائی دیتی ہیں لیکن تم میں میں نے قدرے بے ادبی کا رنگ دیکھا کیونکہ جب میں احادیث نبوی ﷺ سنا رہا تھا تو تم اپنے ہاتھ میں تنکا لیے کھیلتے رہے۔''

امام شافعی نے عرض کیا ''حضرت! کاغذ قلم پاس نہ تھا، اس لیے آپ سے جو کچھ سن رہا تھا، اس تنکے سے ہتھیلی پر لکھ رہا تھا۔''

امام مالک نے امام شافعی کا ہاتھ اپنی طرف کھینچ کر دیکھا تو اس پر انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ فرمایا ''ہاتھ پر تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

امام شافعی نے جواب دیا ''حضرت ظاہر ہے، لعاب تو باقی نہیں رہتا لیکن آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا ایک ایک لفظ مجھے یاد ہو گیا ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو سنا دوں۔''

امام مالک کو امام شافعی کی یہ بات سن کر حیرت ہوئی۔ انہوں نے فرمایا ''ساری نہیں، تم صرف ایک حدیث ہی سنا دو۔''

امام شافعی کہتے ہیں کہ ان کا حکم ہوتے ہی انہوں نے امام صاحب کی بیان کی ہوئی بھی

احادیثﷺ انہی کے انداز میں ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے سنا دیں۔ امام شافعی کا یہ حیرت انگیز حافظہ دیکھ کر امام مالک نے خادم کو بلایا اور اسے امام شافعی کو گھر لے جانے کا حکم دیا جہاں وہ قیام مدینہ منورہ کے دوران میں مقیم رہ کر حصول علم میں مصروف رہے۔

مسجد نبویﷺ کا یہ پرنور ماحول دیکھ کر چودہ سو سال پر پھیلی ہوئی مسجد نبویﷺ کی تاریخ کے کچھ نامور علماء کے نام میرے ذہن کے پردے پر جگمگانے لگے۔ عبدالجلیل براوہ، عثمان بن عبدالسلام داغستانی، عبدالقادر شبلی، احمد الفیض آبادی، یسٰین خیاری، عبدالحق اور رفاقت علی کے علاوہ علم کے کتنے چاند یہاں چمکے جنہوں نے آفتاب علم سے روشنی لے کر یہاں کے چپے چپے کو اس روشنی سے منور کر دیا۔

میں انہی خیالوں میں گم تھا کہ ایک خادم کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ''جناب! آپ اگر اس قالین پر چلے جائیں تو میں یہاں صفائی کرلوں۔'' میں نے وردی میں ملبوس اس نوجوان کو غور سے دیکھا تو وہ مسکرانے لگا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی سوال کرتا وہ خود ہی بول پڑا۔ ''میں پاکستان سے ہوں اور اس بار بہت سے دوسرے پاکستانیوں کے علاوہ یہ اعزاز میرے حصے میں آیا ہے۔'' میں اٹھا، اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دیتا ہوا حاضری کے لیے روضہ ء رسولﷺ کی طرف چل پڑا۔

مدینہ منورہ میں جتنے روز قیام رہا، معمول رہا کہ نماز فجر کے بعد میں دربار رسالت مآبﷺ میں حاضر ہو کر اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتا، اپنی جھولی پھیلا کر اسے خیر و برکت کی دولت سے بھرتا، ہدیہ ء درود و سلام پیش کرتا اور پھر گنبد خضرا کا نظارہ کر کے اپنی رہائش گاہ پر لوٹ آتا جہاں آرام کرنے کے بعد نماز ظہر کے لیے پھر مسجد نبویﷺ میں آ جاتا اور عشاء کی نماز پڑھ کر قیام گاہ پر لوٹ آتا۔ اس معمول میں اس روز تبدیلی واقع ہو جاتی جب ہمیں جنت البقیع یا زیارات کے لیے جانا ہوتا۔ قیام گاہ پر آیا تو اہلیہ نے آرام کی بجائے جنت البقیع کی حاضری کا مشورہ دیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں دونوں خواتین کو لے کر جنت البقیع کے دروازے پر آ گیا۔

جنت البقیع میں خواتین کا داخلہ ممنوع ہے اس لیے میں نے انھیں ایک سایہ دار جگہ پر بٹھادیا اور ان پر واضح کر دیا کہ یہاں زیارتوں میں بہت دیر لگ سکتی ہے۔ وہ بے فکر ہو کر ایک طرف گنبد خضرا اور دوسری طرف بقیع کے نظارے سے فیض یاب ہوتی رہیں اور ذکر میں مصروف رہیں۔

گزشتہ روز جب میں روضہء رسول ﷺ پر پہلی بار حاضر ہوا تھا تو نبی اکرم ﷺ، سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی قبور مبارک پر پڑے ہوئے غلافوں کی حالت نے مجھے بے حد بے چین کیا تھا۔ آلِ سعود کی حرمین شریفین کی تزئین و آرائش اور یہاں فراہم کی جانے والی سہولتوں کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے لیکن اس خاندان کی بعض باتوں سے طبیعت کو بے حد مائل کرنے کی کوشش کے باوجود سمجھوتا نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سال پہلے کی بات ہے کہ قبور مبارک کا غلاف بے حد بوسیدہ ہو گیا تھا۔ سعودی حکومت قبور پر غلاف چڑھانے یا غلاف کی تبدیلی کو بدعت سمجھتی ہے لیکن غلاف کو دنیا بھر کے مسلمانوں کی طرف سے متوقع شدید ردعمل کے ڈر سے ہٹا دینے سے بھی ڈرتی ہے۔ ہمارے ایک بزرگ ان دنوں سعادتِ حج حاصل کرنے کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک شام جب وہ حاضری کے لیے آئے تو انہوں نے قبور مبارک پر موجود غلاف کو بہت خستہ حالت میں دیکھا لیکن اگلی صبح انہوں نے وہاں بالکل نیا غلاف موجود پایا۔ شاید سعودی حکومت نے اپنے عقیدے کے برعکس رات کے وقت چوری چھپے غلاف کی تبدیلی کا کام کر ڈالا۔ اس سے پہلے بہت سے اسلامی ممالک کی حکومتوں نے سعودی حکومت کو یہ کام کرنے کے لیے کہا تو وہ راضی نہ ہوئی تھی۔ اس طرح وہ مطمئن تھی کہ اس کا عقیدہ بھی بچا رہا اور کام بھی ہو گیا۔ روضہء اقدس پر حاضری کے وقت میں نے بھی غلاف کی جو حالت دیکھی وہ اطمینان بخش نہیں تھی۔ دل بے حد دکھی ہوا کہ آلِ سعود نے یہ ساری پابندیاں اس پر لگا رکھی ہیں جو ہم سب کے لیے شریعت لے کر آیا ورنہ سعودی عرب میں جس طرف نظر اٹھائیں، خلافِ شریعت کاموں کا ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ آج جب میں جنت البقیع میں داخل ہوا تو قبور کی حالت دیکھ کر ایک بار پھر میرے دل کے زخم ہرے ہو گئے۔ میں سوچنے لگا کہ آخر قبور کو بحال رکھنے اور ان

کا احترام کرنے میں سعودی عرب ہی میں اسلام خطرے میں کیوں پڑ جاتا ہے؟ دنیا بھر کے سبھی اسلامی ممالک میں مزارات موجود ہیں لیکن کہیں سے یہ اطلاع نہیں آئی کہ وہاں اسلام کی جگہ کفر نے لے لی ہے۔ یہ درست کہ چند لوگ ان مزارات پر اس طرح جاتے ہیں کہ ان کا انداز حاضری درست نہیں ہوتا لیکن انہوں نے کب کسی سے کہا ہے کہ وہ بھی انہی کے انداز میں مزارات پر حاضری دیں۔ اصل کام تو یہ ہے کہ ہمیں اسلامی شعائر کی اشاعت کر کے لوگوں کو اس بات کی تعلیم دینی چاہیے کہ کون سا کام درست اور کون سا غلط ہے۔ ہم نے یہ کرنے کی بجائے اپنے محسنین کا نشان مٹانے کے لیے کدال اٹھا لیے ہیں۔ بات اگر شریعت کی ہے تو ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانکنا چاہیے اور خود سے سوال کرنا چاہیے کہ ہم اس پر کس طرح عمل کر رہے ہیں۔ اے آل سعود! تمہیں کس نے یہ اختیار دیا ہے کہ تم ہاتھ میں ڈنڈا لے کر پوری ملت اسلامیہ کو اس سمت ہانکتے پھرو کہ جو سمت تمہارے خیالات ہی کے مطابق درست ہے۔ تمہارا بس نہیں چلتا، ورنہ تم تو روضہ رسول ﷺ اور اس پر موجود گنبد خضرا کو (نعوذ باللہ) کب کا ملیامیٹ کر چکے ہوتے۔ تمہارے مقرر کیے ہوئے دربان اور محافظوں کا جو جی چاہتا ہے دربار رسول ﷺ اور خانہ کعبہ میں کرتے پھرتے ہیں۔ جس کی جہاں چاہتے ہیں توہین کر دیتے ہیں۔ کسی کے جذبات اور احساسات کی انہیں کچھ بھی خبر نہیں۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ خانہ کعبہ کا طواف ہو رہا ہے تمہاری پولیس تمہارے مہمانوں، سفیروں، وزیروں، صدور، وزرائے اعظم کو گھیرے میں لے کر حرم میں داخل ہوتی ہے، پہلے سے موجود لوگوں کو بالجبر ہٹا کر ان سے حجر اسود کو ان کی من چاہی دیر تک بوسے دلواتی ہے، ملتزم، حطیم، اور میزاب رحمت اور مقام ابراہیم میں جگہیں خالی کروا کر انہیں ان کی خوشی کے مطابق عبادات کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ عام لوگوں کو دھکے دے کر ایک طرف ہٹاتی ہے اور واپسی پر یک طرفہ ٹریفک کو توڑتی ہوئی انہیں ان کی قیام گاہوں تک پہنچاتی ہے۔ حرم میں عام اور خاص میں یہ فرق پیدا کرنے کا تمہیں کس نے اختیار دیا؟ کیا میرے رسول ﷺ نے حضرت عمرؓ کو حج پر جاتے وقت الوداع کہتے ہوئے یہ تلقین نہیں فرمائی تھی "اے عمر! تم

طاقتور ہو! حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے زبردستی نہ کرنا'' کہو آل سعود! کیا تم اور تمہارے کارندے
روزانہ زبردستی کے مظاہرے نہیں کر رہے؟ تم نے سونے کے انبار لگا رکھے ہیں، اللہ کی زمین سے
حاصل ہونے والی ساری دولت کو اپنی ذاتی دولت بنا رکھا ہے حالانکہ وہ صرف اللہ اور اس کے
بندوں کی ملکیت ہے۔ تم نے ایسے ایسے محلات تعمیر کر رکھے ہیں کہ اللہ کی پناہ، ہر دروازے پر ان
گنت دربان بٹھا رکھے ہیں، کوئی تمہارے کسی بھی عمل پر بات کرے تو اس کا وجود مٹا دیا جاتا ہے۔
ذرا سوچو! کیا تم نے ان سب کاموں کو بدعت قرار نہیں دے دیا جو صرف تمہاری سوچ میں بدعت
ہیں اور ان سب کاموں کو روا قرار نہیں دے دیا جنہیں تم سمجھتے ہو کہ یہ روا ہیں۔ آخر تمہیں یہ اختیار
کس نے دیا ہے؟ تمہیں تمہارا مسلک مبارک لیکن رواداری کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنا مسلک کسی پر
مسلط نہ کرو۔ اگر تم یہاں بااختیار ہو تو اس اختیار کو اس طرح استعمال نہ کرو کہ لوگ چیخ اٹھیں۔
مجھے تمہارے اختیار، تمہارے انداز حکمرانی، تمہاری دولت اور تمہارے محلوں سے کوئی غرض نہیں،
میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم اپنے انداز کو دوسروں پر مسلط نہ کرو۔ سن لو کہ اگر تمہارا یہ انداز جاری رہا
تو وہ وقت دور نہیں، جب دنیا بھر کے اسلامی ممالک اور وہاں بسنے والے مسلمان ایسے مطالبے
شروع کر دیں کہ تمہارا ان شہروں پر اختیار ہی باقی نہ رہے۔ تمہارے خاندان کی حکومت سے پہلے
بھی تو یہاں حکومتیں رہی ہیں۔ کیا ان کے دور میں جنت البقیع اور جنت المعلیٰ وغیرہ کی یہی حالت
تھی؟ کیا ان کے دور کو غیر اسلامی دور کہا جائے گا؟ کیا انہوں نے اسلام کی خدمت نہیں کی؟ کیا ان
کے دور میں حج و زیارات کے لیے آنے والے لوگوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا تھا کہ ادھر کسی نے
بے دھیانی میں ہی سہی کہیں ہاتھ باندھے اور تمہارے کارندے اس پر حملہ آور ہو گئے، کسی نے دعا
کے لیے ہاتھ بلند کیے اور تمہارے گماشتوں کا اس پر قہر نازل ہو گیا۔ تم اگر اپنے عقیدے کو ہی
درست سمجھتے ہو تو ضرور سمجھو، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، تم اگر اس کی اشاعت کرنا چاہتے تو
ضرور کرو، لیکن لوگوں کو گردن سے پکڑ کر بزعم اختیار مجبور نہ کرو کہ وہ اس پر عمل کریں۔ تم صحابہ کرامؓ،
اہل بیتؓ اور ہماری ماؤںؓ کی قبور کو نشان کی حد تک تو باقی رہنے دو، وہاں بے شک اپنے مسلک کے

مطابق تحریر کروا دو کہ فلاں عمل جائز اور فلاں بدعت ہے لیکن یوں نہ کرو کہ بنام بدعت تم نے انہیں جس طرح مٹا دیا ہے آہستہ آہستہ کسی کے علم ہی میں نہ رہے کہ یہاں کون کون دفن ہے اور ہاں ایک بات اور بھی یاد رکھو، دنیا اور یہاں کی ہر شے فانی ہے۔ جس طرح تم سے پہلے کی حکومتیں نہیں رہیں، تمہیں بھی آج نہیں تو کل اختیار سے ہاتھ دھونے ہی ہوں گے۔ یہ دیکھ لینا کہ جن کا بزعم خویش تم نے نشان مٹا دیا ہے، وہ پھر سے دنیا بھر کے سامنے ہوں گے جبکہ جو سامنے ہیں ان کا نام بھی کوئی نہیں لے گا۔ میں چند قدم آگے بڑھا۔ پریشان تھا کہ کس طرف جاؤں۔ یہ جو ہر طرف ڈھیریاں ہیں یہاں کوئی نہیں جانتا کہ ان کے نیچے کون عظیم ہستی محو خواب ہے۔ میں نے ایک بوڑھے شخص کو جو لباس سے عرب لگتا تھا، روکا۔ میں نے اس سے انگریزی میں پوچھا کہ کیا وہ انگریزی جانتا ہے۔ اس نے ہاں میں جواب دیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ شہر نبی ﷺ کا ہی کا رہنے والا ہے؟ اس نے اس سوال کا بھی ہاں میں جواب دیا تو مجھے خوشی ہوئی کہ یہ شخص یقیناً جانتا ہوگا کہ میرے سامنے پھیلی ہوئی ڈھیریوں کے سلسلوں میں کون دفن ہے؟ جب میں نے اس سے اس بارے میں پوچھا تو وہ "I know nothing" (میں کچھ بھی نہیں جانتا) کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

میں جنت البقیع کے صدر دروازے سے تھوڑا سا ہٹ کر ایک روش کے کنارے بیٹھ گیا۔ میرے علم میں تھا کہ جنت البقیع میں امہات المومنینؓ میں سے آٹھ دفن ہیں، دختران رسول ﷺ، اہل بیتؓ، سر مبارک سیدنا حسین ابن علیؓ اور دیگر اہم شخصیات کے علاوہ کم وبیش دس ہزار صحابہ کرامؓ یہاں آرام فرما ہیں جن کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ میری آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے اور دل پر چھایا ہوا بادل آج بھی کھل کر برسا۔ مجھے خیال آیا کہ پاکستان میں جن بزرگان دین کے مزارات ہیں وہ بلاشبہ بہت لائق احترام ہیں اسی سبب سے ان کے مزارات سے ان کے مرتبے کے مطابق شان وشوکت جھلکتی ہے لیکن میرے سامنے پھیلی ہوئی ڈھیریوں کے نیچے آرام فرما شخصیات کے سامنے کیا ان بزرگوں کا مقام ان کے پاؤں کی مٹی کے برابر بھی ہے؟ میں

نے اس سوال کا جواب خود ہی دیا "ہرگز نہیں" یہ جواب زبان پر آتے ہی میری نظر ایک بار پھر جنت البقیع کے وسیع و عریض قبرستان کا جائزہ لینے لگی جو بے چارگی اور ویرانی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ میری آنکھوں سے اشکوں کی روانی کچھ اور تیز ہوگئی۔ میں نے کلام پاک پڑھنا شروع کیا اور دیر تک پڑھنے کے بعد مدفونین بقیع کے لیے دعا کی اور چاہا کہ قبرستان میں ادھر ادھر پھر کر بھی قبور کی زیارت کروں اور اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جو بقیع کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کر سکے تو حاصل کروں۔ معاً خیال آیا کہ گزشتہ رات مجھے اسلم نے ایک کتاب یہ کہہ کر دی تھی کہ اس میں شہر نبی ﷺ کے بارے میں کچھ مفید معلومات درج ہیں۔ میں نے یہ کتاب اپنے دستی بیگ میں رکھ لی تھی کہ جیسے ہی موقع ملے گا، میں اس کا مطالعہ کروں گا۔ میں نے وہ کتاب بیگ سے نکالی ،اسے کھولا تو اطمینان ہوا کہ اس میں جنت البقیع اور شہدائے احد کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی تھیں خصوصاً اس میں بہت ہی اہم شخصیات کی قبور شریف کی نشاندہی نے میرے لیے بہت سہولت پیدا کردی۔

یہ وہ نگری جس میں روشن روشن چہرے رہتے ہیں

(حصہ اول)

(جنت البقیع میں امہات المومنینؓ کی خدمت میں حاضری)

زندگی میں جب جب مجھے مدینہ منورہ کی یاد آئی میں نے ہمیشہ یہی چاہا کہ آقائے دو جہاں ﷺ کے حضور حاضری کے بعد میں جب بھی جنت البقیع جاؤں گا تو سب سے پہلے امہات المومنینؓ کے حضور ہدیہ وسلام پیش کروں گا۔ آل سعود کی ''خصوصی توجہ'' کے باعث بقیع میں سوائے چند ایک کے تمام شخصیات کی قبور تک پہنچنا ایک مشکل کام ہو گیا ہے لیکن اسلم کی دی ہوئی کتاب نے میری اس طرح رہنمائی کی کہ میرا یہ مسئلہ بے حد خوبی سے حل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اسلم اور اس کتاب کو ترتیب دینے والے کو اس کا اجر عطا فرمائے۔

میں گردن جھکائے چشم تر آہستہ آہستہ چلتا ہوا گیٹ سے تقریباً (۴۵) پینتالیس میٹر دور عقیل ابن طالب کی قبر سے پانچ میٹر کے فاصلے پر وہاں آ پہنچا جہاں امہات المومنین سیدہ عائشہ بنت ابوبکرؓ، سیدہ سودہ بنت زمعتہ العامریہؓ، سیدہ حفصہ بنت عمر بن خطابؓ، سیدہ زینب بنت خزیمہ الہلالیہؓ، سیدہ ام سلمہؓ بنت ابی امیہ المخزومیہؓ، سیدہ جویریہ بنت الحارث المصطلقیہؓ، سیدہ ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیانؓ اور سیدہ صفیہ الاسرئیلیہ بنت حیٔ ابن اخطبؓ دفن ہیں۔ میں بہت دیر تک یہاں سر جھکائے کھڑا رہا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ میری زندگی کا پہلا دن ہے۔ میں نے جو پڑھا تھا، جو سوچا تھا، جو چاہا تھا اس میں سے ایک لفظ بھی میری زبان پر نہیں آ رہا تھا۔ میں اسے کیا کہوں، اپنی ماؤں کا رعب، شفقت، اپنی محبت یا اظہار ندامت۔ منہ سے لفظ تو کوئی نہیں نکلا البتہ آنکھوں کا

احسان مند ہوں کہ انہوں نے آج اظہار کے بھی پیمانے تمام کردیے۔ کافی دیر کے بعد یک لخت میری زبان سے کچھ لفظ نکلے۔ میری عظیم و لائقِ تعظیم ماؤ! یہ کہتا تھا کہ گلا رندھ گیا جیسے لفظ گلے میں اٹک گئے ہوں۔ میں سوچنے لگا کہ اہل عرب محل بنا رہے ہیں لیکن عظمتوں کے ان نشانوں کو کس بے دردی اور بے عقلی سے مٹا رہے ہیں۔ طرزِ عمل ان کا اور پشیمانی مجھے ہو رہی تھی۔ میرا دھیان اس چھوٹے سے حجرے کی طرف لوٹ گیا جہاں کائنات کے سب سے بڑے انسان نے اپنا وقت بسر کرنے میں بے حد خوشی محسوس فرمائی۔ یہ وہی حجرہ ہے جہاں دنیا بھر سے آئے ہوئے ہزاروں لوگ روزانہ حاضری دیتے ہیں اور یہ سلسلہ یقیناً قیامت تک جاری رہے گا۔ مجھے سیدہ عائشہؓ کا وہ خواب یاد آیا جس میں آپؓ نے اپنے گھر میں تین چاند اترتے ہوئے دیکھے تھے۔ جب کوئی تعبیر سمجھ میں نہ آئی تو آپؓ نے اپنے والدِ گرامی سیدنا ابوبکرؓ کے سامنے اپنا خواب پیش فرمایا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تمہارے گھر میں دنیا کے تین بہترین انسان دفن ہوں گے۔ یہ وہی گھر ہے جہاں آقائے دو جہاں ﷺ اور ان کے دو وزیر سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ دفن ہوئے۔

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کے انتقال کے بعد کفارِ مکہ نے نبی اکرم ﷺ پر اپنی ایذا رسانیوں میں بے حد اضافہ کر دیا تھا۔ آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں سیدہ زینبؓ اور سیدہ رقیہؓ تو اپنے اپنے گھروں میں تھیں، گھر میں صرف دو چھوٹی صاحبزادیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ موجود تھیں اس لیے اس گھر میں کسی ایسی خاتون کی ضرورت تھی جو نبی اکرم ﷺ اور ان دونوں بچیوں کی دلجوئی کر سکے۔ ایک رات رسالت مآب ﷺ آرام فرما رہے تھے کہ عالمِ خواب میں حضرت جبرائیلؑ ایک سبز ریشمی کپڑے پر سیدہ عائشہؓ کی تصویر لائے اور عرض کیا۔

''یا رسول اللہ ﷺ! یہ خاتون اس دنیا اور آخرت میں آپ ﷺ کی زوجہ ہیں۔'' یہ خواب آپ ﷺ کو مسلسل تین راتوں تک نظر آتا رہا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ضرور پورا ہوگا چنانچہ یہ رشتہ حضرت عثمان بن مظعون کی زوجہ حضرت خولہ بنتِ حکیمؓ کے ذریعہ طے ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے چار شادیاں کی تھیں۔ سیدہ عائشہؓ، سیدہ

زینبؓ بنت عامر میں سے تھیں جن کی کنیت ام رومان تھی۔ ایک مرتبہ رسول عربی ﷺ نے ام رومان کے بارے میں فرمایا تھا۔

''اگر کوئی شخص حوران جنت میں سے کسی عورت کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ ام رومان کو دیکھ لے۔''

ایک عالم جانتا ہے کہ حسین وجمیل ماں کی حسین وجمیل بیٹی نے نہ صرف اپنے ظاہری حسن بلکہ اپنے باطنی حسن سے تاریخ اسلام کے صفحات کو اس طرح روشن کیا کہ اس کا ایک ایک لفظ لائق فخر اور قابل رشک بن گیا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا ''آپ ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے۔''

فرمایا ''عائشہؓ ''

یہ خیال آتے ہی میں نے سیدہ عائشہؓ کی قبر مبارک کی طرف دیکھا تو میرا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ میں سوچنے لگا کہ میرے رسول ﷺ جسے اپنی محبوب ترین ہستی قرار دیتے ہیں، اہل عرب نے ان کی آرام گاہ کا یہ حال بنا رکھا ہے۔ اے اہل عرب! یہ وہی عائشہؓ ہیں جنہوں نے نہ صرف جبرائیل کو دیکھا بلکہ ان کے سلام کا جواب بھی دیا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ ایک دن میرے آقا ﷺ سیدہ عائشہؓ کے حجرہ مبارک کے باہر کسی سے دھیمی آواز میں گفتگو فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ اندر تشریف لائے تو ام المومنینؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا۔

''وہ کون تھے جن سے آپ گفتگو فرما رہے تھے۔''

آپ ﷺ نے پوچھا ''کیا تم نے انہیں دیکھا؟

آپؓ نے جواب دیا ''جی ہاں''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''تم نے آج خیر کو بہتات کے ساتھ دیکھا، وہ حضرت جبرائیل تھے۔''

پھر تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے فرمایا۔

''عائشہؓ یہ جبرائیل (علیہ السلام) ہیں۔ تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔''

سیدہ عائشہؓ نے فرمایا۔

''وعلیہ السلام'' اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے پاس آنے والے کو بہتر صلہ عطا فرمائے۔''

اے اہل عرب! آج تم پر خوشیوں کے جتنے دروازے کھلے ہیں، یہ میرے نبی ﷺ، امہات المومنینؓ، اصحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ ہی کے قدموں کے صدقے کھلے ہیں۔ دنیا اگر تمہیں عزت کی نظر سے دیکھتی ہے تو انہی کی نسبت سے لیکن تم نے تو ان کے کرم کو اپنا حق سمجھ کر وہ رویہ اختیار کر لیا ہے جو انصاف کے کسی تقاضے کو پورا نہیں کرتا۔ اے آل سعود! میں یہاں بیٹھا جن کے حضور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر رہا ہوں، ان کی خوشی پر حضور ﷺ خوش اور دکھ پر آپ ﷺ دکھی ہو جاتے تھے۔ ذرا سوچو! تم نے میرے رسول ﷺ کے اس احساس کی کتنی قدر کی۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ سیدہ عائشہؓ کی ذات وہ واحد ذات تھی جو آپؐ سے ہر بات بلا جھجک عرض کر دیتی تھیں۔ اور تو اور وہ کبھی کبھی آپ ﷺ سے خفا بھی ہو جاتیں لیکن یہ خفگی بھی اظہار عقیدت و محبت کا ایک عمدہ نمونہ ہوتی۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''اے عائشہؓ میں جانتا ہوں کہ تم کبھی مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کبھی خفا ہو جاتی ہو۔''

آپؓ نے عرض کیا۔

''یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ میری ان دو مختلف کیفیتوں کو کیسے پہنچاتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا'' جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ محمد ﷺ کے رب کی قسم اور جب تم خفا ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ ابراہیمؑ کے رب کی قسم۔''

سیدہ عائشہؓ نے فوراً عرض کیا'' یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ بالکل بجا فرماتے ہیں۔''

یہ وہی عائشہؓ ہیں جنہوں نے ایک بار رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی'' یارسول اللہ

ﷺ! میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے جنت میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں شامل رکھے۔"

آپؓ نے جواب مرحمت فرمایا۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ تم جنت میں اس مرتبے کو پہنچو تو دنیا میں کل کے لیے
کھانا بچا کر نہ رکھو اور کپڑے کو اس وقت تک بے کار نہ سمجھو جب تک اس
پر پیوند لگ سکتا ہے۔"

دنیا جانتی ہے کہ آپؓ زندگی بھر اسی نصیحت اور وصیت کا عملی نمونہ رہیں۔ آپؓ کے پاس جو کچھ آتا، راہ خدا میں دے دیتیں، کل کے لیے کھانا بچا کر نہ رکھتیں، کپڑا پھٹ جاتا تو سی لیتیں اور جب وہ پہننے کے قابل نہ رہتا تو پیوند لگا لیتیں۔ اے آل سعود! کیا تم نہیں جانتے کہ سورۂ نور میں سیدہ عائشہؓ کی پارسائی میں خود رب قدیر اور حضرت جبرائیل نے شہادت دی اور یہ وہ آیات ہیں جن کی ملائکہ و مومنین تا قیامت تلاوت کرتے رہیں گے۔ یہ وہی ام المومنینؓ ہیں جن کے طفیل آیت تیمم نازل ہوئی۔ جن کی شان میں حسانؓ بن ثابت نے قصیدہ کہا، جو محدثین کے طبقۂ اول میں امتیازی ممتاز حیثیت رکھتی ہیں، جن سے دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں، جن میں سے بخاری اور مسلم شریف میں ایک سو چودہ متفقہ علیہ ہیں، جو خطابت میں سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا علیؓ کے سوا تمام صحابہؓ میں ممتاز ہیں، جن کی آغوش میں نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہوا، جن کے حجرے میں آپ ﷺ دفن ہوئے، جنہوں نے دینی معاملات میں امت کو درپیش الجھنوں پر بذریعہ اجتہاد فتوے جاری فرما کر الجھنوں کو بطریق احسن دور کیا، جن کی موجودگی میں وحی نازل ہوتی اور جو قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، تاریخ عرب اور علم نسب میں سب سے آگے تھیں۔

میں نے ایک بار پھر سر اٹھایا تو ایک پولیس والے کو دو اجنبیوں سے الجھتے ہوئے دیکھا جو قبور اہل بیت پر کھڑے ہو کر دعا مانگ رہے تھے۔ میں نے اس جھگڑے سے بے نیاز ہو کر

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے لیے فاتحہ پڑھی۔ اپنی گزارشات بالکل اسی انداز میں ان کے حضور پیش کیں جس طرح ایک غمزدہ بیٹا اس یقین کے ساتھ اپنا قصہ، غم اپنی ماں کو سناتا ہے کہ اس کے دکھوں کا بہر حال مداوا ہوگا۔

اب دل ہی دل میں میں ام المومنین سیدہ سودہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سبھی امہات المومنینؓ تشریف فرما ہیں اور میں باری باری سبھی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتا جاؤں گا۔ میں نے انتہائی ادب کے ساتھ گردن جھکا کر سیدہ سودہؓ کی خدمت میں ہدیہ، سلام پیش کیا۔ میرے منہ سے نکلا "اے ام المومنین! آپؓ نے حرم نبوی ﷺ میں داخل ہونے کا اعزاز اس وقت حاصل کیا جب آقائے نامدار ﷺ کی سیدہ خدیجہؓ سے پچیس سال کی انتہائی محبت بھری رفاقت انؓ کی موت کے سبب ختم ہوگئی تھی۔ مجھے آپؓ کے وہ خواب یاد آ رہے ہیں جو آپؓ نے بیوہ ہونے سے پہلے دیکھے تھے۔ آپؓ نے جب پہلا خواب دیکھا تو اپنے شوہر سکرانؓ بن عمرو سے اس کی تعبیر پوچھی تھی۔ آپؓ نے دیکھا تھا کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے ہیں اور انہوں نے اپنے مبارک پاؤں آپؓ کی گردن پر رکھ دیے ہیں۔ آپؓ کو یاد ہوگا کہ سکرانؓ نے اس کی تعبیر یہ بتائی تھی کہ ان کا انتقال ہو جائے گا اور آپؓ ام المومنین ہونے کا شرف حاصل کریں گی۔

اس خواب کے کچھ دنوں بعد آپؓ نے ایک اور خواب دیکھا تھا۔ آپؓ نے دیکھا تھا کہ آپؓ لیٹی ہوئی ہیں۔ آسمان پر چاند چمک رہا ہے۔ وہ اچانک ٹوٹ کر آپؓ کے اوپر آن گرا ہے۔ آپؓ نے یہ خواب جب اپنے شوہر کو سنایا تھا تو انہوں نے اس کی یہ تعبیر بتائی تھی کہ ان کا عنقریب انتقال ہونے والا ہے اور آپؓ رسول عربی ﷺ کے نکاح میں آ جائیں گی۔ سکرانؓ اسی دن بیمار پڑ گئے اور چند روز بعد انتقال کر گئے۔ آپؓ بیوہ ہوگئیں تو آپؓ کی عدت کے پورے ہوتے ہی حضرت خولہ بنت حکیمؓ آپؓ کے والد گرامی حضرت زمعہ بن قیس کے پاس آئیں اور آپؓ کے لیے نبی اکرم ﷺ کی طرف سے رشتے کا پیغام دیا۔ انہوں نے اسے اپنے لیے اعزاز سمجھا لیکن

حضرت خولہ بنت حکیمؓ کو سیدہ سودہؓ سے پوچھ لینے کا مشورہ دیا۔ اس وقت آپؓ کی عمر مبارک پچاس سال تھی۔ جب حضرت خولہ بنت حکیمؓ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؓ نے انہیں فرمایا تھا۔

> "میں محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائی ہوں۔ وہ میرے ہادی بھی ہیں اور رہنما بھی۔ میرے آقا بھی ہیں اور مولا بھی۔ میری ذات کے متعلق انہیں مکمل اختیار ہے، وہ جو چاہیں فیصلہ فرمادیں۔"

اے ام المومنینؓ! آپؓ کا اعزاز ہے کہ آپؓ اس وقت اسلام سے شرف یاب ہوئیں جب لوگ اس کی شدت سے مخالفت کر رہے تھے۔ آپؓ نہ صرف خود مسلمان ہوئیں بلکہ آپؓ نے اپنے کنبے کے اکثر لوگوں کو بھی سعادتِ اسلام سے سرفراز کیا۔ آپؓ نے اپنے شوہر سکرانؓ کے ساتھ ہجرتِ حبشہ بھی فرمائی۔ اہل مکہ آپؓ کو شروع ہی سے صالح، حق پسند اور دوراندیش خاتون سمجھتے تھے اور آپؓ مسائل کو نہایت تحمل اور دوراندیشی سے حل کرنے میں خصوصی مقام رکھتی تھیں۔

اے ام المومنینؓ! آپؓ نے سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہؓ کو سگی ماؤں کی طرح اس انداز میں پروان چڑھایا کہ لوگ عش عش کر اٹھے۔ آپؓ نے آقائے نامدار ﷺ کو گھر کی سبھی فکروں سے آزاد کر دیا جس پر آپ ﷺ تبلیغِ دین پر بھرپور توجہ دے سکے۔ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپؓ دونوں شہزادیوں کے ساتھ مکہ ہی میں رہیں۔ سات ماہ بعد آپؓ نبی اکرم ﷺ کے حکم پر سیدہ ام کلثومؓ، سیدہ فاطمہؓ، سیدنا ابوبکرؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کے اہل خانہ کے ساتھ شہرِ نبی ﷺ میں تشریف لائیں۔ اے ام المومنینؓ! آپؓ کے حوصلے اور عالی ظرفی کا ایک عالم اعتراف کرتا ہے۔ سوائے سیدہ خدیجہؓ کے میری بھی محترم و معظم مائیں آپؓ کی موجودگی میں حرمِ نبی ﷺ میں داخل ہوئیں لیکن آپؓ کے منہ سے زندگی بھر ان کے خلاف ایک لفظ بھی نہ نکلا بلکہ آپؓ نے انہیں ہمیشہ اپنی محبت اور احترام سے اپنا گرویدہ کیا۔ مجھے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا فرمان یاد آ رہا ہے۔ وہ فرمایا کرتیں۔

ام المومنین سیدہ حفصہؓ! آپؓ اس دن اس دنیا میں تشریف لائیں جب رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی فہم وفراست سے قریش کو خانہ جنگی سے بچایا۔ آپ ﷺ نے حجرِ اسود کو ایک چادر میں رکھ کر اسے اپنے دستِ مبارک سے خانہ کعبہ میں نصب فرما کر قریش کے قبائل کو ایک بہت بڑے تصادم سے اس طرح بچایا کہ سبھی آپ ﷺ کی عظمت کے گن گانے لگے۔ اسی خوشی کے موقع پر سیدنا عمرؓ کو سیدہ زینب کے بطن سے آپؓ کی پیدائش کی اطلاع ملی۔ آپؓ کی شادی کفار ومشرکین کی طرف سے ملنے والی ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے والے بنو سہم کے نوجوان حضرت خنیس بن حذافہؓ سے ہوئی۔ آپؓ نبوت کے تیرہویں سال اپنے والدِ گرامی حضرت عمرؓ، شوہر اور دیگر لوگوں کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائیں۔ آپؓ کے شوہر نے اپنے آپ کو شمع رسالت کا پروانہ ثابت کیا اور جنگ بدر میں اسلام کی بقا کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے خود کو شہادت کے عظیم درجے پر فائز کیا۔ اس طرح آپ صرف اکیس سال کی عمر میں بیوہ ہو گئیں۔

ام المومنین! آپؓ نے جس گھریلو ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہاں کا ہر فرد بے خوف اور بے لوث تھا۔ بہادری، بے باکی اور جراءت اس گھر کے ہر فرد کی شخصیت کی پہچان تھی۔ نکتہ آفرینی، سخن فہمی اور صاف گوئی آپ کو وراثت میں ملی تھی۔ کسی کی چاپلوسی کرنا، وہ بات جو آپؓ کو ناپسند ہو اس پر خاموش رہنا اور بلاوجہ کسی کی تعریف کرنا آپؓ کی شخصیت کے بنیادی اوصاف کے خلاف تھا۔ آپؓ کی شخصیت کے اس پہلو کو نجانے کیوں آپؓ کے مزاج کی تیزی کا نام دیا گیا؟

اے ام المومنینؓ! آپ کی بیوگی کا دکھ میرے آقا سیدنا عمرؓ کے لیے سوہانِ روح بن گیا تھا۔ آپؓ کے بیوہ ہونے سے کچھ عرصہ قبل سیدنا عثمانؓ کی اہلیہ سیدہ رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ سیدنا فاروقؓ آپ کا رشتہ لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ انہوںؓ نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ ان کا ابھی شادی کرنے کا ارادہ نہیں۔ اس کے بعد سیدنا فاروق یہی خواہش لے کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے تھے۔ جب سیدنا فاروقؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا تو وہ

''میں نے سودہؓ کے سوا کسی عورت کو جذبہ رقابت سے خالی نہیں دیکھا نیز
ان کے سوا کسی اور عورت کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوئی
کہ اس کے جسم میں میری روح ہو۔''

آپؓ نے زندگی بھر نبی اکرم ﷺ کی خوشی کو اپنی خوشی اور ان ﷺ کی راحت کو اپنی راحت سمجھا۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے علاوہ آپؓ کو نبی اکرم ﷺ کے حرم میں رہنے کا سب سے زیادہ موقع نصیب ہوا۔ آپؓ نے اس عظیم ترین سعادت میں چودہ سال گزارے۔ ایمان کی حلاوت نے آپؓ کے مزاج میں شگفتگی اور خوش خلقی پیدا کر دی تھی۔ آپؓ اہل محفل کی دل جوئی کا خاص انداز رکھتی تھیں اور جس محفل میں آپ تشریف فرما ہوتیں اسے کشت زعفران بنا دیتیں۔ آپؓ قربانی اور محبت کے جذبے سے سرشار تھیں، اسی لیے آپؓ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہؓ کے یہاں وقت گزارنے کو پسند فرماتے ہیں، آپؓ نے اپنی باری کا وقت انہیں ہبہ کر دیا۔ آپؓ کا شمار محدثین کے پانچویں طبقے میں ہوتا ہے۔ آپؓ سے پانچ احادیث مروی ہیں جن میں سے صرف ایک بخاری شریف میں جبکہ دیگر چار دوسری کتب میں موجود ہیں۔ آپؓ نے آنحضرت ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا اور ساری زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے رستے پر چلتے ہوئے خدمت خلق میں مصروف رہیں۔ اے ام المومنین! آپ تک مجھ عاجز و حقیر کا سلام پہنچے اور میری حاضری قبول ہو۔

ام المومنین سیدہ سودہؓ کی خدمتِ اقدس میں حاضری اور ان کے لیے فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد میں ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمرؓ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔

ام المومنین! میری گردن آپؓ کے حضور ادب واحترام سے جھکی ہوئی ہے۔ میری آنکھیں اپنی نمی کا نذرانہ پیش کر رہی ہیں۔ میرے لبوں سے آپؓ کی جراءت، فہم و فراست، پارسائی اور عبادت گزاری کے لئے کلمات سپاس وعقیدت رواں ہیں اور میرا دل آپؓ کی عقیدت سے بھرا ہوا ہے۔ میری حاضری اور سلام قبول ہو۔

بالکل خاموش ہو گئے جس سے سیدنا فاروقؓ خاصے رنجیدہ ہوئے تھے۔ کچھ روز بعد آپؓ کے والد گرامی سیدنا عمرؓ نے اس کا تذکرہ آقائے دوجہاں ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔

''پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی اس شخص سے ہوگی جو (حضرت) ابوبکرؓ اور (حضرت) عثمانؓ سے افضل ہے اور (حضرت) عثمانؓ کی شادی اس خاتون سے ہوگی جو (حضرت) حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بہتر ہے۔''

سیدنا فاروقؓ کو آپ ﷺ کے اس فرمان کے بعد کلیتاً اطمینان ہوگیا۔ پھر حبیب کبریا ﷺ نے آپ کا رشتہ آپؓ کے والدِ ذی شان سے مانگا جس کے نتیجے میں آپؓ اس اعزاز سے مشرف ہوئیں جو بے بدل و بے مثال ہے۔

ام المومنین! آپؓ کی زندگی دنیا بھر کی عورتوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپؓ اخلاق کا بہترین نمونہ، ایمان و ایقان کی مضبوطی میں بے مثال، زہد و ریاضت میں ہر وقت مصروف رہنے والی، محبت رسول اللہ ﷺ میں ہمیشہ غرق، پیکرِ وفا، رات بھر عبادت میں گزارنے والی، کثرت سے روزے رکھنے والی اور دین کے احکام کی نہ صرف خود تکمیل کرنے والی بلکہ ان کی بجا آوری کے لیے دوسروں کو بھی تلقین کرنے والی ہیں۔ آپ کا یہ اعزاز دنیا بھر کی عورتوں کے لیے باعث فخر ہونا چاہیے کہ آپؓ نہ صرف کاتبِ وحی ہیں بلکہ اس قرآنی نسخے کی امین رہی ہیں جسے مختلف صحابہ کرامؓ کے پاس محفوظ قرآنی اجزاء کو کتابی شکل میں مدون کرکے معروف مصحفِ صدیقی کی شکل دینے میں بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے اور پھر مصحفِ صدیقی آپؓ ہی کی تحویل میں رہا۔ اہل سیر کے مطابق رسول عربی ﷺ نے اپنی مبارک زندگی ہی میں قرآن پاک کے تمام کتابت شدہ اجزاء یک جا کرکے سیدہ حفصہؓ کے پاس رکھوا دیئے تھے جو زندگی بھر آپؓ کے پاس محفوظ رہے۔ عہد عثمانی میں مصحفِ صدیقی پر اعراب لگا کر اسے حضرت عثمانؓ نے اپنی مہر کے ساتھ مختلف شہروں میں ارسال کیا تاکہ تلاوت کلام پاک میں اختلاف کی صورت باقی نہ رہے۔ اس طرح

قرآن پاک کی ترتیب، تدوین اور حفاظت میں آپؓ نے جو اہم کردار ادا فرمایا اس کے لیے ہم تاقیامت آپؓ کے احسان مند رہیں گے۔

میں انہی خیالوں میں گم تھا کہ کہیں سے ایک عجیب وغریب آواز آئی۔ میں چونکا۔ دیکھا کہ ایک سیاہ فام آوازیں نکال نکال کر جنت البقیع میں موجود کبوتروں کو دانہ ڈال رہا ہے۔ میں اسے نظر انداز کر کے یہ سوچنے لگا کہ میں جن ہستیوں کے حضور حاضر ہوں، کیا اہل اختیار کو ان کی قبور شریف کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہیے؟ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے "اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو" لیکن بقیع کا یہ قبرستان چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ آل سعود نے میرے آقا ﷺ کی بیویوں اور ہماری ماؤںؓ کے ساتھ ساتھ ہمارے دیگر سرداروں اور آنکھ کے تاروں کے ساتھ وہ سلوک روا کر رکھا ہے جس کے لیے اہل اختیار کی طرف سے دی جانے والی کوئی بھی دلیل ہمیں قبول نہیں۔ ارے پتھر کا دل رکھنے والو! میری ماں سیدہ حفصہؓ نے تمہاری آنے والی نسلوں کے لیے قرآن کی پاسبانی کی تم نے انہیں بے نشان کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے آنے والی صدیوں کو ایمان کی روشنی سے منور کر دیا اور تم نے انہی کے سرہانے سے پہچان کے سبھی اشارے ہٹا کر ان کی آخری آرام گاہ کو روشنی تک سے محروم کر دیا۔

میں آل سعود کے اس ذیل میں رویے کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، سچی بات تو یہ ہے کہ اس رویے کے اظہار کے لیے الفاظ میرا ساتھ نہیں دے رہے لیکن میں خوش ہوں کہ میری آنکھوں اور ان سے بہنے والے آنسوؤں نے ایسے ہر مرحلے پر جس طرح مجھ سے وفا کی میں تاعمر ان کا احسان مند رہوں گا۔

میرا سیاہ فام دوست کبوتروں کو دانہ چگوا کر نجانے کس طرح کا اطمینان حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ کچھ دیر یہ کار خیر انجام دے کر چلا گیا تو میں نے پھر اپنی عظیم ماؤں کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔ میں ایک بار پھر ام المومنین سیدہ حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؓ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے ہی مجھے وہ روایت یاد آئی جس کے مطابق تاجدار عرب وعجم

سیدالانبیاء ﷺ نے ام المومنین کو ایک طلاق رجعی دی تھی۔ جب سیدنا عمر فاروقؓ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے شدت غم میں اپنے سر پر مٹی ڈال لی۔ انہوں نے اپنی بیٹی سے فرمایا۔

''اس کے بعد اللہ کی نظر میں میری اور نہ ہی تیری کوئی قدر و منزلت رہی۔''

اس واقعہ کی اطلاع جب آپؓ کے ماموؤں عثمان اور قدامہ وغیرہ کو ہوئی تو وہ غم میں ڈوبے ہوئے آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؓ نے فرمایا۔

''اللہ کی قسم! نبی اکرم ﷺ نے مجھے اکتا کر طلاق نہیں دی۔''

ابھی آپؓ کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ نبی اکرم ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ نبی اکرم ﷺ کو دیکھتے ہی آپؓ نے پردہ کر لیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا۔

''حضرت جبرائیلؑ آئے تھے اور کہا تھا کہ میں حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے رجوع کر لوں کیونکہ وہ کثرت سے روزے رکھنے والی اور شب بیدار ہے اور جنت میں میری زوجہ ہوگی۔''

اے ام المومنین! احادیث کی کتابوں میں آپؓ سے ساٹھ احادیث کو نقل کیا گیا ہے جو آپؓ نے نبی اکرم ﷺ اور حضرت عمرؓ سے سنی تھیں۔ ان میں سے چار متفق علیہ ہیں۔ صرف چھ صحیح مسلم شریف اور باقی احادیث کی دوسری کتابوں میں درج ہیں۔ آپؓ کی خدمت میں میرا سلام پہنچے۔ آپؓ کی مرقد مبارک پر اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رحمتوں کا نزول فرماتا رہے۔ میں نے ایک بار پھر فاتحہ پڑھی اور اب ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

اے ام المومنین! میرا عاجزانہ سلام قبول ہو۔ آپؓ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ غریبوں اور مستحقوں کی مدد میں گزرا۔ آپؓ بچپن ہی سے غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلا کر خوش ہوتیں۔ بنو ہلال میں آپؓ کی فیاضی اور سخاوت کی گرد تک کوئی اور نہیں پہنچ سکا۔ آپؓ اپنے منہ کا نوالہ تک دوسروں کو عطا کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ فرماتیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ ابتدا ہی سے ام المساکین کے نام سے پکاری جانے لگیں۔

آپؓ کے حرمِ نبوی ﷺ میں داخل ہونے سے پہلے تین نکاح ہوئے۔ پہلا طفیل بن حارثؓ سے جنہوں نے آپؓ کو طلاق دے دی۔ دوسرا حضرت عبیدہ بن حارثؓ سے۔ یہ وہی عبیدہؓ ہیں جنہیں مکہ معظمہ میں سیدنا بلال کے اسلامی بھائی ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ انہوں نے جنگِ بدر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر اپنی جان قربان کر کے شہادت کی عظمت حاصل کی۔ حضرت عبیدہؓ کو اہل مدینہ شیخ المہاجرین کے نام سے بھی پکارتے تھے۔ حضرت عبیدہؓ کی جان نثاری اور بہادری کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ جب بدر میں صف آرائی کے بعد عتبہ، شیبہ اور ولید میدان جنگ میں اترے اور مبارزت طلب کی تو نبی اکرم ﷺ نے علیؓ، حمزہؓ اور عبیدہؓ کو مقابلے کے لیے حکم دیا۔ علیؓ اور حمزہؓ نے تو اپنے مدِ مقابل عتبہ اور شیبہ کو تھوڑی ہی دیر میں جہنم واصل کر دیا لیکن عبیدہؓ اور ولید میں بہت دیر تک کشمکش جاری رہی۔ ولید کو علیؓ اور حمزہؓ نے واصلِ جہنم کیا۔ اس لڑائی میں عبیدہؓ کا پاؤں شہید ہو گیا اور بدن زخموں سے چور ہو گیا۔ بدر میں فتح یاب ہونے کے بعد جب آپ ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ مقام صفراء پر پہنچے تو عبیدہؓ اللہ کو پیارے ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ بہت عرصے بعد آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ یہاں سے گزرے۔ آپ ﷺ نے رات کو یہیں قیام فرمایا۔ ہوا چلی تو ہر طرف خوشبو ہی خوشبو پھیل گئی۔ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے خوشبو کا سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا۔

''عبیدہؓ کی قبر یہاں ہوتے ہوئے تمہیں اس خوشبو پر تعجب کیوں ہے۔''

حضرت عبیدہؓ کے بعد آپؓ کا نکاح نبی اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا جو غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت تاریخ اسلام میں ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ جنگ سے ایک دن پہلے انہوں نے رب قدیر سے انتہائی عاجزی کے ساتھ دعا کی۔

''اے اللہ! مجھے جنگ میں ایسا مقابل عطا فرما جو نہایت بہادر اور غیظ و غضب والا ہو۔ میں تیری راہ میں اس سے اس وقت تک جنگ کروں کہ

وہ مجھے قتل کر کے میرے کان اور ناک کاٹ ڈالے۔ جب میں تجھ سے
ملوں تو تو فرمائے۔ اے عبداللہ! تیرے کان اور ناک کیوں کاٹے گئے تو
میں عرض کروں، تیرے لیے اور تیرے رسول ﷺ کے لیے۔ اے اللہ!
میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ میں غنیم سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ وہ مجھے
قتل کر کے میرا مثلہ کر دے۔''

جنگ شروع ہوئی۔ عبداللہ اس جوش سے لڑے کہ ان کی تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔
نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک کھجور کی چھڑی عطا فرما دی جس سے انہوں نے تلوار کا کام لیا۔ آخرکار
ابوالحکم ابن اخنس ثقفی نے اپنی تلوار کے وار سے انہیں شہادت سے ہمکنار کیا۔ مشرکین نے مثلہ کیا
اور ان کے کان اور ناک کاٹ کر دھاگے میں پروئے اور تاریخ کے اوراق میں "المجدع فی اللہ"
کے منفرد لقب سے سرفراز ہوئے۔ ام المومنین! آپؓ نے اس دار فانی میں صرف تیس سال کی عمر
پائی۔ ان تیس برسوں میں آپؓ پر کیا کیا صدمے نہ ٹوٹے لیکن آپؓ صبر و رضا میں اپنی مثال آپ
تھیں۔ آپؓ کی صداقت، سخاوت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا آپؓ کو وہ انعام ملا جس
پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ حضرت عبداللہؓ کی شہادت کے بعد اللہ کے محبوب ﷺ نے آپؓ کو
اپنے حرم میں شامل کرنے کے لیے پیغام بھیجا تو آپؓ نے جواب دیا۔

''میرے معاملے میں آپ ﷺ خود مختار ہیں۔''

آپؓ کے اس جواب کے بعد آپؓ ام المومنین ہونے کے اعزاز سے سرفراز ہوئیں۔
ہر چند فضیلت کا یہ تاج اس دنیا میں صرف آٹھ ماہ تک آپؓ کے سر کی زینت بنا لیکن یہ فضیلت تا
قیامت آپؓ کا حق ہے اور آپؓ ہی کو زیبا ہے۔

اے ام المومنین! آپؓ کا یہ اعزاز بھی آپؓ ہی کا حصہ ہے کہ آپؓ کے انتقال پر آقائے
دو جہاں ﷺ کی آنکھیں پرنم تھیں، لب پر حمد و ثنائے رب قدیر اور دل میں آپؓ کی جدائی کا غم تھا۔
آپ ﷺ ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی تدفین کے لیے جنت المعلیٰ تشریف لے گئے تھے

اور انؓ کے بعد یہ عزت اور عظمت آپؓ کو نصیب ہوئی کہ آپؓ کی نماز جنازہ ورسالتمآب ﷺ نے خود پڑھائی۔ اے ام المومنین! آپؓ کی محبت میں ڈوبا ہوا آپؓ کا یہ ادنیٰ غلام آپؓ کی خدمت میں سلامِ عقیدت پیش کرتا ہے۔ خدائے عزوجل کی ذات آپؓ کی روشن زندگی پر یقیناً خوش ہوگی۔ وہ آپؓ پر ہمیشہ اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے۔ میں نے سیدہ زینب بنتِ خزیمہؓ کے لیے فاتحہ پڑھی اور پھر اسی عالم میں ام المومنین سیدہ ام سلمہ بنتِ ابی امیہؓ کے حضور حاضر ہوا۔

ام المومنینؓ! جنت البقیع کی ان اداس فضاؤں میں پاکستان کے ایک پسماندہ علاقے سے آیا ہوا آپ کا غلام اور بیٹا اپنے اداس دل کے ساتھ آپؓ کی خدمت میں اپنا عاجزانہ سلامِ عقیدت پیش کرتا ہے۔ آپ قریشِ مکہ کے ایک محترم خاندان مخزوم کی قابلِ فخر بیٹی ہیں۔ ام المومنین محترمہ و معظمہ بنتؓ! آپؓ کے والدِ محترم کی فیاضی اور سخاوت نے انہیں زادالراکب کے لقب سے اس لیے مشہور کر دیا تھا کہ وہ جب بھی سفر پر جاتے، پورے قافلے والوں کی کفالت کرتے۔ یہ انہی کی تربیت کا اثر تھا کہ آپؓ کے ہر عمل سے وقار، حکمت، اعتماد اور امارت جھلکتی تھی۔ آپؓ بعثت سے نو سال قبل اکتیس عام الفیل میں اس دنیا میں تشریف لائیں۔ آپؓ کی شادی نبی اکرمؐ کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی حضرت عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوئی۔ آپ کے صاحبزادے سلمہؓ کی نسبت سے آپؓ دونوں میاں بیوی کی کنیت ابوسلمہؓ اور ام سلمہ تھی۔ ابوسلمہؓ نے اس وقت اسلام قبول فرمایا تھا جب ہادی برحق، آقائے دوجہاں ﷺ ابھی درپردہ تبلیغ فرما رہے تھے اور ابھی صرف دس افراد ہی اپنے دلوں کو اسلام کی روشنی سے منور کر سکے تھے۔

ام المومنینؓ! آپؓ اور حضرت ابوسلمہؓ نے مشرکین کے ہاتھوں جو ستم جھیلے ان کا بیان دل کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔ مسلمانوں کا وہ اولین گروہ جو مشرکین کے ظلم و ستم کے باعث نبی اکرم ﷺ کی اجازت سے حبشہ گیا تھا، آپؓ دونوں اس میں شامل تھے۔ جب مشرکین مکہ نے دھوکہ بازی سے مہاجرین تک یہ خبر پہنچا کر انہیں واپس مکہ بلوایا کہ قریشِ مکہ کی آنحضرت ﷺ سے نہ صرف صلح ہو گئی ہے بلکہ وہ سب مسلمان ہو گئے ہیں تو آپؓ اور آپؓ کے شوہر مکہ معظمہ لوٹ

آئے جہاں ابوسلمہؓ اور آپؓ کو حضرت ابوسلمہؓ کے ماموں ابوطالب کی پناہ حاصل کرنی پڑی۔

ام المومنینؓ! آپؓ کو یاد ہوگا کہ ایک دن آپؓ کے قبیلے والے جھگڑے کی نیت سے ابوطالب کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ انہوں نے ان کے قبیلے کے آدمیوں کو کس واسطے پناہ دی۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ ابوسلمہؓ ان کے بھانجے ہیں، اس لیے وہ انہیں پناہ دینے میں حق بجانب ہیں لیکن آپؓ کے قبیلے والوں نے جھگڑے کو بے حد بڑھا دیا۔ ابوطالب پر حد سے زیادہ دباؤ ڈالا۔ دباؤ اتنا شدید تھا کہ ابولہب جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا صلہ رحمی کے زیر اثر بول پڑا۔

"اے بنی مخزوم! تم لوگوں نے ابوطالب سے ازحد زیادتی کر لی۔ تم اگر ان کو مزید تنگ کرو گے تو میں ان کی حمایت میں سامنے آ جاؤں گا۔" آپؓ کے قبیلے بنی مخزوم والوں نے جب ابولہب کے یہ تیور دیکھے تو یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔

"اے ابوعتبہ! ہم تمہیں کسی بھی طرح ناراض نہیں کر سکتے۔"

ام المومنینؓ! آپؓ اور حضرت ابوسلمہؓ کو حالات کی ناقابل بیان تنگی کے زیر اثر نبی اکرم ﷺ کی اجازت سے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی جہاں سے کچھ عرصہ بعد آپؓ اور حضرت ابوسلمہؓ واپس مکہ معظمہ آ گئے۔

اے میری ام عظیم! آپؓ پر اس وقت کیا بیتی ہوگی جب آپؓ حضرت ابوسلمہؓ کے ساتھ ہجرت کے لیے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہونے لگیں۔ آپؓ کے خاندان والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے راستہ روک لیا اور ابوسلمہؓ سے کہا۔

"تم جہاں بھی جانا چاہتے ہو جاؤ لیکن ہم اپنی لڑکی کو کہیں نہیں جانے دیں گے۔"

"یہ میری بیوی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جانے کا حق رکھتا ہوں۔" ابوسلمہؓ نے جواب دیا لیکن آپؓ کا خاندان بضد رہا۔ بات بہت آگے بڑھ گئی۔ حضرت ابوسلمہؓ ایک بہادر آدمی تھے لیکن ہادی برحق ﷺ کی ہدایت کے مطابق انہوں نے لڑائی سے پرہیز کیا۔ آپؓ کے

خاندان والے آپ کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانے لگے تو حضرت ابو سلمہؓ نے آپؓ سے کہا۔

''ام سلمہؓ حق پر قائم رہنا''

آپؓ نے جواباً فرمایا ''اطمینان رکھو۔ جان تو جا سکتی ہے، ایمان نہیں، اگر اللہ کو منظور ہوا تو ضرور ملاقات ہوگی۔''

حضرت ابو سلمہؓ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لیے اپنا گھر، اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے تو ان کے خاندان والے آپؓ کے خاندان والوں سے الجھ پڑے۔ ان کا موقف تھا کہ اگر آپؓ کے خاندان والے ابو سلمہؓ سے اپنی لڑکی چھین سکتے ہیں تو پھر وہ اپنے بچے کو آپؓ کے خاندان والوں کے پاس کیوں رہنے دیں۔ دونوں خاندانوں کے مابین بچے کے لیے چھینا جھپٹی شروع ہو گئی۔ بچے کے بازو اتر گئے اور آخر کار لڑکے والے بچے کو لے گئے۔ اس طرح آپؓ سے گھر، شوہر اور بچہ چھن گیا۔

میں تاریخ کے انہی دھاروں میں بہا چلا جا رہا تھا کہ کسی نے میرا کندھا آہستہ سے تھپتھپایا۔ میں نے گردن اٹھائی۔ وہاں دو آدمی کھڑے تھے۔ انہوں نے مجھ سے حضرت عثمانؓ کی قبر مبارک کا رستہ پوچھا۔ میں نے کھڑے ہو کر انہیں رستہ بتایا۔ اس دوران میں، میں نے قبرستان کو مزید توجہ سے دیکھا۔ مجھے یوں لگا کہ اس کی ویرانی میں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد آ جانے کے باعث قدرے کمی ہوئی ہے۔ میں سوچنے لگا کہ جب یہ سب لوگ چلے جائیں گے تو پھر یہاں کا کیا منظر ہوگا۔ میرا دل عجیب سی افسردگی میں ڈوب گیا۔ میں اسی عالم میں اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ خیال آیا کہ سیدہ ام سلمہؓ سے مشرکین نے گھر، شوہر اور بچہ چھین لیا۔ آپؓ کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپؓ کے روحانی بیٹوں نے آپؓ کی ان کبھی قربانیوں کا آپؓ کو کیا صلہ دیا؟ آپؓ اور دیگر اہل بقیع کی قبور خاموشی کی زبان میں یہ کہتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں کہ جب کسی قوم پر احسان فراموشی کے اثرات کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنے محسنوں سے بے اعتنائی کا عمل شروع کر دیتی ہے اور پھر وہ اپنے اس نامناسب طرزِ عمل کیلئے عجیب عجیب دلیلیں بھی پیش کرتی

ہے۔ میری آنکھیں ندامت کے آنسو بہانے لگیں۔ میں نے سیدہؓ کے حضور اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے آپؓ کی زندگی کے ان پُر الم دنوں کو یاد کرنا شروع کر دیا جب آپؓ روزانہ اس جگہ جاتیں جہاں آپؓ نے اپنے شوہر ابو سلمہؓ کو ہجرت مدینہ کے لیے خدا حافظ کہا تھا۔ آپؓ وہاں گریہ زاری کرتیں اور رب قدیر سے اپنی مشکلات کو ختم کرنے کی دعائیں مانگتیں۔ ایک دن آپؓ کے ایک عزیز کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے آپؓ کی یہ حالت دیکھی تو خاندان والوں سے انتہائی دردمندی سے آپؓ کی سفارش کی۔ خاندان والوں کو بھی رحم آ گیا۔ انہوں نے آپؓ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ اللہ کے فضل و کرم سے بنی عبدالاسد کا بھی دل نرم ہوا۔ انہوں نے آپؓ کا فرزند سلمہؓ آپؓ کو دے دیا۔ آپؓ وقت ضائع کیے بغیر اکیلی ہی اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر عبدالدار کے ایک نہایت رحمدل شخص عثمان بن طلحہ کی آپؓ پر نظر پڑی۔ وہ مشرک تھے اور کعبہ کے کلید بردار تھے۔ ان دنوں شرفا کی عورتوں کا تنہا سفر کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ عثمان کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ ایک معزز خاتون اس طرح تنہا سفر کرے۔ انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑی اور آگے آگے چل پڑے۔ راستے میں عثمان کا طرز عمل ایسا مثالی تھا کہ آپؓ کرتیں۔

''میں نے عثمان جیسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا۔''

عثمان نے آپؓ کو انتہائی احترام کے ساتھ مدینے پہنچایا اور پھر پیدل واپس مکہ لوٹ آئے۔ رب قدیر نے انہیں ان کی اس خدمت کا یہ عظیم صلہ عطا فرمایا کہ وہ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے اور اسلام کی دولت لازوال سے مالا مال ہوئے۔

مدینہ منورہ میں آپؓ کی تشریف آوری کو لوگوں نے ایک حیرت انگیز واقعہ کے طور پر دیکھا۔ آپؓ کے مدینہ منورہ آتے ہی خوشیوں نے ایک بار پھر آپؓ کے قدم چوم لیے۔

اے ام المومنین! آپؓ کو پوری طرح یاد ہوگا کہ آپؓ نے ابو سلمہؓ سے کہا تھا۔ ''ابو سلمہ!

میں نے سنا ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں جنتی ہوں، ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور پیچھے رہ جانے والا دوسرا نکاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں جمع فرما دیتا ہے۔''

حضرت ابو سلمہؓ نے آپؓ سے کہا۔

''تم یہ بات اسی لیے کہہ رہی ہو نہ کہ ہم عہد کر لیں کہ ہم میں سے جو بھی پہلے مر جائے، دوسرا نکاح نہ کرے۔''

آپؓ نے جواب دیا ''میں یہی چاہتی ہوں۔''

''اگر تم یہی چاہتی ہو تو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جب میں مر جاؤں تو تم نکاح کر لینا۔''

حضرت ابو سلمہؓ نے یہ نصیحت فرمانے کے بعد دعا کی ''اے اللہ! میرے بعد ام سلمہ کو مجھ سے بہتر شوہر نصیب کرنا جو اسے رنج و غم سے محفوظ رکھے۔''

ہجرت کے تیسرے سال غزوہ احد میں ابو سلمہ ایک حبشی جس کا نام بھی ابو سلمہ تھا کے زہر میں بجھے ہوئے ایک تیر سے زخمی ہوئے۔ یہ زخم بظاہر تو ٹھیک ہو گیا لیکن اس کا زہر پورے جسم میں پھیل گیا جس کے باعث دو غزوہ احد کے ایک ماہ بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نو تکبیریں پڑھیں۔ لوگوں نے نماز جنازہ کے بعد آقائے دو جہاں ﷺ سے نو تکبیریں پڑھنے کا سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو سلمہؓ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔

اے ام المومنین! جب آپؓ بیوہ ہوئیں تو آپؓ کی عمر تیس سال کی تھی۔ عدت کے خاتمے پر پہلے سیدنا ابو بکرؓ اور بعد میں سیدنا عمرؓ نے آپؓ کے پاس نکاح کا پیغام بھجوایا لیکن آپؓ نے انکار فرما دیا۔ کچھ عرصہ بعد سیدنا عمر فاروقؓ آپؓ کے گھر تشریف لائے اور انہوں نے آپؓ کو سید الانبیاء ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیغام دیا تو آپؓ نے فرمایا۔

''مجھے چند عذر ہیں۔ پہلا یہ کہ میں سخت غیور عورت ہوں۔ دوسرا یہ کہ میں عیال دار ہوں۔ تیسرا یہ کہ میرا سن زیادہ ہے اور آخری یہ کہ میرے وارث

یہاں موجود نہیں۔"

رحمۃ للعالمین ﷺ نے جواباً کہلا بھیجا۔

"اگر تم غیور عورت ہو تو رب کریم تمہاری اس غیرت کا مداوا خود کرے گا۔
تم خود کو عمر رسیدہ سمجھتی ہو تو میں تم سے بڑا ہوں اور کسی عورت کا اپنے
سے بڑی عمر کے مرد سے نکاح کرنا قطعی معیوب نہیں۔ تمہارے یتیم بچوں
کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ہے اور اگر تمہارے وارث
یہاں موجود نہیں تو کوئی بات نہیں کیونکہ انہیں اس نکاح پر اعتراض ہرگز نہ
ہوگا۔"

آپؓ کو جب نبی اکرم ﷺ کا یہ پیغام ملا تو آپؓ نے جواباً فرمایا تھا۔

"اللہ کے رسول ﷺ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

اور اس طرح آپؓ اس اعزاز سے سرفراز ہوئیں جس کا احترام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ جب آپؓ حرمِ نبوی ﷺ میں تشریف لائیں تو آپؓ نے ام المومنین سیدہ زینبؓ کے حجرے میں قیام فرمایا۔ آپؓ بے حد حسین و جمیل تھیں۔ امہات المومنین میں آپؓ کے حسن کا چرچا سن کر سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور سیدہ حفصہؓ بطور خاص آپؓ کو دیکھنے کے لیے تشریف لائیں۔

ام المومنین! مجھے سید الانبیاء ﷺ، رحمۃ للعالمین کا وہ خواب یاد آ رہا ہے جس میں آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ مکہ معظمہ کی زیارت اور عمرہ کرنے تشریف لے گئے ہیں۔ خانہ کعبہ کی کنجی آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے کچھ نے بال منڈوائے اور کچھ نے ترشوائے ہوئے ہیں۔ بیدار ہو کر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ عنقریب میں عمرے کے لیے جانے والا ہوں، تم بھی تیار رہو۔

صحابہ کرامؓ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہجرت کے چھٹے سال ماہِ ذیقعد میں آپ ﷺ اپنے قافلے کے ساتھ عمرے کی نیت سے جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اہلِ مکہ نے اس

قافلہ کو کسی بھی حالت میں مکہ میں داخل نہ ہونے دینے کے لیے بھرپور تیاریاں کر لی ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ پر یہ واضح کرنے کے لیے بھیجا کہ مسلمانوں کا یہ قافلہ جنگ کے لیے نہیں، صرف عمرے کے لیے آیا ہے۔ قریش کی طرف سے خویطب بن عبدالعزیٰ، مکرز بن حفص اور سہیل آئے۔ آپ ﷺ اور مشرکین مکہ کے مابین صلح حدیبیہ طے پائی جس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان اس بار بغیر عمرہ کیے لوٹ جائیں۔ جب صحابہ کرامؓ نے صلح کی شرائط اور خاص طور پر بغیر عمرہ کیے لوٹ جانے کی شرط سنی تو بے حد غمگین ہو گئے اور بعض صحابہ تو رو رو کر نڈھال ہو گئے۔ غم کی اس شدید صورت حال میں آقائے دو جہاں ﷺ نے حکم دیا۔

''اٹھو، اپنے ہدی کے اونٹوں کو ذبح کرو، اپنے سر کے بال تراشو اور اپنے احرام کھول دو۔''

آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر صحابہ خاموش رہے تو آپ ﷺ کو حیرت ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ حیرت کے اس عالم میں آپؓ کے خیمے میں تشریف لائے۔ آپؓ نے نبی اکرم ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ سے صحابہ کرامؓ کی بوجہ شدت غم معذوری کا تذکرہ فرمایا اور تجویز پیش کی کہ آقائے نامدار ﷺ باہر تشریف لے جا کر اپنے اونٹ کا نحر فرمائیں، اپنا سر مبارک مونڈیں اور احرام سے باہر آئیں چنانچہ آقائے عالم ﷺ نے آپؓ ہی کے مشورے پر عمل کیا جس کے نتیجے میں صحابہ کرامؓ نے فوری طور پر اپنے آقا ﷺ کی پیروی شروع کر دی۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ آپؓ فطرت شناسی میں اس درجہ کمال پر فائز تھیں کہ پوری تاریخ میں اصابت رائے کی ایسی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔

اے ام المومنینؓ! آپؓ کی زندگی ہمہ قسم بلندیوں اور روشنیوں کا بے مثال نمونہ ہے۔ آپؓ نے حضرت جبرائیلؑ کو دیکھا۔ آپؓ کی زندگی سخاوت، فیاضی، عبادت اور ریاضت میں بسر ہوئی۔ آپؓ صاف دل، صاف گو اور اوصاف حمیدہ میں بے مثال ہیں۔ آپؓ نے اپنی زندگی حدیث، فقہ اور قرآن کریم کی تعلیم میں صرف کر دی۔ آپؓ نبی اکرم ﷺ کے انداز میں قرآن پڑھ

سکتی تھیں۔ آپؓ سے تیرہ سو اکھتر احادیث مروی ہیں جن میں سے تیرہ متفق علیہ ہیں اور بخاری اور مسلم شریف میں موجود ہیں۔ آپؓ کے علم و فضل سے ہزاروں لوگ فیض یاب ہوئے جن میں سے بیسیوں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے بہت شہرت پائی اور دنیا کو اسلام کی روشنی سے منور کر دیا۔ آپؓ کا امہات المومنینؓ میں سے سب سے آخر میں وصال ہوا۔ اس وقت آپؓ کی عمر اسی سال کی تھی۔ آپؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپؓ کی نماز جنازہ ولید بن عتبہ جو اس وقت مدینے کا گورنر تھا، نہ پڑھائے چنانچہ جونہی آپؓ کا انتقال ہوا، ولید شہر چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گیا اور آپؓ کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہؓ نے پڑھائی۔

صفحہ تاریخ سے کبھی نہ مٹنے والی یہ سبھی باتیں میرے ذہن کے پردے پر چند لمحوں میں ابھریں۔ میرا ذہن معطر ہو گیا اور اس کی خوشبو آنسوؤں کی شکل میں مسلسل بہتی رہی۔ میں نے امہات المومنینؓ کی قبور شریف پر انتہائی محبت و عقیدت میں ڈوبی ہوئی نظر ڈالی اور پھر اپنی اس عظیم ماں کے لیے فاتحہ پڑھنے لگا جنہوں نے قول و فعل سے علم و عرفان کی وہ شمع روشن کی جو تا قیامت جگمگاتی رہے گی۔

فاتحہ کے بعد میں ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

اے ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ! آپؓ کی خدمت میں آپؓ کا یہ غمزدہ بیٹا نہایت ادب و احترام کے ساتھ سلام پیش کرتا ہے۔ ام المومنین! آپؓ کی والدہ ماجدہ امیمہ حضرت عبدالمطلب کی بہن ہیں۔ اس طرح آپؓ نبی امی ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد ہیں۔

اے ام المومنینؓ! اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو سیرت و صورت سے جس قدر نوازا، وہ بہت کم خواتین کے حصے میں آیا ہے۔ نسوانی حسن و جمال کو سلیقہ شعاری نے چار چاند لگا دیے اس پر زہد و عبادت گزاری، شب بیداری، یتیموں، بیواؤں، فقراء و مساکین کی دستگیری، سخاوت، فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ نے آپؓ کی ذات کو اور ممتاز کر دیا تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے آپؓ کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے۔

"میں نے کوئی عورت حضرت زینب بنت جحشؓ سے زیادہ دین دار، پرہیز گار، راست گفتار، فیاض، مخیّر اور اللہ کریم کی رضا جوئی میں سرگرم نہیں دیکھی۔"

آپؓ کی راست گوئی، زہد، تقویٰ و تورع کا اس سے بڑا کیا ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ جب سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی گئی اور اس معاملے کو شدت دینے میں آپؓ کی سگی بہن حمنہ بنت جحشؓ محض اس وجہ سے پیش پیش تھیں کہ وہ صدیقہ، کائناتؓ سے آقائے نامدار ﷺ کے آپؓ کی نسبت زیادہ قرب کو پسند نہیں کرتی تھیں، آپؓ سے نبی اکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی اخلاقی حالت کے بارے میں استفسار فرمایا تو آپؓ نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر جواب دیا۔

"مجھے عائشہؓ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔"

اے ام المومنین! آپؓ کی ذات ان گنت حوالوں سے اسلام کی اصل روح کو سمجھنے میں معاون و مددگار ثابت ہوئی۔ آپؓ نبی اکرم ﷺ کی سگی پھوپھی کی بیٹی تھیں جس کے باعث آپؓ کے خاندان سے پوری دنیا میں عزت و مرتبے میں کوئی بلند نہ تھا لیکن ہادیٔ برحق ﷺ کی خواہش پر آپؓ کا نکاح ایک غلام حضرت زیدؓ سے ہوا جنہیں آقائے نامدار ﷺ نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے یہ عمل اس بات کا عملی ثبوت تھا کہ اسلام میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں البتہ بڑائی صرف تقویٰ ہی کی بنیاد پر ہے۔ آپؓ کا حضرت زیدؓ سے صرف ایک سال نباہ ہو سکا اور آپؓ کو طلاق ہو گئی۔ عدت پوری ہونے پر نبی اکرم ﷺ نے انہی حضرت زیدؓ کے ذریعے آپؓ تک نکاح کا پیغام بھیجا جو آپؓ کے شوہر رہ چکے تھے۔ اس عمل میں بھی یہ حکمت پوشیدہ تھی کہ ایک تو اہل عالم پر واضح ہو کہ حضرت زیدؓ اس شادی پر رضامند ہیں اور دوسری یہ کہ دنیا پر واضح ہو کہ متبنیٰ کے بارے میں معاشرے میں پایا جانے والا رویہ مکمل طور پر غلط ہے۔ آپ ﷺ رب قدیر و خبیر کے حکم سے صدیوں سے رائج اس رسم بد کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ کے اس اقدام سے دنیا جان گئی کہ جس سے اس نے نکاح حرام قرار دے رکھا تھا، وہ حرام نہیں حلال ہے اور یہ کہ وراثت کے اصل حق داروں کو محروم نہیں کیا جا سکتا۔

اے ام المومنین! آپ کی طرف نبی اکرم ﷺ کے نکاح کا پیغام لے کر جانے کے بارے میں حضرت زیدؓ فرماتے ہیں۔

"جب میں حضرت زینبؓ کے پاس اپنے آقا ﷺ کا پیغام لے کر گیا تو وہ میری نظر میں ایک بزرگ و محترم ہستی تھیں۔ میں انؓ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں گھر کی طرف پشت کر کے الٹے قدموں سے انؓ کے پاس گیا اور بشارت پہنچائی کہ میرے آقا ﷺ نے انؓ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔"

آپؓ نے اس پیغام کے جواب میں فرمایا تھا۔

"میں اس بات کا اس وقت تک کوئی جواب نہیں دے سکتی جب تک میں اپنے اللہ سے مشورہ نہ کرلوں۔"

اور پھر آپؓ نے اللہ کریم سے سجدہ ریز ہو کر استدعا فرمائی تھی "اے اللہ! تیرا نبی ﷺ مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے، اگر میں اس لائق ہوں تو مجھے اس کی زوجیت میں دے دے۔"

آقائے کائنات اس وقت حضرت عائشہؓ سے گفتگو فرما رہے تھے کہ وحی کے آثار نمودار ہوئے۔ وحی کھلی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"کوئی ہے جو زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تک یہ بشارت پہنچائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان پر مجھ سے ان کا نکاح کرا دیا ہے۔"

اے ام المومنین! یہ آپؓ ہی کی ذات والا صفات ہے جس کے باعث سورہ احزاب کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

"جب زیدؓ اس سے حاجت پوری کر چکا تو اے نبی ﷺ ہم نے اس مطلقہ خاتون کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان کی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہئے۔ نبی ﷺ پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے۔ اللہ کی یہی سنت ان انبیاء

کے معاملے میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔"

نبی اکرم ﷺ کی خادمہ سلمیٰ یہ خوش خبری لے کر آپ کی خدمت میں دوڑ کر حاضر ہوئیں تو آپؓ اس وقت بھی سر بسجود تھیں۔ جب انہوں نے کہا۔

"اے زینبؓ! تمہیں مبارک ہو کہ اللہ کریم نے تمہارا نکاح نبی اکرم ﷺ سے آسمانوں پر کر دیا۔"

تو آپؓ نے اس وقت جو زیور زیب تن کیے ہوئے تھے، وہ بھی سلمیٰ کو عطا فرما دیے۔ آپؓ نے اسی وقت سجدہ شکر ادا کیا اور نذر مانی کہ آپؓ دو ماہ تک روزے رکھیں گی۔ اس وقت آپؓ کی عمر چھتیس سال تھی۔

اے میری ام عظیم! آپؓ کے مرتبے کو کون پہنچ سکتا ہے کہ جن کا نکاح آسمان پر ہوا اور جبرائیل امین اس کے گواہ ٹھہرے۔ یہ آپؓ ہی کی ذات تھی جن سے نکاح کے بعد ہادی برحق ﷺ نے ولیمے کا کھانا تیار کروایا جس میں ایک بکری ذبح کی گئی۔ ولیمے کا اس قدر اہتمام آپ ﷺ نے کسی اور زوجہ محترمہ سے نکاح کے بعد نہیں کیا اور پھر پردے کے احکام بھی تو آپؓ ہی کے سبب سے نازل ہوئے۔ ہوا یوں کہ نبی اکرم ﷺ نے آپؓ کے یہاں مومنین کو کھانے پر طلب فرمایا۔ کھانا کھانے کے بعد بھی لوگ باتوں میں اس طرح لگ گئے کہ انہیں وقت کا احساس تک نہ رہا۔ ان کا اس قدر دیر تک بیٹھنا آپؓ اور نبی اکرم ﷺ کے لیے زحمت کا باعث تھا۔ اس صورت حال میں والی کونین ﷺ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور اس وقت واپس تشریف لائے جب آپ ﷺ کو لوگوں کے وہاں سے چلے جانے کی اطلاع دی گئی۔ سورہ احزاب کی یہ آیات اسی وقت نازل ہوئیں۔

"اے ایمان والو! نبی ﷺ کے گھروں پر مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے۔ ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو۔ پھر جب تم کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔

اس بات سے نبی ﷺ کو ناگواری پیدا ہوتی ہے۔ سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر مانگو۔"

اور اے ام عظیم! سورہ تحریم کی ابتدائی آیات بھی آپ ہی سے متعلق واقعہ کے سبب نازل ہوئیں۔ ہوا یوں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ آپ کے یہاں تشریف لائے اور معمول سے زیادہ دیر تک آپ کے یہاں تشریف فرما رہے۔ آپ نے ان ﷺ کی خدمت میں شہد کا شربت پیش کیا۔ دیگر امہات المومنین نے ایک فقرے پر سمجھوتہ کر لیا اور جب نبی اکرم ﷺ باری باری سب کے گھر گئے تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا۔

"یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ نے مغافیر تناول کی ہے۔"

مغافیر ایک پھول ہے۔ اگر شہد کی مکھی اس کا رس چوس لے تو شہد میں بساند پیدا ہو جاتی ہے۔ میرے آقا ﷺ کی نفاست پسند طبیعت اس بات کو گوارا ہی نہیں فرماتی تھی کہ منہ سے بو آئے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"اے غیب بتانے والے نبی ﷺ! تم اپنے اوپر کیوں حرام کیے لیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی۔ اپنی بیبیوں کی مرضی چاہتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اے ام المومنین! آپ چھ سال تک نبی اکرم ﷺ کے خانہ، روشن میں رہ کر نبی برحق ﷺ کی محبت سے سرفراز ہوتی رہیں۔ آپ نے اپنی بقیہ زندگی بیوگی میں گزار کر ستاون سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ کاشانہ، رسالت میں رہ کر آپ نے اپنی زندگی کو اس عظمت سے سربلند کر لیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ آپ محدثین کے پانچویں طبقے سے ہیں۔ آپ کی بیان کردہ احادیث کی تعداد گیارہ ہے جن میں سے دو متفق علیہ ہیں۔ آپ کی میت کو آپ کی وصیت کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی چارپائی پر رکھ کر جنت البقیع لایا گیا۔ سیدنا عمرؓ کی اجازت سے حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے تابوت تیار کیا۔ آپ کے انتقال کے روز بہت گرمی تھی چنانچہ سیدنا فاروقؓ نے اسلامی تاریخ میں پہلی بار قبر مبارک پر شامیانہ نصب کروا دیا تاکہ قبر کی تیاری اور آپ کی تدفین میں تکلیف نہ

ہو۔ آپؓ کی قبر مبارک وصیت کے مطابق عقیل اور ابن حنیفہ کے گھر کے درمیان کھودی گئی۔ سیدنا عمرؓ نے اعلان کروایا۔

''اہل مدینہ! اپنی ماں کے جنازے میں حاضر ہوں۔''

اہل مدینہ چشم تر حاضر ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عروہؓ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ جن کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے، سے پوچھا۔

''خالہ جان! رسول اللہ ﷺ کو اپنی کون سی بیوی سے زیادہ لگاؤ تھا۔''

صدیقہ کائناتؓ نے فرمایا۔

''میں اس کا خیال کرنے والی نہ تھی۔ آپ ﷺ کی نگاہ میں زینب بنت جحشؓ اور ام سلمہؓ کا ایک مقام تھا اور میرے گمان میں میرے بعد آنحضرت ﷺ کو یہی دونوں محبوب تھیں۔''

اے ام المومنین! آپؓ میرے آقا ﷺ کی محبوب اہلیہ اور مومنین، مساکین، یتیموں، بیواؤں اور غریبوں کو اپنی سخاوت اور شفقت سے ہمیشہ سرفراز کرتی تھیں۔ میں آپؓ کے حضور عقیدت کے رنگوں میں ڈوبے ہوئے یہ چند آنسو پیش کرنے آیا ہوں۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن کے ذریعے میں اس دکھ کا اظہار کرسکوں جو اہل عرب کی طرف سے آپؓ اور دیگر عظیم ہستیوں کی قبور شریف سے روا رکھے جانے والے رویے کے باعث میرے دل سے پیوست ہو کر رہ گیا ہے۔ میں ایک بار پھر آپؓ کی خدمت میں سلام عقیدت پیش کرتا ہوں اور آپؓ کے ان احسانات کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہوں جو آپؓ نے مومنین پر کیے۔ میں نے سیدہ زینب بنت جحشؓ کے لیے فاتحہ پڑھی اور ان سے اجازت لے کر ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارثؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ام المومنین! آپؓ کی خدمت میں آپؓ کے اس عاجز وحقیر غلام کا سلام۔ آپؓ کی مبارک زندگی کے ایک ایک مبارک لمحے پر جب بھی میں نے غور کیا ہے تو مجھے اس میں اللہ تعالیٰ کی

حکمتوں کا ایک وسیع سلسلہ کار فرما دکھائی دیا ہے۔ میں سوچنے لگتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آقائے عرب و عجم ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری کے لیے کس طرح سیدنا ابراہیمؑ کو سرزمین عرب میں اس مقام پر پہنچایا جہاں آپ ﷺ کا ورود با سعود ہونا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کس طرح حضرت اسماعیلؑ اور بی بی ہاجرہ کو زم زم کی شکل میں زندگی کے تسلسل کے لیے دولت بے بہا بخشی۔ سیدنا اسماعیلؑ کی زندگی بچانے کے لیے دنبے کی شکل میں سیدنا ابراہیمؑ کو جانور بخشا، ہاشم اور امیہ کو اس طرح پیدا فرمایا کہ دونوں بچوں کی پشت جڑی ہوئی تھی۔ انہیں تلوار سے کاٹ کر الگ کیا گیا اور دونوں بچے زندہ سلامت رہے۔ حضرت عبدالمطلب نے چاہ زم زم کے دریافت ہونے پر دس بچوں کی عطا کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور استدعا کی اور اس دعا کے پورا ہونے پر بذریعہ قرعہ ایک بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کا وعدہ کیا۔ انہیں دس ہی بیٹے عطا ہوئے اور قربانی کے لیے قرعے میں حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ کو ذبح کرنے لگے تو انہیں قریش نے بچایا اور ان کے بدلے ایک سو اونٹوں کی قربانی دی گئی اور پھر انہی حضرت عبداللہ کو آپ ﷺ کے والد ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

ام المومنینؓ! آپؓ کی حرم نبوی ﷺ میں تشریف آوری کی داستان بھی اس سے زیادہ مختلف نہیں۔ آپؓ کے آباؤ اجداد تو مشہور عالم ملکہ سبا کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انہی میں سے عمرو بن عامر یمن کے رہنے والے تھے جو اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے کنبے سمیت ایک انجانی منزل کی طرف روانہ ہوئے اور ادھر ادھر گھومتے ہوئے آخر کار جزیرہ نمائے عرب میں آ کر آباد ہو گئے۔ یہ وہی عمرو بن عامر ہیں جن کے یہاں آباد ہونے کے دو سو سال بعد ان کی اولاد میں سے بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کے یہاں آپؓ پیدا ہوئیں اور آپ کا نام برہ رکھا گیا۔ جب آپؓ جوان ہوئیں تو آپؓ کی شادی اپنے ہی قبیلے کے ایک نوجوان مسافع بن صفوان سے ہو گئی جس کے ساتھ آپ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگیں۔ ایک رات آپؓ نے خواب دیکھا کہ یثرب کی طرف سے چاند چلتا ہوا آ رہا ہے اور پھر وہ چاند آپؓ کی آغوش میں اتر آیا ہے۔

اے ام المومنینؓ! یہ مشیت ایزدی ہی تو تھی کہ اس وقت جب میرے آقا ﷺ کے اپنے ہی آپ ﷺ کی جان کے درپے تھے، اہل مدینہ میرے آقا ﷺ کے قدموں کی خاک پر نچھاور ہونے لگیں اور پھر مدینے کے دو اہم قبیلے اوس اور خزرج آقائے دو جہاں ﷺ کے معاون و مددگار ثابت ہوں۔ نبی اکرم ﷺ کی مدینے میں تشریف آوری کے ساتھ ہی اسلام کے سورج نے دنیا سے تاریکی ختم کر کے بڑی تیزی سے اہل دنیا میں اپنا نور بانٹنا شروع کر دیا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت تھی کہ آپؓ کے والد اور شوہر اسلام سے دشمنی کریں اور اسلام کے خلاف ان کی سازش کا پتا چل جانے پر شعبان سنہ پانچ ہجری میں ایک ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر آقائے کون و مکاں ﷺ ہی کی قیادت میں روانہ ہو اور مریسیع کے مقام پر قیام پذیر ہو۔ یہاں غزوہ مریسیع برپا ہوا جس میں آپؓ کے شوہر سمیت دس آدمی کام آئے۔ مال غنیمت میں اس لشکر کو دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں، چھ سو مرد، عورتیں اور بچے اسیر ہوئے جن میں آپؓ بھی شامل تھیں۔ آپؓ کے والد اور قبیلے کے سردار حارث بن ابی ضرار فرار ہو گئے۔ مال غنیمت تقسیم ہوا تو آپؓ حضرت ثابت بن قیس بن شماس اور ان کے چچا زاد بھائی کے حصے میں آئیں۔ جب آپؓ نے حضرت ثابتؓ سے ان کی مکاتبہ بننے کی خواہش کا اظہار فرمایا تو وہ فوراً تیار ہو گئے اور انھوں نے آزادی کے لیے نو اوقیہ سونا طلب کیا۔ عرب کے مشہور رئیس کی بیٹی ایک کنیز کی حیثیت میں والیٔ عرب و عجم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

''یا رسول اللہ! میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میں آپ پر ایمان لے آئی ہوں۔ لشکر اسلام کے ہاتھوں قید ہو کر (حضرت) ثابت بن قیسؓ کے حصے میں آئی ہوں۔ اس نے مجھے نو اوقیہ سونے پر مکاتبہ بنایا ہے جو میں ادا نہیں کر سکتی۔ میری مدد فرمائیں۔''

ام المومنین! آپؓ ابھی سید الکونین ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں کہ آپؓ کے والد آپؓ کو آزاد کرانے کے لیے کچھ اونٹوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

انہوں نے آتے ہوئے وہ دو اونٹ جو انہیں بے حد پسند تھے راستے میں وادی عقیق میں چھپا دیئے تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ان اونٹوں کے بدلے میں اپنی بیٹی آزاد کر دینے کی درخواست کی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

''وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم نے راستے میں چھپا دیئے ہیں۔''

آپؓ کے والد کو اس پر حیرت ہوئی۔ انہوں نے پوچھا۔

''آپ ﷺ کو کس نے بتایا؟''

''میرے رب نے'' نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا۔

آپؓ کے والد یہ سنتے ہی نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے اور گھاٹی میں چھپائے ہوئے دو اونٹ بھی لا کر اپنے پیارے رسول ﷺ کی نذر کر دیئے۔ آپؓ کے بھائی عبداللہ بن حارث کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بالکل اسی سے ملتا جلتا ہے۔ آپؓ آزاد ہوئیں تو آپؓ نے اپنے والد کے ساتھ جانے کی بجائے نبی آخر الزمان ﷺ کی خدمت میں حاضر رہنے کو ترجیح دی۔ کچھ روز بعد نبی اکرم ﷺ نے آپؓ کے والد سے آپؓ کا رشتہ مانگا تو انہوں نے اس بات کو اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہوئے قبول کر لیا اور اس طرح وہ چاند جو ایک مدت پہلے آپؓ نے خواب میں اپنی آغوش میں چل کر آتے ہوئے دیکھا تھا، آج تعبیر کی صورت میں آپؓ کے سامنے تھا۔ آپؓ کا نام برہ سے تبدیل کر کے جویریہؓ رکھا گیا کیونکہ آقائے دو جہاں ﷺ کو یہ نام پسند نہیں تھا۔

ام المومنینؓ! آپؓ کو جونہی مومنوں کی ماں بننے کا شرف نصیب ہوا تو مومنین نے آپؓ کے قبیلے کے سبھی اسیروں کو نبی اکرم ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہونے کے باعث فوری طور پر آزاد کر دیا۔ اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کیا خوب فرمایا تھا۔

''میں نے کسی عورت کو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا۔ ان کے سبب بنو مصطلق کے تمام گھرانے آزاد کر دیئے گئے۔''

اے ام المومنین! آپؓ کی روشن زندگی صبر و رضا، صداقت، عبادت، قناعت،

بردباری، زہد و تقویٰ، راست بازی، عبادت گزاری، جود و سخا، عجز و انکساری، اخلاص اور شفقت کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔ آپؓ کی زندگی ہر قسم کے ظاہری و باطنی حسن کی ایک ایسی تصویر ہے جس پر ایک عالم نے رشک کیا۔ آپؓ نے حرم نبوی ﷺ میں داخل ہو کر اس اعزاز کو اس طرح اپنے سر پر تاج کی طرح سجایا کہ سبھی حیرت زدہ رہ گئے۔ آپ آقائے عالم ﷺ کی محبت میں اس حد تک کھو گئیں کہ آپؓ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشی ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ جب آقائے دو جہاں ﷺ نے پردہ فرمایا تو آپؓ کی عمر صرف چھبیس سال تھی۔ آپؓ نے نبی اکرم ﷺ کی جدائی اور فرقت میں اس دنیا میں پینتالیس سال گزارے اور اکہتر سال کی عمر میں ربیع الاول کے مبارک مہینے میں اللہ کو پیاری ہوئیں۔ آپ سے سات احادیث مروی ہیں جن میں سے دو بخاری شریف، دو مسلم شریف اور باقی تین دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ آپؓ نے امیر معاویہؓ کے دور میں انتقال فرمایا۔ اس وقت مروان مدینے کے گورنر تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپؓ جنت البقیع میں وہاں آرام فرما ہیں جہاں آپ کا یہ ادنیٰ غلام اور گنہگار بیٹا آپؓ کے سلام کے لیے حاضر ہے۔

اے ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارثؓ میری عاجزانہ حاضری قبول کیجیے۔ میں نے سیدہؓ کے لیے فاتحہ پڑھی۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد میں نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ جنت البقیع میں لوگوں کی تعداد خاصی کم ہو گئی تھی۔ ہر چند موسم کچھ زیادہ گرم نہیں تھا لیکن شاید لوگ اس معمولی سی حدت کو برداشت کرنے سے بھی گریزاں تھے، اس لیے مجھ جیسے چند غلاموں کے علاوہ وہ بھی لوگ ان شفیق و عظیم ہستیوں کے سائے سے دور ظاہری سائے تلے جا بیٹھے تھے۔ اس سے پہلے کہ میں اپنی عظیم ماں سیدہ ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیانؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا، ایک ادھیڑ عمر کا شخص مجھے یہاں دیکھ کر میرے پاس آ گیا۔ وہ امہات المومنینؓ کی قبور شریف کی تلاش میں تھا۔ میں نے جب اسے بتایا کہ یہی ہماری ماؤں کی قبریں ہیں تو اس کا چہرہ غم میں ڈوب گیا۔ وہ ہندوستان سے آیا تھا۔ اس نے کچھ دیر قبور شریف کی حالت زار پر دکھ بھری باتیں کیں اور پھر مجھ سے کچھ دور جا کر

سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے محبت بھرے جذبات و احساسات کو ایک بار پھر مجتمع کیا اور سر جھکا کر اپنی آقا ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ کے حضور حاضر ہو گیا۔

ام المومنینؓ! کالے کوسوں دور سے آیا ہوا آپ کا یہ مسافر بیٹا آپؓ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرتا ہے۔ آپؓ نے زندگی بھر غلامان محمد ﷺ پر اپنی نوازشوں اور محبتوں کی بارش فرمائی۔ میں آپ کی عظمت کے اعتراف میں سر جھکائے آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوں، میری حاضری قبول فرمائیے۔

ام المومنین! آپ قریش کے سردار ابوسفیان کے گھر صفیہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ فتح مکہ سے پہلے ابوسفیان کا نام دشمنان اسلام میں سر فہرست تھا۔ وہ کون سا قدم ہے جو ابوسفیان نے میرے آقا ﷺ کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں اٹھایا لیکن اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں اور حکمتوں کی عظمت تو یہی ہے کہ اس نے فرعون کے یہاں موسیٰ کی پرورش کی اور ام المومنین آپ کو ابوسفیان کے یہاں پیدا فرمایا، آپؓ کی ان کے ہاتھوں پرورش کرائی اور جوان کیا۔ آپ کا نام رملہ رکھا گیا۔ آپؓ کی شادی قریش کے سردار خاندان ہی کے بیٹے عبیداللہ سے ہوئی جو نبی اکرم ﷺ کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔

اے میری عظیم ماں! ایک طرف تو آپؓ کے والد اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے اور دوسری طرف آپؓ اور آپؓ کے شوہر عبیداللہ کے دل میں اسلام کی روشنی اتر رہی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپؓ اور عبیداللہ اسلام کے اولین ایام ہی میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کی عظیم فضیلت سے مشرف ہوئے۔ جب اسلامیان اہل مکہ کی چیرہ دستیوں اور ظلم و ستم کے باعث نبی اکرم ﷺ کی اجازت سے دوسری ہجرت حبشہ کے لیے روانہ ہوئے تو آپؓ اور عبیداللہ بھی اس گروہ میں شامل تھے۔

ام المومنین! آپؓ نے اس طویل سفر کی صعوبتیں اسلام کی خاطر اس حالت میں برداشت فرمائیں کہ آپؓ امید سے تھیں۔ حبشہ ہی میں آپؓ کے بطن سے حبیبہ پیدا ہوئیں جن کی

نسبت سے آپؓ کی کنیت ام حبیبہ ٹھہری۔ پردیس میں رہ کر آپؓ نے جس ہمت و حوصلے سے زندگی گزاری، یہ آپؓ کی اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اسلام سے دلی محبت کا واضح ثبوت ہے۔ کچھ عرصہ تو آپؓ اور عبیداللہ نے وہاں ہنسی خوشی زندگی گزاری اور زندگی کے گرم و سرد کا مقابلہ کیا لیکن اب عبیداللہ کا آپؓ سے رویہ کچھ بدلا بدلا سا رہنے لگا۔ وہ اکثر گھر سے باہر رہتا تھا۔ اس کی گفتگو کا انداز یکسر تبدیل ہو گیا اور وہ گرمجوشی جو میاں بیوی کے مابین محبت میں بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے، ختم ہو کر رہ گئی۔ ایک رات آپؓ نے خواب دیکھا کہ عبیداللہ کی شکل مکروہ اور لائق نفرت ہے۔ عبیداللہ کی یہ شکل دیکھتے ہی آپؓ نیند سے بیدار ہو گئیں اور پھر ساری رات آپؓ کو نیند نہ آئی۔ اگلے روز عبیداللہ نے آپؓ کو بتایا کہ اس نے بہت سوچ بچار کے بعد نصرانیت کو قبول کر لیا ہے۔ آپؓ نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش فرمائی لیکن وہ باز نہ آیا۔ اس کے اس طرح مرتد ہو جانے پر آپؓ کو یوں بھی حیرت تھی کہ وہ جس مذہب کے خاطر اپنا وطن، گھربار، عزیز و اقربا چھوڑ کر یہاں آیا تھا اسے ترک کر کے اس نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر وہاں کا شاہی مذہب اختیار کیا حالانکہ جب سنہ چھ ہجری میں ختم الرسل ﷺ نے نجاشی کو اسلام کی دعوت دی تو نجاشی نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر حضرت جعفر طیارؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور عبیداللہ سنہ چھ ہجری ہی میں مرتد ہو کر مر گیا۔ ہر چند ہجرت کے وقت آپؓ کے کچھ قریبی عزیز بھی آپؓ کے ساتھ آئے تھے لیکن وہ دوسرے مہاجرین کے ساتھ واپس چلے گئے اس طرح آپؓ اپنی بچی حبیبہ کے ساتھ دکھ سے بھرے ہوئے یہ دن تنہا کاٹنے لگیں۔

کچھ دن گزرے کہ ایک رات آپؓ نے زندگی کا سب سے خوبصورت خواب دیکھا۔ آپؓ نے دیکھا کہ کوئی شخص آتا ہے اور آپؓ کو ام المومنین کہہ کر پکارتا ہے۔ نیند سے بیدار ہوئیں تو آپؓ نے ایک عجیب راحت محسوس فرمائی اور آپؓ کے ہونٹوں پر ام المومنین کے الفاظ مچلنے لگے۔ آپؓ کو پورا یقین تھا کہ یہ خواب جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا لہذا آپؓ اس کی تعبیر کا انتظار فرمانے لگیں۔
رحمت دو عالم، نور مجسم ﷺ کو جب آپؓ کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں ﷺ نے

حضرت عمرؓ بن امیہ ضمری کو نجاشی کے لیے ایک خط دے کر روانہ کیا۔ نجاشی نے قاصد کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ حکم آقائے دو جہاں ﷺ کے مطابق خط کھول کر پڑھا جو یہ تھا۔

''میری طرف سے ام حبیبہؓ کو شادی کا پیغام دو''

نجاشی نے اپنی باندی ابرہہ کے ذریعے پیغام بھیجا۔ ام المومنین! آپؓ کے حسین ترین خواب کی عملی تعبیر کی طرف یہ پہلا قدم تھا۔ آپؓ نے اس وقت جو زیور پہن رکھے تھے، ابرہہ کو عطا فرمائے۔ حضرت خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر فرمایا۔ شام کے وقت نکاح کا انتظام کیا گیا۔ حضرت جعفرؓ طیارؓ اور سبھی مسلمانوں کی موجودگی میں حسب حکم سرکار کائنات ﷺ نجاشی نے خطبہ نکاح پڑھا اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر کے طور پر آپؓ کے وکیل کو دیئے۔ آنے والوں کو دعوت دی۔ آپؓ کی خدمت میں قیمتی خوشبوؤں کے تحفے پیش کیے اور اس طرح آپؓ نے اپنے سچے خواب کے عین مطابق ہر ایک مسلمان کی ماں ہونے کا حق حاصل فرمایا۔

ام المومنینؓ! نبی اکرم ﷺ کے حکم کے عین مطابق بادشاہ اصحمہ عرف نجاشی نے آپؓ اور حبشہ میں موجود مہاجرین کے لیے کشتیوں کا انتظام کیا۔ آپؓ اور سبھی مہاجرین مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ تمام لوگوں کی موجودگی کے باوجود نجاشی نے حضرت شرجیل بن حسنہؓ کو آپؓ کی دیکھ بھال اور خدمت کے لیے ساتھ روانہ کیا۔ یہ نجاشی کی طرف سے آقائے دو جہاں ﷺ اور آپؓ کے لیے اظہار عقیدت تھا۔ اللہ نجاشی کو اس عقیدت کا بہترین صلہ عطا فرمائے (آمین)۔

ام محترم! جب آپؓ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری ہوئی تو سرور کائنات ﷺ اس وقت خیبر کی مہم پر تھے۔ آپؓ کی نبی اکرم ﷺ سے وہاں سے واپسی پر ملاقات ہوئی۔

صلح حدیبیہ کے بعد قریش نے جب عہد شکنی کی تو ہادیٔ برحق ﷺ نے بنی خزاعہ کا انتقام لینے کا اعلان فرمایا۔ اہل مکہ نے بہت سوچ بچار کے بعد آپؓ کے والد ابوسفیان کو اس غرض سے مدینہ منورہ بھیجا کہ وہ وہاں جا کر صلح نامہ حدیبیہ کو مستحکم کریں اور جس طرح بھی ممکن ہو مکہ کو جنگ سے بچائیں۔ طے پایا کہ اگر ابوسفیان ضرورت محسوس کریں تو آپؓ کی مدد طلب کرنے سے بھی نہ

بچھائیں چنانچہ جب ابوسفیان مدینہ منورہ پہنچے تو وہ سیدھا آپؓ ہی کے در اقدس پر آئے۔

ام المومنینؓ! آپؓ نے اس وقت رسول عربی ﷺ کی محبت کا جو عملی اظہار فرمایا تھا، تاریخ کے صفحات پر وہ واقعہ آج بھی روشن روشن نظر آ رہا ہے۔ ہوا یوں تھا کہ جب ابوسفیان اجازت لے کر اندر آئے اور اس بستر پر بیٹھنے لگے جس پر آقائے دو جہاں ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے تو آپؓ نے اس بستر کو فوراً لپیٹ دیا۔ اس باپ نے جس کی اپنی بیٹی سے چودہ سال کی طویل مدت کے بعد ملاقات ہو رہی تھی اس بات کا برا منایا تو آپؓ نے برملا فرمایا تھا:

''یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر مبارک ہے اور آپ ابھی شرک کی نجاست سے آلودہ ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کے بیٹھنے سے اس بستر کے تقدس میں فرق آئے۔''

ابوسفیان سخت غصے کی حالت میں گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ انہیں بعد میں معلوم ہوا کہ کوئی مومن اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ آقائے نامدار ﷺ سے اپنی اولاد، اپنے ماں باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبت نہ کرے۔

ام المومنینؓ! آپؓ کی زندگی سے ثابت ہے کہ آپؓ ایک پاکباز، عالی ہمت، سلیقہ شعار اور انتہائی مخلص و دیانتدار خاتون تھیں۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک پل محبت رسول خدا ﷺ میں گزرا۔ آپ مشکل وقت میں لوگوں کی مدد کو اپنا فرض سمجھتیں۔ جب سیدنا عثمانؓ کا ان کے دشمنوں نے محاصرہ کر رکھا تھا تو آپؓ ان کی مدد کو بھی تشریف لے گئیں حالانکہ آپ کا یہ اقدام خطرے سے خالی نہ تھا اور یہی ہوا کہ آپؓ کو انؓ کی مدد کیے بغیر لوٹنا پڑا۔ آپؓ نے جو علم رسول امی ﷺ کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا، آپؓ نے اسے اپنی روحانی اولاد میں تقسیم کرنے سے بھی گریز نہیں فرمایا۔ آپ آقائے دو جہاں ﷺ کی رفاقت میں صرف چار سال رہ پائیں کہ آپؓ کو نبی اکرم ﷺ کی جدائی کا کبھی نہ ختم ہونے والا صدمہ اٹھانا پڑا۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ آپؓ سے گیارہ سو پینسٹھ احادیث مروی ہیں جن میں سے دو متفق علیہ ہیں۔ آپؓ نے چوہتر سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

ام المومنینؓ! آپؓ کے مدفن کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ پہلی یہ کہ آپؓ کی قبر مبارک سیدنا علیؓ کے گھر میں تھی، دوم یہ کہ آپؓ کی قبر مبارک ملک شام میں ہے کیونکہ حافظ ابوالقاسم کی تاریخ دمشق کے مطابق آپؓ اپنے بھائی امیر معاویہ سے ملنے کے لیے وہاں تشریف لے گئیں اور آپؓ کا وہیں انتقال ہوا اور قول صحیح یہ ہے کہ آپؓ کا انتقال امہات المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ کے سامنے مدینہ منورہ ہی میں ہوا۔ آپؓ کو نامور عالم، محقق، صحافی اور مدینہ منورہ میں پبلشنگ کے چیئرمین علی حافظ کی تاریخ ابواب مدینہ منورہ کے مطابق جنت البقیع میں وہاں دفن کیا گیا جہاں میں آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ میرا آپؓ کے حضور عاجزانہ سلام پہنچے۔ اللہ تعالیٰ آپؓ کے اس ایک ایک لمحے کے اعزاز کو کئی چند کرے جو آپؓ نے میرے آقا ﷺ کی خدمت اقدس میں رہ کر گزارا۔ بلاشبہ آپؓ میری عظیم ماں ہیں اور مجھے فخر ہے کہ میں آپؓ کے سرہانے بیٹھا آپؓ کی خدمت میں اپنے آنسوؤں کا حقیر نذرانہ پیش کر رہا ہوں کیونکہ میرے پاس اس سے زیادہ قیمتی چیز کوئی نہیں اور نہ ہی آپؓ کو سوائے ہماری عقیدت کے کسی چیز کی ضرورت ہے۔ میں نے ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان کے لیے فاتحہ پڑھی اور اب ام المومنین سیدہ صفیہؓ کے حضور حاضر ہوا۔

اے میری ام عظیمؓ! آپؓ کا یہ بیٹا اپنی تمام ماؤں کی طرح آپؓ کی خدمت میں نہایت ادب واحترام سے سلام پیش کرتا ہے۔ میرا دل آپؓ سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ایک عجیب احساس میں مبتلا ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا میرے بس میں نہیں۔ میری آنکھیں آپؓ کے قدموں میں آنسوؤں کی شکل میں محبت کے پھول نچھاور کر رہی ہیں اور سر آپؓ کے ان احسانات کے باعث جھکا ہوا ہے جو آپؓ نے پیارے رسول ﷺ کی امت پر کیے۔ رب قدیر آپؓ کی روشن زندگی کے ایک ایک پل کے عوض آپؓ کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے ہمکنار فرمائے۔ آمین۔

ام المومنینؓ! آپؓ کا دل قدرتی طور پر حق وصداقت کا کھل کر ساتھ دینے والا تھا اسی لیے جب بھی کوئی جھوٹ آپؓ کے سامنے آتا آپؓ کا دل آپؓ کو فوری طور پر اس سے آگاہ

کر دیتا اور آپؓ اپنے طور پر ہر بات کو حقائق کی میزان میں تول لیتی تھیں۔ آپؓ یہودیوں کے مشہور قبیلے بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی صاحبزادی ہیں جو توریت کا بہت بڑا عالم بھی تھا۔ آقائے بحر و برﷺ نے یہودیوں کے مدینے میں موجود دونوں نامور قبائل بنی قینقاع اور بنو نضیر سے امن کا اور ایک دوسرے کی مدد کا معاہدہ کیا ہوا تھا۔ بنی قینقاع نے مسلمانوں پر زیادتیاں شروع کر دیں تو انہیں مدینہ منورہ چھوڑنا پڑا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آپؓ کے قبیلے والے اس سے کوئی سبق حاصل کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے آقائے دو جہاںﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جس کے انکشاف پر انہیں بھی مدینہ بدر کر دیا گیا چنانچہ آپؓ کو چودہ سال کی عمر میں عین اس وقت جب آپؓ کو بیاہا جاتا تھیں، مدینے سے خیبر جانا پڑا۔ ہر چند حیی بن اخطب نے مدینے سے نکلتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کسی تحریک میں حصہ نہیں لے گا لیکن خیبر پہنچتے ہی جب اسے خیبر کا سردار تسلیم کر لیا گیا تو اس نے اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کی جس نے اس میں مسلمانوں سے اپنی جلاوطنی کا انتقام لینے کی سوچ پیدا کی۔ اس کی تحریک پر اس کی سربراہی میں یہودیوں کے ایک وفد نے پورے ملک کا دورہ کیا اور قریش، بنو غطفان اور ہذیل سمیت بہت سے دوسرے قبائل نے آپس میں طے کیا کہ بہت بڑی سپاہ کے ساتھ یکبارگی مدینہ منورہ پر اس طرح دھاوا بولا جائے کہ مسلمان صفحہ ہستی سے مٹ جائیں۔ غزوہ خندق واہی جب غزوہ احزاب کہا گیا کہ اس میں مسلمانوں کے سبھی مخالف گروہ شامل ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم سے مسلمان اتنی بڑی سپاہ پر فتح یاب ہوئے۔ بنی قریظہ اور خیبر کے مقام پر یہودیوں سے جنگیں حیی بن اخطب ہی کے پیدا کردہ ماحول کا نتیجہ تھیں جن میں آپؓ کی ننھیال اور آپؓ کے والد قتل ہوئے اور آپؓ اور آپؓ کے شوہر کنانہ بن ربیع سمیت بہت سے لوگ قیدی بنے۔ غزوہ خیبر اب تک ہونے والے معرکوں میں نہایت سخت معرکہ شمار ہوا۔ یہاں کے قلعے ناعم کی فتح کے لیے پہلے دن سیدنا ابوبکرؓ اور دوسرے دن سیدنا عمرؓ نے سپاہ اسلام کی قیادت فرمائی لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ تیسرے دن سیدنا علیؓ نے قیادت کی تو اللہ تعالیٰ نے فتح کا تاج آپؓ کے سر پر سجایا۔

سیدنا علیؓ ہی کی قیادت میں بہت سے قلعے فتح ہوئے۔ جب یہودی مایوس ہوئے تو انہوں نے جان بخشی کی درخواست کی۔ صلح اس شرط پر ہوئی کہ جن زمینوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا ان کی پیداوار کا آدھا حصہ انہیں دیا جائے گا۔

ام المومنینؓ! مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ آپؓ کے شوہر اور خیبر کے حاکم کنانہ بن ربیع کے پاس خزانہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے طلب کر کے دریافت فرمایا۔

''ابوالحقیق! خزانہ کہاں ہے؟''

''وہ تو خرچ ہو گیا ہے۔'' اس نے جواب دیا اور ساتھ ہی یقین دہانی کے لیے قسم کھائی۔

''ٹھیک ہے'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو تمہارا خون مباح ہو گا اور تم امان سے نکل جاؤ گے۔''

''بے شک'' آپؓ کے شوہر نے جواب دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے شیخینؓ، حضرت علیؓ اور یہودیوں کی ایک جماعت کو اس کا گواہ بنا لیا۔ اللہ خبیر و قدیر نے اپنے نبی ﷺ کو خزانے کی خبر کر دی۔ حضرت زبیر بن العوام کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ اس ویرانے میں بھیجا گیا جہاں کنانہ نے خزانہ چھپا رکھا تھا۔ خزانہ مل جانے پر اسے حضرت محمد بن سلمہؓ کے سپرد کر دیا گیا جنہوں نے اسے اپنے بھائی محمود بن مسلم کے عوض قتل کر دیا۔

ام المومنینؓ! آپؓ کو آپؓ کے وہ دونوں خواب یاد ہوں گے جو آپؓ نے کچھ عرصہ قبل دیکھے تھے۔ پہلا خواب یوں تھا کہ آپؓ اس ہستی کے ساتھ ہیں جنہیں لوگ اللہ کا رسول ﷺ کہہ رہے ہیں اور ایک فرشتے نے آپؓ اور نبی اکرم ﷺ کو پروں میں چھپایا ہوا ہے۔ نیند سے بیدار ہو کر آپؓ نے یہ خواب اپنے گھر والوں کو سنایا تو وہ آپؓ سے سخت خفا ہوئے۔

دوسرا خواب یہ تھا کہ آپؓ نے یثرب کی طرف سے چاند طلوع ہوتے ہوئے دیکھا جو

آپؓ کی گود میں آن گرا۔ جب آپؓ نے یہ خواب اپنے شوہر کنانہ بن ربیع کو سنایا تو اس نے آپؓ کو زور کا طمانچہ مارتے ہوئے کہا۔

''تو مدینے کے بادشاہ کی ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہے۔''

ام المومنینؓ! ان دونوں خوابوں کی تعبیر اب آپؓ کے سامنے عملی صورت میں آنے والی تھی۔ آپؓ اور بہت سی دوسری عورتیں جب قیدی بن کر آئیں تو حضرت وحیہ کلبیؓ نے نبی اکرم ﷺ سے ایک لونڈی کے لیے درخواست کی۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں ان کے پسند کی لونڈی لے جانے کا اختیار دیا تو وہ آپؓ کو پسند کر کے لے گئے اس پر صحابہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے آپؓ کے بارے میں کہا۔

> ''یا رسول اللہ! صفیہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کی رئیسہ ہیں۔ عزت اور وقار میں ایک اہم مقام رکھتی ہیں اس لیے سوائے آپ ﷺ کے انؓ کے لائق کوئی نہیں۔''

نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کی اس بات کو پسند فرمایا۔ حضرت وحیہ کلبیؓ کو طلب کر کے دوسری لونڈی عطا فرمائی اور آپؓ کو دعوت اسلام دی۔ آپؓ نے اسلام قبول فرمایا تو آپؓ کی آزادی کو مہر قرار دے کر آپؓ کو اپنے حرم میں شامل کرنے کا اعزاز بخشا۔

مدینہ منورہ میں تشریف لا کر آپؓ دوسری امہات المومنینؓ کی طرح مسجد نبوی ﷺ کے قریب ایک علیحدہ مکان میں مقیم ہوئیں۔ آپؓ نے اپنے حسن اخلاق سے بہت جلد ایک اہم مقام حاصل کر لیا۔ سیدہ حضرت فاطمہؓ جب آپؓ کو دیکھنے تشریف لائیں تو آپؓ نے نہ صرف انہیں بہت محبت دی بلکہ اپنے کانوں سے قیمتی جھمکے اتار کر انہیں تحفے میں دیئے۔ آپؓ حالانکہ ناز و نعم میں جوان ہوئی تھیں اور حرم نبوی ﷺ میں داخل ہونے کے وقت آپؓ کی عمر صرف سترہ سال تھی لیکن آپؓ خانہ داری کے معاملات میں انتہائی ماہر تھیں۔ آپؓ کے پکائے ہوئے پکوان اپنی لذت میں بے مثال سمجھے جاتے تھے اور آقائے نامدار ﷺ ہمیشہ انہیں پسند فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ چاہے جس ام المومنینؓ کے یہاں تشریف فرما ہوتے، آپؓ کھانا پکا کر ان ام المومنینؓ کے یہاں تحفتاً بھیجتیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے۔

''عمدہ اور مزیدار کھانا تیار کرنے میں صفیہؓ سے بڑھ کر میں نے اور کسی
عورت کو نہیں دیکھا۔''

ام المومنینؓ! نبی اکرم ﷺ آپ کا کتنا خیال رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ آپؓ کے یہاں تشریف لائے تو آپؓ رو رہی تھیں۔ پوچھنے پر آپؓ نے بتایا

''عائشہؓ وحفصہ کہتی ہیں کہ وہ مجھ سے بہتر و افضل ہیں کیونکہ انہیں آپ
ﷺ کے نسب مبارک کی شرافت حاصل ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے سنا تو ارشاد فرمایا۔

''تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام میرے باپ ہیں،
حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد ﷺ میرے شوہر ہیں، اس لیے
تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو؟''

اور سیدہ زینب بنت جحشؓ جیسی فیاض، سخی اور بامروت خاتون نے جب نبی اکرم ﷺ کی خواہش کے برعکس یہ کہہ کر آپؓ کو اپنا اونٹ نہ دیا۔

''یارسول اللہ! کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں۔'' تو آقائے کون ومکان ﷺ نے انؓ سے دو ماہ تک قطع تعلق رکھا اور پھر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بہت مشکل سے حضرت زینبؓ کی یہ خطا آپ ﷺ سے معاف کروائی۔

ام معظم! آپؓ کی قابلیت، لیاقت، صداقت اور سخاوت کا زمانے بھر نے اعتراف کیا۔ بردباری، خوش خلقی اور قناعت پسندی آپؓ کی شخصیت کے بنیادی اوصاف تھے۔ آپؓ انبیاء کی اولاد ہونے کے سبب اخلاق ومحاسن کا مرقع دکھائی دیتی تھیں۔ آپؓ روشن خیال اور صبر ورضا کا پیکر تھیں۔ دوسروں کی خیر خواہی اور ہمدردی سے آپؓ کا دل ہر لمحہ لبریز رہتا تھا۔ آپؓ مصیبت زدوں

کے کام آنے کو اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ سیدنا عثمانؓ جب مصیبت میں تھے تو آپ سنگین ترین حالات کی پروانہ کرتے ہوئے ان کی مدد کے لیے آگے بڑھیں۔ بلوائیوں کے سرغنہ اشتر نے آپؓ کے ساتھ سیدنا عثمانؓ کے گھر جاتے ہوئے آپؓ کے غلام کنانہ کو پہچان لیا تو آپؓ کو گھر لوٹنا پڑا۔ ایک روایت کے مطابق آپ حضرت حسنؓ کے ہاتھوں سیدنا عثمانؓ کے گھر سامان خورد و نوش بھجواتی رہیں جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپؓ نے اپنے اور سیدنا عثمانؓ کے گھر کی دیواروں پر لکڑی کا ایک تختہ رکھ کر آنے جانے کا رستہ بنا لیا تھا جس کے ذریعے آپؓ مصیبت کے ان انتہائی اذیت ناک دنوں میں سیدنا عثمانؓ کی مدد فرماتی رہیں۔ آپؓ سے دس احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک متفق علیہ ہے۔ آپؓ نے ساٹھ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں اس جگہ دفن ہوئیں جہاں میں آپؓ کی خدمت اقدس میں سراپا عجز و نیاز بن کر حاضر ہوں۔

میں نے سیدہ صفیہؓ کے لیے فاتحہ پڑھی۔ تھوڑی دیر احتراماً سر جھکائے بیٹھا رہا، اٹھا تو مجھے جنت البقیع کی فضا بے انتہا سوگوار سی لگی۔ فضا سوگوار تھی یا پھر میرے دل میں دکھوں کی فراوانی نے اپنے خاص رنگ کی چادر اس فضا پر تان دی تھی۔ میرے ذہن میں ایک سوال ابھرا کہ کیا حیات طیبہ ﷺ کے زمانے میں قبور کی یہی حالت تھی جو آج ہے تو میرے ذہن نے اس کا نفی میں جواب دیا۔

مجھے یہاں جنگ بدر کا وہ وقت یاد آیا جب نبی اکرم ﷺ کی نگرانی میں شہدائے بدر کو دفن کیا جا رہا تھا تو آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ قبروں کو ایک صف میں اس طرح ترتیب دیں کہ ان کی ظاہری حالت اچھی اور خوبصورت ہو۔

ایک صحابیؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ ﷺ! اگر قبریں ظاہری طور پر اچھی اور خوبصورت نہ ہوں تو اس سے مرنے والوں کو دکھ پہنچتا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "مرنے والوں کو دکھ نہیں پہنچتا بلکہ اس سے زندہ رہنے والوں کا دل دکھتا ہے کیونکہ ویران قبر کا نظارہ غم انگیز نظاروں میں سے ایک ہے۔"

شہدائے بدر کی قبور کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان پر میں سوچتا ہوں کہ اگر قبور کا بنانا کوئی خلاف شرع بات ہے تو پھر میرے آقا ﷺ ہی اپنی حیات طیبہ میں میت دفن کرنے کے بعد حکم دے دیتے کہ زمین کو ہموار کر دیا جائے۔ کس کی مجال تھی کہ آپ ﷺ کے حکم کے بعد قبریں بناتا۔ اس کے برعکس آپ ﷺ نے واضح طور پر قبور کی ظاہری حالت کے اچھا اور خوبصورت ہونے کے بارے میں فرما کر ان کی افادیت بھی واضح فرما دی۔

اس میں قطعی کوئی شک نہیں کہ قبور پر سجدہ ریزیوں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں لیکن ایک خاص انداز میں حاضری کو کہیں بھی ناروا نہیں کہا گیا۔ یہ بات بھی طے ہے کہ آقائے دوجہاں ﷺ خود قبور پر تشریف لے جاتے تھے۔ عجیب بات ہے کہ میرے سامنے جنت البقیع کا وسیع وعریض قبرستان ہے، جس طرف دیکھتا ہوں کچھ بے ترتیب سی ڈھیریاں نظر آتی ہیں، یہ طے ہے کہ ان ڈھیریوں کے نیچے امہات المومنین ؓ اجساد اہل بیت، اولاد رسول عربی ﷺ اور حضرت عثمان ؓ سمیت ہزاروں صحابہ کرام ؓ دفن ہیں لیکن ان پر نہ کوئی نام اور نہ ہی کوئی نشان ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ یہاں ہمارا کون سا عظیم محسن دفن ہے۔ اب مدفونین بقیع کے بارے میں صرف روایات باقی ہیں اور آل سعود کی یہ کوشش ہے کہ یہ روایات بھی باقی نہ رہیں۔ اسلام کے یہ روشن ستارے ہمارے دلوں کے آسمانوں پر جگمگا رہے ہیں اور یہ انہی کی دی ہوئی روشنی ہے کہ ہمارے لبوں پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر ہے اور دل میں محبت کا ایک سمندر موجزن ہے۔ آل سعود! تم ان لوگوں کو بے نام و بے نشان کر رہے ہو جن کا نام اور نشان ہماری عظمت کی اولین پہچان ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ اس سلسلے میں اپنے طرز عمل کو درست کر لو ورنہ بے سمت کی جس مسافت میں تم تیزی سے آگے بڑھ رہے ہو شاید وقت تمہیں اپنے کیے پر نادم ہونے کی بھی مہلت نہ دے۔ میں بوجھل قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے قریب کھڑے ہو کر میں نے اہل بقیع کے لیے فاتحہ پڑھی اور دل ہی دل میں یہ طے کر کے کہ آج نماز عصر کے بعد پھر حاضری دوں گا واپس وہاں آ گیا جہاں اہلیہ اور ہماری ہمراہی خاتون میرا انتظار کر رہی تھیں۔

یہ وہ نگری جس میں روشن روشن چہرے رہتے ہیں

(حصہ سوم)

(قبور اہل بیت و سیدنا عثمانؓ پر حاضری)

آقائے نامدار ﷺ کے شہر میں ہمارے خوش نصیبی کے جتنے بھی دن گزرے، ہمارا معمول رہا کہ ہم نماز تہجد کے لیے اٹھتے، مسجد نبوی ﷺ چلے جاتے، تہجد پڑھ کر تلاوت قرآن پاک میں مصروف ہو جاتے، اذان صبح کے بعد سنتیں پڑھتے، فرض با جماعت پڑھتے، روضہ اقدس پر حاضری دیتے اور پھر واپس اپنی رہائش گاہ پر آجاتے جہاں ناشتہ کر کے آرام کرتے۔ نماز ظہر پڑھنے کے لیے پھر مسجد نبوی ﷺ چلے جاتے، نماز پڑھ کر واپس آتے، دوپہر کا کھانا کھاتے، آرام کرتے اور پھر نماز عصر کے لیے حرم جاتے اور نماز عشاء پڑھ کر واپس آتے۔ اس پروگرام میں ایک آدھ بار تبدیلی ہوئی اور یہ تبدیلی اس وقت ہوئی جب ہم جنت البقیع گئے یا پھر مدینہ کی تاریخی مساجد اور شہدائے احد کو سلام کے لیے گئے۔ آج صبح ہم لوگ جنت البقیع حاضری دے چکے تھے لیکن میں عملی طور پر صرف امہات المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہو سکا تھا اس لیے میں نے خواتین کو مسجد نبوی ﷺ میں رہنے دیا اور خود نماز عصر کے بعد حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری سے شرف یاب ہونے کے بعد جنت البقیع آ گیا۔ میں نے صبح کی طرح پہلے مدفونین بقیع کے لیے فاتحہ پڑھی اور پھر قبور اہل بیت پر حاضر ہوا جہاں خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ، حضرت حسن ابن علیؓ، سر مبارک شہید کربلا حضرت حسین ابن علیؓ، حضرت محمد ابن الباقر

زین العابدینؓ، حضرت عباس ابن ابو مطلب، حضرت زین العابدین ابن حسین ابن علیؓ اور حضرت جعفر صادق ابن محمد الباقرؒ دفن ہیں۔

وائی کو تین کے یہ سبھی پیارے بقیع کے ایک مختصر سے ٹکڑے میں ایسے آرام کر رہے ہیں جیسے کسی گھر کے نہتے افراد بلوائیوں کے خوف سے گھر کے کسی کمرے میں ایک کونے میں سانس روکے سہمے سمٹے ہوئے بیٹھے ہوں۔ مجھے ان میں سب سے پہلے سیدہ فاطمہؓ کا خیال آیا۔ یہ وہی فاطمہؓ ہیں جن کے بارے میں میرے آقا ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک خطبے کے دوران میں فرمایا تھا ''فاطمہؓ میرا جگر گوشہ ہے، جس نے اسے دُکھ دیا، اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔''

اے خاتون جنتؓ! میں نے بچپن ہی میں آپؓ کے بارے میں بہت کچھ پڑھا اور سنا تھا۔ نجانے کیوں جب بھی آپ کا نام لیا گیا میرے دل نے ہمیشہ مجھ سے تقاضا کیا کہ اگر زندگی میں رب قدیر نے مجھے آپؓ کی قبر مبارک پر حاضر ہونے کا موقع دیا تو میں آپؓ سے ضرور اظہار تعزیت کروں گا۔ اے بنت رسول ﷺ! میں تو آج تک یہی سمجھتا رہا کہ آپؓ کے بابا ﷺ کی امت نے آپؓ کے خاندان کو زندگی میں دکھوں اور غموں سے دوچار کیا لیکن آج یہاں آ کر میں نے دیکھا کہ اہل عرب نے اس خاندان کو اس کے احسانوں کا بدلہ اس طرح دیا ہے کہ اس کے افراد کو زندگی میں تو انہوں نے ستایا اور ستایا ہی تھا، ان کی موت کے بعد بھی یہ ان کے نشانات کو یوں مٹا رہے ہیں جیسے انہیں یقین ہو کہ جب تک یہ نشانات باقی ہیں یہ زندگی کی سربلندی میں کسی اور کو آگے نہیں آنے دیں گے۔ سیدہ فاطمہؓ! کیا انہیں اب بھی معلوم نہیں ہوا کہ یہ لوگ آل رسول ﷺ کو جس قدر ستاتے ہیں، آل رسول ﷺ سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں آپؓ اور آپؓ کے خاندان کی محبت کا گلستان پہلے سے بڑھ کر پھولنے پھلنے اور مہکنے لگتا ہے۔ بی بی! آپؓ اور سیدہ ام کلثومؓ نے اپنے بابا کے زخم اس وقت دھوئے جب وہ ﷺ مکہ معظمہ میں اپنوں کے ہاتھوں زخمی ہو کر گھر تشریف لائے۔ آپؓ دونوں بہنوں نے سیدہ سودہؓ کی گھر میں

تشریف آوری سے پہلے کتنی بار اس مٹی کو اپنے معصوم ہاتھوں سے صاف کیا جو آقائے نامدار ﷺ پر مکے کی گلیوں میں محض اس قصور کی سزا کے طور پر پھینکی جاتی کہ وہ ﷺ لوگوں کو تاریکی سے نکال کر ان کے دلوں کو سچائی کے نور سے منور کرنا چاہتے تھے۔ آپؓ کے شوہر نامدار سیدنا علیؓ کے ساتھ آپؓ کے بابا کی امت نے کیا کیا۔ وہؓ بھی اسی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ آپؓ کے فرزند دلبند حضرت حسنؓ کو کس نے زہر پلایا۔ آپؓ کے دوسرے بیٹے حضرت حسینؓ کو کس نے شہید کیا۔ حسینؓ شہید ہوئے تو ان کا دھڑ عراق اور سر آپؓ کے پاس لا کر دفن کیا گیا تا کہ آپؓ اپنے لاڈلے کو اس حال میں دیکھ کر قیامت تک تڑپتی رہیں۔ آپؓ کی صاحبزادیوں سیدہ زینبؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کو کس حال میں دربار یزید میں جانا پڑا۔ آپؓ کے پوتوں، پوتیوں اور آپؓ کے نواسوں کو مسلمانوں نے کس بے دردی سے شہید کیا۔ وہ کون سے ہتھیار ہیں جو آپؓ کی اولاد پر نہیں آزمائے گئے۔ کیا یزیدی لشکر کو ظلم کی انتہا کرتے وقت یہ معلوم نہ تھا کہ عباسؓ، علی اکبرؓ، سجادؓ، زین العابدینؓ، علی اصغرؓ، عونؓ، محمدؓ، قاسمؓ، زینبؓ، ام کلثومؓ، فاطمہ کبرا، فاطمہ صغرا اور سکینہ کون ہیں؟ وہ سب کے بارے میں جانتے تھے لیکن انہوں نے آپؓ کی اولاد کے ساتھ کربلا میں وہ ظالمانہ سلوک کیا کہ تاریخ کے صفحات اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ خاتونِ جنتؓ! ثعالبی نے عبدالملک بن عمیر لیثی کے حوالے سے جو بات لکھی ہے یہاں مجھے وہ یاد آ رہی ہے۔ لیثی کہتا ہے "میں نے قصر امارۃ کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد کے روبرو ایک ڈھال پہ سر حسینؓ دیکھا۔ پھر اسی قصر میں عبیداللہ بن زیاد کا سر مختار بن ابی عبید کے سامنے پڑا ہوا دیکھا۔ تھوڑے دنوں بعد مختار بن ابی عبید کا سر مصعب بن زبیر کے سامنے دیکھا اور پھر مصعب کا سر عبدالملک کے سامنے پڑا ہوا دیکھا۔ میں نے جب یہ واقعہ عبدالملک کو سنایا تو اس نے اس قصر کو نامبارک قرار دے کر چھوڑ دیا۔ بی بی! کیا یہ وقت کے ہاتھوں خون حسینؓ کا انتقام نہیں تھا؟۔ مجھے یہاں ترمذی میں سلمیٰ کے حوالے سے مذکور خواب بھی یاد آ رہا ہے۔ سلمیٰ کہتے ہیں "میں ایک دن ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ رو رہی تھیں۔ میں نے وجہ پوچھی تو ام المومنینؓ نے فرمایا کہ میں نے رات کو رسول اللہ ﷺ کو اس طرح

دیکھا کہ ان کا سر اور داڑھی مبارک گرد آلود ہے۔ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا بات ہے؟ ارشاد فرمایا کہ میں نے ابھی حسینؓ کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔" اسی طرح بیہقی نے ابن عباس کی زبانی لکھا ہے "میں نے ٹھیک دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ لباس مبارک گرد آلود ہے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے۔ میں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، یہ کیا چیز ہے۔ فرمایا کہ یہ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے جو میں آج دن بھر جمع کرتا رہا ہوں۔ لوگوں نے اس خواب کے دن کا حساب لگایا تو وہ شہادت حسینؓ کا دن تھا۔ بی بی! وہ ﷺ جو آپؓ کو اپنا جگر گوشہ کہتے تھے، وہ ﷺ آپؓ کی اولاد کی شہادت پر کس قدر پریشان ہوئے اس کا اندازہ آپؓ نے ان دو خوابوں سے لگایا ہوگا۔ دنیا کا ہر صاحب ایمان، صاحب شعور، صاحب دل، صاحب انصاف اور صاحب اولاد آپؓ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ آپ کا غم اگر کربلا پر آ کر ہی ختم ہو جاتا تو لوگ شاید آپؓ کی اولاد کی اس قربانی پر اسلام کی بقا کے لیے تا قیامت غمزدہ تو رہتے لیکن انہیں یہ اطمینان ہوتا کہ فنا اور بقا کی اس کہانی کا عملی سفر کربلا کی اس وحشت ناک سہ پہر پر آ کر تمام ہو گیا ہے جس میں آل رسول ﷺ کے بدن خون میں نہا گئے تھے لیکن المیہ تو یہ ہے کہ یہ سفر رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ میں آپؓ کے سرہانے کھڑا یہ دیکھ رہا ہوں کہ وہ لوگ جو آپؓ کے بابا ﷺ کے قدموں کی خاک کی وجہ سے عظمتوں کے مینار کہلواتے ہیں، انہیں جونہی موقع ملتا ہے وہ پہلی کدال آپؓ کے بابا کی آل کے نشانات مٹانے کے لیے ہی چلاتے ہیں لیکن وقت اور آپ کو اور ہیں کہ یہ نشانات بظاہر تو مٹ سکتے ہیں لیکن انہیں دلوں سے نہیں مٹایا جا سکتا کیونکہ اب یہ نشانات دھرتی ہی کے سینے کی میراث نہیں رہے بلکہ اب یہ نشانات رسول عربی ﷺ کی امت کے ہر صاحب شعور شخص کے دل پر جگمگا رہے ہیں۔ بی بی! آپؓ کا یہ ادنیٰ غلام خود کو آپؓ کے قدموں کی خاک سے کمتر سمجھتا ہے اور آپؓ کے بابا ﷺ، آپ کی اولاد اور ان سب کی محبت کو اپنی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ سمجھتا ہے جن سے آپؓ کو نسبت اور محبت تھی۔ میں آپ اور آپؓ کے ساتھ آرام فرما آپؓ کے اقرباء کی خدمت میں آنسوؤں میں ڈوبا

ہوا سلام پیش کرتا ہوں۔

میں نے آلِ رسول ﷺ کی قبور شریف کے پاس بیٹھ کر فاتحہ پڑھی اور پھر امہات المومنین کی قبور شریف سے تقریباً دس میٹر بائیں طرف وہاں آ گیا جہاں دختران رسول ﷺ سیدہ ام کلثومؓ، سیدہ رقیہؓ اور سیدہ زینبؓ دفن ہیں۔ دختران رسول ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے اور فاتحہ پڑھنے کے بعد میں عقیل ابن ابو طالب کی قبر پر آ گیا۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد میں وہاں سے حضرت مالک بن انسؒ اور حضرت نافعؒ کی قبور سے ہوتا ہوا حضرت عثمان ابن مظعونؓ کی قبر پر آ گیا جن کے پہلو میں موجود نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ عبدالرحمن بن عوفؓ، سعد ابن ابو وقاصؓ، سعد ابن زرارہؓ، ابن حذافہ السہمیؓ اور فاطمہ بنت اسد (حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ) کی قبور پر میں نے حاضری دی۔ ان سب قبور پر فاتحہ پڑھنے اور ان میں مدفون شخصیات کی روشنیوں سے دل کو روشن کرنے کے بعد اب میں خاصا فاصلہ طے کر کے جنت البقیع کے اس حصے میں سیدنا عثمانؓ کی قبر مبارک کی طرف آ گیا جسے کبھی حش کوکب باغ کہا جاتا تھا اور جسے بنی امیہ کے زمانے میں جنت البقیع میں شامل کیا گیا۔

حضرت عثمانؓ کی قبر مبارک کچھ فاصلے پر میرے سامنے ہے۔ اس قبر کی طرف بڑھتے ہوئے مجھے وہاں کی فضا سے خون عثمانؓ کی خوشبو آنے لگی ہے۔ اس خوشبو کے ساتھ ہی بنی امیہ اور بنی ہاشم کی صدیوں پرانی مخاصمت کے مناظر میری آنکھوں میں سمانے لگے ہیں۔ ہاشم اگرچہ اپنے بھائی عبدالشمس سے چھوٹے لیکن فہم و فراست میں ان سے کہیں آگے ہیں۔ انہوں نے قیصر روم اور نجاشی وغیرہ سے کئی تجارتی مراعات حاصل کر لی ہیں اور خانہ کعبہ کی خدمت بھی اپنے ذمہ لے لی ہے۔ شمس کے بیٹے امیہ کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے اور وہ اپنے چچا سے کھلی دشمنی کا اظہار کرتا ہے۔ اس دشمنی کا فیصلہ کرنے کے لیے مناظرے کی تجویز سامنے آتی ہے اور طے ہوتا ہے کہ قبیلہ خزاعہ کا کاہن مناظرے میں جیت یا ہار کا فیصلہ کرے گا۔ یہ بھی طے پاتا ہے کہ ہارنے والا شخص جیتنے والے کو پچاس کالی آنکھوں والے اونٹ دے کر دس سال کے لیے جلاوطنی کی زندگی گزارے گا۔

مناظرہ ہوتا ہے۔ کاہن ہاشم کے حق میں فیصلہ دیتا ہے۔ امیہ کالی آنکھوں والے پچاس اونٹ ادا کر کے علاقے سے چلا جاتا ہے لیکن اس فیصلے نے ایک ہی خاندان کو اس طرح دو مخالف دھڑوں میں تقسیم کر دیا ہے کہ جس کے اثرات لئے تاریخ عالم میں کئی سیاہ باب رقم کیے ہیں۔ اس مخالفت کو میرے آقا ﷺ نے اپنی فہم و فراست اور محبت سے رفاقت کی شکل دی ہے لیکن ان دونوں دھڑوں میں تھوڑے عرصہ بعد مخالفت کا جو آتش فشاں پھٹتا ہے اس کی آتش فشانی سے دھرتی اپنا سینہ بچا نہیں سکتی۔ امیہ ہاشم سے ٹکرایا ہے۔ ابوسفیان نے آقائے دو جہاں ﷺ کے راستے میں خار بچھائے ہیں، امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ ایک دوسرے کے سامنے آئے ہیں، یزید نے حضرت حسینؓ کو شہید کرایا ہے، مروان سے خلافت بنی امیہ کا آغاز ہوا ہے جسے اولاد عباس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فنا کی گود میں سلا دیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کو شہید کیوں کیا گیا؟۔ میں نے جب جب اس سوال پر غور کیا ہے، مجھے اس کے پیچھے واضح طور پر عبداللہ ابن سبا کی منصوبہ سازی کارفرما نظر آئی ہے جس نے عراق، مصر، کوفہ، بصرہ غرض ہر صوبے میں جا کر حضرت عثمانؓ کے خلاف بے بنیاد الزامات کے زیر اثر ایک ایسی مخالف فضا تیار کی ہے جس کا نتیجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی صورت میں نکلا ہے اور جس کے باعث اسلامی اتحاد میں ایک ایسا رخنہ پڑ گیا ہے جو قیامت تک بھی شاید بند نہیں ہو سکے گا۔ ابن سبا کے منصوبے میں اسی قدیم خاندانی مخاصمت پر کام کیا گیا ہے جس سے مفسدین اپنے مقاصد میں کامیاب رہے ہیں۔

وہ الزامات جن کی بنیاد پر سیدنا عثمانؓ پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا اور بعد ازاں انؓ کے خون ناحق سے تاریخ کے اوراق کو لہو رنگ کیا گیا اگر ان پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ الزامات قاتلان عثمانؓ کی خوئے بد نے صرف بہانے کے طور پر تراشے تھے۔ انہوں نے پہلا الزام یہ لگایا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے اکابر صحابہؓ کی موجودگی میں بڑے بڑے عہدے اپنے ناتجربہ کار اقرباء کو دے رکھے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوںؓ نے ایسا صرف ناگزیر وجوہ کی بنیاد پر کیا تھا

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا ہر فیصلہ ملتِ اسلامیہ کے بہترین مفاد کو پیشِ نظر رکھ کر کیا مثلاً انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرے کی گورنری سے اس وقت ہٹایا جب اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ رہا تھا۔ حضرت عثمانؓ پر دوسرا الزام یہ تھا کہ انہوں نے اپنے عزیزوں پر بیت المال سے بے حد رقم خرچ کی۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عثمانؓ عرب کے سب سے بڑے تاجر تھے۔ ایک وقت تھا کہ ان کے پاس ہزاروں اونٹ اور ہزاروں بکریاں اور بہت زیادہ سامانِ تجارت تھا لیکن جب آپ شہید ہوئے تو اس وقت سوائے ان دو اونٹوں کے جو انہوںؓ نے حج کے لیے رکھے ہوئے تھے، انؓ کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انہوںؓ نے اس الزام کو رد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے عزیزوں کو جو کچھ دیا اپنی جیب سے دیا، اس میں بیت المال کا ایک درہم بھی شامل نہ تھا۔ تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ انہوںؓ نے اس سلسلے میں جو فرمایا اس کا حرف حرف درست تھا۔ حضرت عثمانؓ پر تیسرا الزام یہ تھا کہ انہوں نے زید بن ثابتؓ کے لکھے ہوئے قرآن کے سوا باقی سب صحیفوں کو جلا دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوںؓ نے جس صحیفے کو باقی رکھا، وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تیار کرایا تھا۔ یہ وہی صحیفہ تھا جو نبی اکرم ﷺ نے ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے پاس محفوظ کرایا تھا اور جسے بعد میں صدیق اکبرؓ نے جید صحابہؓ کے مشورے سے ترتیب دیا اور جسے مصحفِ صدیقی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اندریں صورتِ حال اس سے زیادہ مستند صحیفہ اور کونسا ہو سکتا تھا؟ حضرت عثمانؓ پر چوتھا الزام یہ تھا کہ انہوں نے بعض صحابہ کرامؓ جن میں حضرت ابو ذر غفاریؓ، عمار بن یاسرؓ اور ابن مسعودؓ جیسے صحابہ کرامؓ شامل تھے کی تذلیل کی اور نئی نئی بدعتیں اختیار کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوںؓ نے کبھی کسی صحابیِ رسولؐ کی تذلیل کا تصور تک نہیں کیا تھا البتہ حضرت عثمانؓ نے چند اجتہادی مسائل میں علی الاعلان اپنا کردار ادا کیا جنہیں کسی بھی طرح بدعت کے ذیل میں نہیں رکھا جا سکتا اور آخری الزام یہ تھا کہ انہوںؓ نے مصری وفد کے ساتھ بد عہدی کی۔ یہ وہ الزام ہے جس میں سیدنا عثمانؓ بعد تحقیق بے قصور بھی ثابت ہوئے لیکن مفسدوں نے اسی کی آڑ میں یہ مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ حضرت عثمانؓ

نے جب یہ مطالبہ یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اگر انہوں نے اس طرح خلافت چھوڑی تو پھر یہ روایت بن جائے گی کہ لوگ ہر بات پر خلیفہ سے دستبرداری کا مطالبہ کریں گے تو مفسدوں نے محاصرہ کر لیا اور یہ محاصرہ اس وقت ختم ہوا جب سیدنا عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔

شہادتِ عثمانؓ سے کچھ عرصہ قبل مدینہ منورہ شورشوں اور سازشوں کی مکمل گرفت میں رہا۔ وقت کے تیور بتا رہے تھے کہ کچھ ہونے والا ہے۔ اسلام کے خیر خواہ حالات کو راہ پر لانے اور بدخواہ بگاڑنے کے درپے تھے۔ سازشیوں اور مفسدوں کا ایک بہت بڑا ٹولہ مدینے میں مقیم تھا اور اپنے من پسند فیصلے کروانا چاہتا تھا لیکن اہل خیر ایسے اقدامات کے متمنی تھے جس سے اسلامی سلطنت کے استحکام کو کوئی خطرہ درپیش نہ ہو۔ اہل خیر کی دانشمندی اور سیدنا عثمانؓ کی امن پسندی نے کئی بار تصادم کے رخ کو امن کی طرف موڑا۔ باغیوں نے مسجد کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے نمازیوں اور خود سیدنا عثمانؓ پر شدید پتھراؤ کیا۔ آپؓ شدید زخمی ہوئے لیکن اس کے باوجود آپؓ نے شہر نبی ﷺ کو خون ریزی اور خانہ جنگی سے محفوظ رکھنے کے لیے ہر ایسی کارروائی سے اجتناب کیا جس سے طاقت کا اظہار ہوتا ہو۔ آپؓ نے اصلاحِ احوال کی کوششوں میں مزید تیزی پیدا کر دی۔ قریب تھا کہ حالات بالکل درست ہو جائیں کہ آپؓ کے چچازاد بھائی مروان کی بداندیشی کی وجہ سے تاریخِ اسلام میں شہادتِ عثمانؓ کا خونیں باب رقم ہوا۔ ہوا یوں کہ اہل مصر کا ایک وفد وہاں کے حاکم عبداللہ بن سرح کی طرف سے ہونے والے مظالم کی شکایت لے کر مدینہ منورہ آیا۔ آپؓ نے بذریعہ خط عبداللہ بن سرح کی سخت باز پرس فرمائی۔ وفد کی مصر واپسی پر عبداللہ نے وفد کے اراکین کے ساتھ معاملہ فہمی کی بجائے انہیں سخت سزائیں دیں اور آدمی کو قتل بھی کر دیا۔ اس سے کشیدگی میں بے حد اضافہ ہوا۔ مفسدین اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک انتہائی مربوط سازش کے ذریعے مختلف ٹولیوں کی شکل میں حاجیوں کا روپ دھار کر مدینے کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں ایک تملہ آور فوج کی صورت اختیار کر لی اور آپؓ کے خلاف سخت مظاہرہ کیا۔ جب آپؓ کو معلوم ہوا تو آپؓ نے حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت علیؓ کو۔

کے بعد دیگرے ان کے پاس بھیجا اور ترغیب دلائی کہ سبھی مظاہرین اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے جائیں۔ ان کے تمام جائز مطالبات ضرور پورے ہوں گے۔ اسی دوران میں مسجد میں مطالبات پر غور ہوا تو طلحہ بن عبیداللہ نے آپؓ کے ساتھ انتہائی سخت اور قابل اعتراض زبان میں گفتگو کی جسے آپؓ نے امت نبی ﷺ کی بہتری کو پیش نظر رکھتے ہوئے تحمل سے سنا۔ اسی دوران میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا پیغام آیا کہ آپ عبداللہ بن سرح کو جس پر صحابہؓ کو قتل کرنے کا الزام ہے، اس کے عہدے سے ہٹا دیں۔ حضرت علیؓ نے بھی یہی تجویز پیش کی جسے فوراً تسلیم کر لیا گیا اور مسجد میں موجود لوگوں ہی کو اختیار دیا کہ وہ جسے چاہیں اسے مصر کی امارت تفویض کر دیں۔ لوگوں نے محمد بن ابی بکرؓ کو منتخب کیا۔ آپؓ نے عبداللہ بن سرح کی برطرفی اور محمد بن ابی بکرؓ کی تقرری کا خط تحریر کر دیا۔ یہ فرمان لے کر محمد بن ابی بکرؓ مہاجرین اور انصار کے ساتھ مصر روانہ ہو گئے اور شورش اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔

محمد بن ابی بکرؓ کو روانہ ہوئے چند روز ہی گزرے تھے کہ مدینہ منورہ کے گلی کوچے انتقام، انتقام کے نعروں سے گونج اٹھے۔ لوگوں نے گھروں سے باہر نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ پورا شہر مفسدین سے بھر گیا ہے اور ہر ایک کے لبوں پر ایک عجیب کہانی ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ اور بہت سے صحابہ جمع ہوئے۔ مفسدین کی بات سنی گئی۔ انہوں نے بتایا کہ جب محمد بن ابی بکرؓ اپنے قافلے کے ساتھ مدینے سے تیسری منزل پر تھے تو خلافت کا ایک تیز رفتار شتر سوار ان کے قریب سے گزرا۔ محمد بن ابی بکرؓ کے رفیقوں نے اسے پکڑ لیا۔ شتر سوار نے بتایا کہ وہ امیر المومنینؓ کا غلام ہے اور مصر کے حاکم کے پاس جا رہا ہے۔ شتر سوار کو جب بتایا گیا کہ مصر کے حاکم تو محمد بن ابی بکرؓ ہیں تو اس نے اس بات سے انکار کیا اور آگے بڑھنے لگا۔ اسے دوبارہ پکڑ لیا گیا۔ تلاشی لی گئی تو خشک مشکیزے میں سے ایک خط برآمد ہوا جس میں امیر المومنین کی مہر کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ ''محمد بن ابی بکرؓ اور ان کے ساتھی جب تمہارے پاس پہنچیں تو انہیں قتل کر دو اور ہر شکایت کرنے والے کو تا حکم ثانی قید میں ڈال دو۔''

مفسدین نے یہ خط حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ وغیرہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کیونکہ امیر المومنین نے بدعہدی کی ہے اس لیے اس بات کا انتقام ضرور لیا جائے گا۔

حضرت علیؓ اور دیگر اصحابہ کرامؓ یہ خط لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے۔ حضرت علیؓ نے امیر المومنین سے غلام، اونٹنی، مہر اور خط کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔

''غلام میرا ہے، اونٹنی میری ہے، مہر میری ہے لیکن میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ یہ خط میں نے نہیں لکھا اور نہ ہی میں نے اس کا حکم دیا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ اس کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں۔''

خط کے بارے میں تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ مروان کی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے۔ مفسدین نے مطالبہ کیا کہ مروان کو ان کے حوالے کیا جائے جس پر اس کے قتل کے خدشے کے باعث سیدنا عثمانؓ رضامند نہ ہوئے۔ اس پر مفسدین نے امیر المومنین کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور خلافت سے دست برداری کا مطالبہ کیا جسے واضح الفاظ میں رد کر دیا گیا۔

عام طور پر مدینہ منورہ میں حالات کی باگ ڈور حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ جیسے جلیل القدر اصحابہؓ کے ہاتھ میں رہتی تھی لیکن اب حالات اس حد تک مخدوش ہو چکے تھے کہ لوگ ان کی بات بھی نہیں سنتے تھے۔ محاصرہ طول پکڑ گیا اور یہ چالیس دن تک جاری رہا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ محصورین پانی کی ایک بوند تک کو ترس گئے۔ ایک دن سیدنا عثمانؓ خود بالا خانے پر تشریف لائے۔ فرمایا

''کیا تم میں علیؓ موجود ہیں؟'' جواب ملا ''نہیں''

فرمایا ''کیا اس مجمع میں سعدؓ ہیں؟'' جواب ملا ''نہیں''

پھر فرمایا ''کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو علیؓ سے جا کر کہہ دے کہ وہ ہم پیاسوں کو پانی پلا دیں؟'' ایک دردمند شخص نے یہ پیغام حضرت علیؓ تک پہنچایا۔ انہوں نے پانی کے تین مشکیزے

بھجوائے لیکن ان مشکیزوں کو پہنچانے میں بھی بنی ہاشم اور بنی امیہ کے چند غلام زخمی ہوئے۔ اب خبر اڑی کہ اگر مروان کو محاصرین کے حوالے نہ کیا گیا تو حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ سنتے ہی سیدنا علیؓ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے علاوہ کئی صحابہ کرامؓ نے اپنے بیٹوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔

ایک دن حضرت مغیرہؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے تین مشورے دیئے۔ اول یہ کہ آپؓ کے طرف داروں اور جانبازوں کی نہایت طاقتور جماعت موجود ہے، جہاد کا حکم دیں، دوم یہ کہ صدر دروازے کے سامنے کی دیوار توڑ کر محاصرے سے نکلیں اور مکہ معظمہ تشریف لے جائیں، سوم یہ کہ شام تشریف لے جائیں جہاں آپؓ کے وفادار موجود ہیں۔ سیدنا عثمانؓ نے جواب دیا ''میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہو کر میں یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ امت محمدیہ میں خونریزی کی ابتدا کروں۔ مکہ معظمہ نہیں جا سکتا کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا کہ حرم پاک میں قریش کا ایک آدمی فتنہ وفساد کرائے گا جس پر آدھی دنیا کا عذاب ہو گا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی اس وعید کا مورد نہیں بن سکتا۔ میں اس دار ہجرت کو جہاں مجھے نبی اکرم ﷺ کے پڑوس اور ہمسائیگی کی نعمت حاصل ہے چھوڑ کر شام جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

جب آپؓ نے اپنے کانوں سے یہ سنا کہ مفسدین آپؓ کو شہید کرنے کا اعلان کر رہے ہیں تو آپ چھت پر تشریف لائے اور باغیوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''لوگو! وہ کون تھا جب مسلمانوں کے لیے مسجد میں نماز پڑھنے کی جگہ تنگ ہو گئی تھی تو اس نے نبی اکرم ﷺ کے حکم پر اللہ کے لیے زمین خرید کر مسجد کے لیے وقف کر دی؟''

آوازیں ابھریں ''وہ آپؓ تھے۔''

آپؓ نے فرمایا۔

''لوگو! اگر وہ میں تھا تو پھر آج تم مجھے اس مسجد میں نماز پڑھنے سے کیوں روک رہے

ہو؟'' پھر فرمایا ''وہ کون تھا جس نے مدینے میں موجود میٹھے پانی کا واحد کنواں بیر رومہ مسلمانوں کو پانی کی قلت کے عذاب سے بچانے کے لیے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا؟''

جواب آیا ''وہ آپؓ ہی تھے۔''

آپؓ نے فرمایا ''اگر وہ میں ہی تھا تو پھر آج تم مجھے اس کنویں کے پانی سے کیوں روک رہے ہو؟'' پھر فرمایا ''وہ کون تھا جس نے لشکر اسلام کو سازو سامان سے آراستہ کیا تھا؟''

جواب آیا ''وہ آپؓ ہی تھے۔''

آپؓ نے فرمایا ''لوگو! کیا میں اس وقت آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ کوہ حرا پر موجود نہ تھا جب احد آپ ﷺ کی موجودگی میں ہلنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا ''احد ٹھہر جا کہ اس وقت تجھ پر ایک نبی ﷺ، ایک صدیق اور ایک شہید کھڑے ہیں؟'' —

لوگوں نے جواب دیا ''آپؓ وہاں موجود تھے۔''

آپؓ نے فرمایا ''لوگو! کیا وہ شخص میں ہی نہیں جس کے لیے حدیبیہ کے مقام پر نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری طرف سے خود اپنی بیعت لی تھی؟

مجمع نے جواب دیا ''وہ آپؓ ہی تھے۔''

''تو پھر لوگو! تم میرے خون کے پیاسے کیوں ہو؟ اسلام میں کسی کو قتل کرنے کی صرف تین صورتیں ہیں۔ اول، وہ بدکار ہو، اسے سنگسار کیا جاتا ہے۔ دوم، اس نے قتل عمد کیا ہو، وہ قصاص میں مارا جاتا ہے۔ سوم، وہ مرتد ہو گیا ہو، اسے انکار اسلام پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ کیا تم جسے قتل کرنا چاہتے ہو، وہ ان تینوں باتوں میں سے کسی کا مرتکب ہے۔''

مفسدین میں سے کسی کے پاس آپؓ کی فضیلت تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی جواب نہ تھا اور نہ ہی اس بات کی کوئی دلیل تھی کہ وہ آپؓ کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کے ذہنوں نے جو منصوبہ تخلیق کر لیا تھا وہ اس پر عمل کرنے پر قائم رہے۔ یہ وہ حالات تھے جن کی نزاکت کا ہر اک کو

احساس ہو گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حاضر ہوئے اور کہا کہ امیر المومنین! سات سو جانباز حاضر ہیں۔ اجازت عطا فرمائیں تاکہ ہم باغیوں کی طاقت آزمالیں۔ جواب میں فرمایا کہ خدا کے لیے میرے لیے ایک بھی مسلمان کا خون نہ بہایا جائے۔ زید بن سعدؓ اور پھر حضرت ابوہریرہؓ نے جہاد کی اجازت طلب کی کیونکہ انہیں یقین تھا کہ آپؓ کی زبان سے اجازت کے ایک لفظ پر ایک لاکھ مسلمان جھنڈے کے نیچے آن کھڑے ہوں گے لیکن آپؓ نے سورہ مائدہ کی آیت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ اگر تم نے ایک شخص کو بھی ناحق قتل کیا تو گویا تم نے پوری مخلوق کو قتل کیا۔

آپؓ کو نبی اکرم ﷺ کی وہ پیش گوئی یاد تھی جو والی دو جہاں ﷺ نے آپؓ کے بارے میں کی تھی۔ جمعہ کو طلوع آفتاب سے قبل آپؓ نے روزے کی نیت فرمائی۔ نیند آئی تو خواب دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ساتھ ہیں۔ فرمایا ''عثمان! جلدی آؤ، ہم افطاری پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' آنکھ کھلی تو اہلیہ محترمہ سے کہا، آج میری زندگی کا آخری دن ہے۔ گھر میں بیس غلام تھے، سب کو آزاد فرمایا۔ وہ پاجامہ جسے زیب تن فرما کر زیب تن کیا جو آپؓ نے کبھی نہیں پہنا تھا۔ کلام پاک کھولا اور تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

کاشانہ عثمانی سے باہر بلوائیوں کو یقین تھا کہ حج کے دن ختم ہونے کو ہیں۔ لوگ حج سے واپس آئیں گے تو ان کے منصوبے کی تکمیل مشکل ہو جائے گی۔ محمد بن ابی بکر نے تیر چلانا شروع کر دیئے۔ ایک تیر دروازے پر کھڑے ہوئے حضرت حسنؓ کو لگا جس سے وہ زخمی ہو گئے۔ ایک تیر مروان تک پہنچا اور ایک تیر سے حضرت علیؓ کے خادم قنبر زخمی ہوئے۔ حضرت حسنؓ کو زخمی حالت میں دیکھ کر بلوائیوں میں خوف پیدا ہو گیا کہ بنی ہاشم آ گئے تو وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکیں گے اس لیے باہم مشورے کے بعد بلوائی محل کے اندر کود گئے۔ اتفاق یہ کہ محل کے اندر حضرت عثمانؓ اور ان کی اہلیہؓ کے علاوہ باقی لوگ چھت پر تھے۔ سیدنا عثمانؓ اس وقت مصروف تلاوت کلام پاک تھے۔ محمد بن ابوبکر نے آگے بڑھ کر آپؓ کی ریش مبارک پکڑی تو آپؓ نے نہایت دکھ سے فرمایا: ''بھتیجے! اگر اس وقت میرے بھائی ابوبکرؓ موجود ہوتے تو وہ اس دکھ

کو برداشت نہ کر پاتے۔" محمد بن ابوبکر پشیمان ہو کر پیچھے ہٹے تو کنانہ بن بشیر نے سلاخ سے آپؓ کی پیشانی پر ضرب لگائی۔ دوسری ضرب سودان بن حمران نے لگائی۔ آپؓ بسم اللہ توکلت علی اللہ کہتے ہوئے فرش پر گر پڑے۔ آپؓ کا لہو قرآن پاک کو رنگین کر گیا۔ عمرو بن حمق آپؓ کے سینے پر چڑھ گیا اور نیزے سے جسم مبارک کو چھیدنے لگا۔ ایک بدبخت نے آگے بڑھ کر تلوار چلائی۔ حضرت نائلہؓ نے اسے اپنے ہاتھ پر روکنا چاہا تو تین انگلیاں کٹ گئیں۔ وہ چیختی ہوئی چھت پر گئیں اور چلائیں۔ امیر المومنین شہید ہو گئے۔ لوگ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کا یہ وزیر اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ دو دن تک آپؓ کی لاش بے گور و کفن وہیں پڑی رہی۔ سنگ دلی کا یہ عالم تھا کہ لوگ آپؓ کی تجہیز و تکفین تک کے روادار نہ تھے۔ آخر پوشیدہ طور پر صرف سترہ آدمیوں نے آپؓ کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ حضرت زبیرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور رات کے اندھیرے میں جب آپؓ کا جنازہ جنت البقیع میں پہنچا تو ابن نجیدہ الساعدی نامی آدمی نے آپؓ کو وہاں دفن کرنے سے روک دیا جس کے بعد آپؓ کو حش کوکب نامی باغ میں اس جگہ دفن کیا گیا جہاں میں آپؓ کی خدمت میں آنسوؤں کا نذرانہ لے کر حاضر ہوں۔

جب میں تاریخ اسلام کے اس خونی باب کا ذہن ہی ذہن میں مطالعہ کر کے اس کے اثر سے باہر آیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اس طویل وقت میں صرف چند قدم ہی کا سفر طے کیا ہے لیکن اس دوران میں میرے آنسوؤں کی رفتار میرے قدموں کی رفتار سے کہیں زیادہ تھی۔ میری قمیض کے سامنے کا حصہ تقریباً تر ہو چکا تھا اور میری آنکھیں اس رفتار کو کم کرنے پر ہنوز آمادہ نہ تھیں۔ میں نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ قبرستان میں اور بھی کافی لوگ موجود تھے۔ ان میں دو آدمی ایک ڈھیری پر کھڑے ایسے دعا مانگ رہے تھے جیسے وہ دعا نہ مانگ رہے ہوں بلکہ چوری کر رہے ہوں۔ میں چند قدم آگے بڑھا اور اب خاموشی سے اس جگہ کو دیکھنے لگا جس کے نیچے ذوالنورین سیدنا عثمان آرام فرما ہیں۔

سیدنا عثمانؓ! آپؓ کی خدمت میں مجھ بے بس و بے اختیار غلام کا سلام پہنچے۔ میں

جب جب آپؓ کی مبارک زندگی پر غور کرتا ہوں، مجھے آپؓ کی ذات میں سخاوت، فیاضی، صلح جوئی، امن پسندی، نرم روی، حیاداری، صلہ رحمی، زہد واتقا، انکساری، اطاعتِ احکام خداوندی، فرمانبرداری رسول ﷺ اور وفاشعاری جیسے روشن پہلو اس طرح جگمگاتے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے رات کے وقت آسمان پر ستارے۔ آپؓ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آپؓ پہلے مہاجر ہیں جنہوں نے حضرت لوطؑ کے بعد دین کی راہ میں ہجرت کی۔ آپؓ نے عشقِ محمد ﷺ پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ آپؓ کے دور میں اسلامی سلطنت کی حدود جبل زور (ہندوستان)، خراسان، شمالی افریقہ، ایشائے کوچک، آرمینیہ واذربائیجان اور قبرص تک پھیل گئیں۔ آپؓ نے زندگی بھر سینکڑوں بیواؤں، یتیموں، اور غریبوں کی پرورش فرمائی۔ آپؓ کے اسلام لانے کے بعد کی روشن زندگی میں ایک بھی جمعہ ایسا نہیں گزرا جب آپؓ نے ایک غلام آزاد نہ کیا ہو۔ آپؓ نے اپنی پوری زندگی نبی اکرم ﷺ کی محبت میں گزاری اور نبی اکرم ﷺ نے بھی آپؓ سے قابلِ رشک حد تک محبت فرمائی۔ امیر المومنینؓ! مجھے یاد آ رہا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، آپؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک مکان میں تشریف فرما تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے ہر شخص اپنے کفو کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔" نبی اکرم ﷺ آپؓ کی طرف تشریف لائے اور بغلگیر ہوتے ہوئے فرمایا "تم دنیا اور آخرت میں میرے دوست ہو۔"

امیر المومنینؓ! جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے دنیا اور آخرت کے دوست کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے، ان کا آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ آپؓ اگر چاہتے تو باغیوں اور مفسدین کا طاقت سے مقابلہ کیا جا سکتا تھا اور انہیں کچلا جا سکتا تھا لیکن آپؓ نے اپنی ذات کے لیے خوں ریزی سے ہر حال میں پرہیز فرمایا۔ لوگوں نے آپؓ کے لیے مشکلات پیدا کیں لیکن آپؓ نے اس حال میں بھی ان کے لیے بہتری سوچی۔ اے ذوالنورینؓ! مجھے یاد ہے کہ میرے آقا ﷺ نے زندگی بھر صرف ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھانے سے یہ کہہ کر انکار فرمایا۔ "یہ عثمانؓ سے بغض

رکھتا تھا، لہٰذا اللہ عزوجل اس کو مبغوض رکھتے ہیں۔"

اے امیر المومنینؓ! میں سوچ رہا ہوں کہ ان لوگوں کا روزِ آخر کیا حشر ہوگا جنہوں نے آپؓ کے گھر کا چالیس روز تک محاصرہ کیا، آپؓ پر پانی بند کیا اور توہین کا ہر وہ رستہ اختیار کیا جو ان کے امکان میں تھا؟ تاریخ عالم میں آپؓ کے علاوہ ایک بھی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس کی کسی نبی کی دو صاحبزادیوں سے شادی ہوئی ہو۔ آپؓ کاتبِ وحی ہیں۔ آپؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپؓ جب مسلمان ہوئے تو آپؓ سے پہلے صرف تین افراد ہی نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ آپؓ نے زندگی بھر نہ کبھی گانا سنا اور نہ ہی لہو ولعب کی خواہش فرمائی۔ آپؓ زمانۂ جاہلیت میں بھی بدکاری اور چوری کے نزدیک نہیں گئے۔ آپؓ حافظِ قرآن تھے، علم الفرائض اور علم المناسک میں بے مثال تھے۔ آپؓ کی عبادت کا انداز منفرد تھا۔ آپؓ ایک ہی رکعت میں مکمل قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ آپؓ نے قرآن پاک کی نشر واشاعت میں سب سے اہم کردار ادا فرمایا۔ آپؓ حسن وجمال کا مرقع تھے۔ آپؓ ہی کے بارے میں آقائے نامدار ﷺ اکثر اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ سے فرمایا کرتے تھے۔ "تیرا خاوند تیرے دادا (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اور تیرے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔"

اے امیر المومنینؓ! آپؓ نے امتِ محمدیہ کی ہر وہ خدمت کی جو آپؓ کے امکان میں تھی لیکن مقامِ افسوس ہے کہ چند شر پسندوں، عاقبت نااندیشوں اور بدبختوں نے آپؓ کے حوالے سے تاریخ میں ایک ایسا باب رقم کیا جو قیامت تک ان کے لیے نشانِ ندامت بنا رہے گا۔ آپؓ نے اپنی شہادت کا یقین ہونے پر مفسدین سے بجا فرمایا تھا۔

"یاد رکھو! اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو بخدا پھر قیامت تک نہ ایک ساتھ نماز پڑھ سکو گے اور نہ ہی جہاد کر سکو گے۔"

آپؓ کی شہادت پر حضرت حذیفہؓ نے کیا خوب فرمایا تھا "عثمانؓ کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہو گیا ہے جسے پہاڑ بھی بند نہیں کر سکتا۔" حضرت ابن عباسؓ نے کہا "اگر ساری مخلوق

قتل عثمان میں شامل ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے۔" حضرت سعید بن زید نے فرمایا "لوگو! اگر تمہاری بداعمالی کی سزا میں کوہ احد بھی تم پر پھٹ پڑے تو بجا ہے۔" اور حضرت ثمامہ نے فرمایا "آج رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا خاتمہ ہو گیا۔ اب بادشاہت کا دور شروع ہوگا۔"

امیر المومنینؓ! میں سر جھکائے بصد ادب و نیاز آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ میرا دل ان دنوں کو یاد کر کے خون کے آنسو روتا ہے جب آپؓ پر ان لوگوں ہی نے ظلم و زیادتی کی انتہا کر دی تھی جن کی بہتری کے لیے آپؓ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ قربان کیا۔ مجھے مدینہ منورہ کی فضا سے آج بھی آپؓ کے خون کی خوشبو آ رہی ہے۔ مجھے آپؓ کے چھلنی جسمِ مبارک سے لہو بہتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا جسد مبارک بے کفن ہے اور اس پر سے کسی نے خون صاف کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ میں حش کوکب کے اس حصے کو بھی سلام پیش کرتا ہوں جس نے آپؓ کی میت پر اس وقت اپنی بانہیں کھولیں جب دنیا نے آپؓ کو رفاقت رسول ﷺ اور رفاقت شیخینؓ سے محروم کیا اور جب آپؓ پر جنت البقیع کے دروازے بند کر دیے گئے۔ یہ آپؓ کی ذات مبارک کا فیض ہے کہ آج حش کوکب باغ جنت البقیع کا حصہ ہے۔ میں شہر نبی ﷺ کے ان سترہ لوگوں کی خدمت میں بھی سلامِ عقیدت پیش کرتا ہوں جنہوں نے آپؓ کے جنازے میں حالات کی سنگینی کی پروا نہ کرتے ہوئے شرکت کی۔ امیر المومنینؓ! بقول ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ "حضرت عثمانؓ دھلے ہوئے کپڑوں کی طرح پاک صاف ہو گئے۔" آپؓ تو پاک صاف تھے، ہیں اور رہیں گے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے تاریخ اسلام کے صفحات پر آپؓ کے قتل کی تحریریں رقم کیں، انہیں یہی تحریریں قیامت تک نادم اور حشر میں ان کے چہروں کو سیاہ کر دیں گی۔ میں آپؓ کی خدمت میں اپنا سلام پیش کرتا ہوں۔

میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہاں میرے علاوہ تین اور اشخاص بھی آپؓ کی خدمت میں حاضر تھے اور چشم تر نذرانہ عقیدت پیش کر رہے تھے۔ میں نے سیدنا عثمانؓ کے لیے فاتحہ پڑھی

اور بوجھل قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتا ہوا جنت البقیع کے دروازے کے قریب آ گیا جہاں اہل بقیع کے لیے فاتحہ پڑھنے کے بعد قبرستان سے باہر نکل آیا۔ مدینہ منورہ میں چند روزہ قیام کے دوران جب بھی موقع ملا میں اسلام کی ان نامور اور بے مثال شخصیات کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کر کے اپنی عاقبت کے لیے روشنی کی وہ راہیں تلاش کرتا رہا جن پر چل کر کوئی بھی انسان آنے والی زندگی کے لیے بہتری کا بندوبست کر سکتا ہے۔

تیرے شہر کا ذرہ ذرہ میرے آقا ﷺ روشن ہے

(میدان احد اور مدینہ منورہ کی تاریخی مساجد کی زیارت)

مدینہ منورہ کا چپا چپا اپنے روشن سینے میں تاریخ کے کئی ابواب سمیٹے ہوئے ہر لمحے ہر اس شخص کا منتظر رہتا ہے جو ان ابواب کا پورے خلوص کے ساتھ مطالعہ کرنے کا متمنی ہو۔ زمین کا یہ منفرد حصہ جس پر ہم کھڑے ہیں اور آسمان کا وہ حصہ جو ہمارے سروں پر ہے اپنے دامن میں بے مثال عظمتوں کے سلسلے محفوظ کیے ہمیں گزری ہوئی صدیوں کی ایسی کہانیاں سنا رہا ہے جن سے ہمارا ماضی مکمل طور پر جڑا ہوا ہے، حال مشکبار ہے اور مستقبل کی تمام تر امیدیں وابستہ ہیں۔ ہم نے اس شہر میں جو مختصر سا وقت گزارا ہے اس میں سے زیادہ وقت مسجد نبوی ﷺ یا پھر رہائش گاہ پر ہی گزرا ہے کیونکہ ہم نے سیر و تفریح یا شاپنگ وغیرہ جیسے مشاغل کو اپنے قریب بھٹکنے ہی نہیں دیا۔ شہر نبی ﷺ کے یوں تو ان گنت مقامات زیارت کے متقاضی ہیں لیکن یہاں کی بہت سی تاریخی مساجد اور جبل احد کے دامن میں سید الشہدا سیدنا امیر حمزہ اور دیگر شہدائے احد کی قبور پر حاضری کے بغیر اس شہر سے لوٹ جانا یقیناً تشنگی کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ اس شہر میں گو ہم نے اپنے مزبانوں سے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ وہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں لیکن یہ ان کی سعادت ری ہے کہ انہوں نے ہمیں آرام پہنچانے اور ہمارا ہر طرح سے خیال رکھنے میں کوئی کمی نہیں ڑی۔ گزشتہ شب اہلیہ کو اچانک تکلیف ہوگئی۔ میں نے اسلم کو ٹیلیفون کیا۔ وہ گاڑی لے کر چند نٹ میں حاضر ہو گیا۔ ایک ڈاکٹر صاحب کے پاس گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے عربی لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی ہم سے اردو میں پوچھا "پاکستان سے آئے ہیں؟"

''جی'' میں نے جواب دیا۔

''کس شہر سے'' انہوں نے اہلیہ کو چیک اپ کے لیے مخصوص نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ اہلیہ اس نشست پر بیٹھ گئیں۔ میں نے جواب دیا'' بہاول پور سے۔''

''پھر تو آپ سے گپ شپ بھی ہوگی۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے اور میں حیرت سے انہیں دیکھنے لگا کہ یہ عرب کس قدر صاف اردو بولتا ہے۔ چیک اپ کے بعد انہوں نے نسخہ لکھا۔ کام سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے دوبارہ گفتگو کا آغاز کیا۔

''ہاں تو آپ بہاول پور سے آئے ہیں، بہاول پور مجھے بہت عزیز ہے اس لیے کہ میں وہاں قائد اعظم میڈیکل کالج میں زیر تعلیم رہا ہوں۔''

''ڈاکٹر صاحب! آپ یہاں سے وہاں تعلیم حاصل کرنے گئے تھے۔'' میں نے پوچھا۔

''حاجی صاحب! یہاں سے کہاں، میں تو لاہور کا رہنے والا ہوں۔ بہت برسوں سے یہاں ہوں۔ میری تراش خراش اور بول چال سے آپ ہی کی طرح عرب بھی مجھے عرب سمجھتے ہیں۔ ایک خاص وجہ سے یہاں کی شہریت مل گئی تھی اب یہاں کا ہو گیا ہوں۔ بہاول پور میں میرے عزیز بھی ہیں۔''

''کون ہیں وہ صاحبان؟'' میں نے پوچھا۔ جب انہوں نے اپنے عزیزوں کے نام بتائے تو میں نے ان سب کے بارے میں انہیں تفصیل سے بتا دیا۔ میرے منہ سے اپنے عزیزوں کی تفصیل سن کر ڈاکٹر شیخ شبیر احمد بہت خوش ہوئے۔ ہمارے ساتھ میڈیکل سٹور تک آئے، انہی کی نگرانی میں ہم نے ادویات خریدیں، ڈاکٹر صاحب نے پہلی خوراک اپنی نگرانی میں کھلائی اور کچھ دیر تک ہمارے ساتھ رہنے کے بعد ہمیں خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔ جب ہم واپس رہائش گاہ پر آئے تو اہلیہ کی طبیعت خاصی سنبھل چکی تھی۔ صورت حال کو تسلی بخش پا کر اسلم نے ہم سے اجازت لی اور جاتے ہوئے ہمیں پروگرام دے گیا کہ کل ناشتے سے فارغ ہو کر ہم مدینہ منورہ کی تاریخی

مساجد اور دیگر جگہوں کی زیارت کے لیے چلیں گے۔

اگلے روز ابھی ہم ناشتے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ اسلم گاڑی لے کر آ گیا۔ وہ ہمیں سب سے پہلے شہدائے احد کے حضور حاضری کے لیے لے گیا۔ جنگِ احد سنہ تین ہجری بمطابق ۶۲۵ء مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے درمیان لڑی گئی تھی جس میں کفارِ مکہ کی تعداد تین ہزار اور مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو تھی۔

احد، آقائے نامدار ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے وقت مدینہ سے چار پانچ کلومیٹر پر ہوگا لیکن آبادی کے بڑھ جانے کے باعث اب شہر کے کنارے پر آ گیا ہے۔ اطمینان کی بات یہ ہے کہ سرِ دست احد سے اہلِ اختیار نے چھیڑ چھاڑ شروع نہیں کی۔ جبلِ احد کو دیکھ کر رسولِ خدا ﷺ فرمایا کرتے تھے "احد ہم سے اور ہم احد سے پیار کرتے ہیں۔" آپ ﷺ کے اس فرمان پر اگر غور کیا جائے تو جنگِ احد میں رسولِ عربی ﷺ سے احد کی محبت کا عملی اظہار بھی ہوتا ہے۔ وہ یوں کہ جب تک سپاہِ اسلام کے وہ لوگ جنہیں احد پر ڈٹے رہنے کی تلقین کی گئی تھی، احد پر رہے، کفارِ مکہ کے لشکر کو پسپائی اختیار کرنا پڑی لیکن جونہی آقائے نامدار ﷺ کے فرمان سے توجہ ہٹی، کفارِ مکہ کا دستہ خالد بن ولید کی قیادت میں اس تیزی سے ان پر جھپٹا کہ تھوڑی ہی دیر میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ آپ ﷺ زخمی ہوئے، سامنے کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ پھسل کر کھائی میں گرنے سے بے ہوش ہوئے لیکن جونہی آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے مٹھی بھر جانثار احد پر پہنچے تو دنیا نے دیکھا کہ کفار کے سینکڑوں افراد پر مشتمل دستے کو پھر پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ جنگِ احد کا یہ پہلو ایک تو ہمیں ہر صورت میں نبی اکرم ﷺ کے احکام پر عمل کرنے کا درس دیتا ہے اور دوسرا احد کی طرف سے آقائے نامدار ﷺ سے محبت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

جب ہم احد کے مقام پر پہنچے تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد وہاں پہلے سے موجود تھی اور اپنی اپنی بساط کے مطابق ہر ایک اس علاقے کو محبت اور عقیدت سے دیکھ رہا تھا۔ سڑک کے کنارے بہت سی عرب خواتین مختلف چیزیں جن میں جڑی بوٹیاں شامل تھیں، فروخت کرتی ہوئی

نظر آئیں۔ اہلیہ اور ہماری ہمراہی خاتون نے گاڑی سے اترتے ہی جڑی بوٹیاں خریدنے کے لیے ادھر کا رخ کیا۔ اسلم بھی ان کے ساتھ ہو لیا تا کہ انہیں ان خواتین سے گفتگو میں دقت نہ ہو۔ میں گاڑی سے ٹیک لگا کر اس علاقے کا جائزہ لینے لگا۔ میں سوچنے لگا کہ ۷ شوال ۳ھ بروز ہفتہ یہاں کیا منظر رہا ہو گا۔ جنگ احد ان جنگوں میں سخت ترین جنگ تھی جو اسلام کے مجاہدین کو اسلام کے ابتدائی دنوں میں لڑنا پڑیں۔ میری آنکھوں کے سامنے پھیلے ہوئے اس منظر کو اس احساس نے عجیب طرح سے متحرک کر دیا کہ یہاں دنیا کے عظیم ترین انسان نے فن حرب کے ایسے ایسے گر آزمائے جنہیں یہاں وقتاً فوقتاً آنے والے ان گنت نامور جرنیلوں نے میدان جنگ کا جائزہ لے کر نہایت عمدہ جنگی حکمت عملی تسلیم کیا۔ میرے کانوں میں کفار مکہ کے سپاہی عبداللہ قمئہ کی آواز گونجی "الا ان محمداً قد قتل" ان الفاظ کے کانوں سے ٹکراتے ہی میرے منہ سے بے ساختہ نکلا، عبداللہ! تیرے منہ میں خاک۔

اے عبداللہ قمئہ! تیرے خیال میں تیری تلوار اور عتبہ کا پھینکا ہوا پتھر محمد ﷺ کی زندگی کا خاتمہ کر چکا ہے لیکن تو نے دیکھا کہ وہ رحمۃ للعالمین ﷺ دنیا بھر میں اپنی رحمتوں کی بارش کرنے کے لیے اپنے جانثاروں کے ہالے میں یوں روشن رہے جیسے اندھیری رات میں چاند۔۔ تو نے دیکھا کہ ان مٹھی بھر روشن چہروں نے اپنے جسموں کو چھلنی تو کروا لیا، وہ لہولہو تو ہو گئے لیکن انہوں نے تمہارے دستے کے لاتعداد لوگوں میں سے ایک کو بھی آقائے نامدار ﷺ تک نہیں پہنچنے دیا۔

جنگ بدر میں شکست کھانے کے بعد کفار مکہ نے پوری طاقت کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ مکہ مکرمہ میں مقیم حضرت عباسؓ کی طرف سے اطلاع ملنے پر ختم المرسل ﷺ نے اہل مدینہ سے مشورہ فرمایا کہ دشمنوں کا کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ ابن ابی نے مشورہ دیا کہ شہر میں مضبوط عمارات میں رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ ہر چند آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ اگر اشیائے خورد و نوش کا وافر ذخیرہ موجود ہو تو مدینہ منورہ میں ایسی لاتعداد عمارتیں

موجود ہیں جن میں پناہ لینے سے مکہ کی طاقتور فوج بھی ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی لیکن یہ مشورہ کیونکہ عبداللہ ابن ابی کی طرف سے تھا اس لیے آپ ﷺ کو شک گزرا کہ کہیں وہ کسی سازش کے تحت اسلام کے سپاہیوں کو غیر متحرک و محبوس کر کے دشمنوں پر ان عمارتوں کے دروازے نہ کھول دے۔

آپ ﷺ نے دوسرے لوگوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے مدینے سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی تجویز پیش کی، جن میں سیدنا امیر حمزہؓ پیش پیش تھے، جسے ہادی برحق ﷺ نے اکثریت کی رائے کے طور پر قبول فرمایا۔ آپ ﷺ نے عبداللہ ابن ابی سے فرمایا۔ ''ایک پیغمبر جو اللہ کی طرف سے اپنی رسالت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا ذمہ دار ہو، وہ شہر میں پناہ نہیں لیتا اور خود کو عمارتوں میں محبوس نہیں کرتا۔'' چنانچہ احد کا انتخاب ہوا۔ آقائے دو عالم ﷺ کا شک اس وقت یقین میں بدل گیا جب عبداللہ ابن ابی تین سو لوگوں کی اس جماعت کو جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا میدانِ جنگ سے لے کر چلا گیا۔ آپ ﷺ کے اس فیصلے کو دیکھ کر میرا اس بات پر ایمان اور پختہ ہو گیا کہ نبی ﷺ کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ میدانِ احد میں بظاہر لشکرِ کفار کو فوقیت حاصل ہوئی لیکن انہیں شہرِ نبی ﷺ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرنے کی جراءت نہ ہوئی کیونکہ ابوسفیان یہی سمجھتا رہا کہ احد کے میدان سے محمد ﷺ نے جو لوگ واپس بھیجے ہیں (ابن ابی کے ساتھی) انہیں شہر کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔ جب اسے بعد میں حقیقت کا علم ہوا تو وہ اسلام لانے تک اس بات کا افسوس کرتا رہا کہ اس نے شہرِ نبی ﷺ پر حملہ آور نہ ہو کر واضح فتح کا موقع ضائع کیا۔ بے سروسامانی اور عددی کمی کا حل تو آقائے دو عالم ﷺ نے تلاش فرما لیا تھا لیکن مسلمانوں کی جلد بازی اور نبی اکرم ﷺ کے فرمان پر پوری طرح عمل نہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ جیتی ہوئی جنگ نے ایک ایسی صورت اختیار کر لی جس کے باعث مسلمانوں کو شدید جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ آپ ﷺ نے اپنی سپاہ کو سختی سے حکم دیا تھا کہ صفوں میں مکمل اتحاد برقرار رکھا جائے، نظم و ضبط کو بہر حال قائم رکھا جائے، انفرادی شجاعت کے مظاہرے سے گریز کیا جائے اور عینین (ایک پہاڑی کا نام جسے اب جبل الرمہ کہتے ہیں) پر متعین تیر اندازوں کی جماعت، جس کی

قیادت عبداللہ بن جبیرؓ کے سپرد تھی، اپنی جگہ سے لمحہ بھر کے لیے ادھر ادھر نہ ہو، چاہے عدو میدان چھوڑ کر بھاگ ہی کیوں نہ رہا ہو۔

کفار مکہ اس جنگ میں جہاں وافر ساز وسامان کے ساتھ آئے تھے وہاں اس زمانے کے رواج کے مطابق ان کی عورتیں بھی انہیں جوش دلانے کے لیے ان کے ساتھ آئی تھیں جن میں تین عورتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں یعنی ہند زوجہ ابوسفیان، عمرہ علقمہ اور سلافہ۔ میں جب جب جنگ احد میں کفار مکہ کے پلہ بھاری رہنے کی بابت سوچتا ہوں تو مجھے یقین سا ہونے لگتا ہے کہ کفار نے اس جنگ میں مسلمانوں کو جو نقصان پہنچایا اس میں پہلی وجہ تو خود مسلمانوں کا حکم نبی ﷺ پر پوری طرح عمل نہ کرنا اور دوسری اہم وجہ یہی عورتیں تھیں جنہوں نے میدان چھوڑتی ہوئی اپنی سپاہ کو عریاں و نیم عریاں ہو کر غیرت دلائی اور خود بھی تلوار لے کر جنگ میں کود پڑیں۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہند نے اپنے غلاموں کو مسلمانوں کے سرکردہ افراد کو قتل کرنے کے صلے میں آزادی کی نوید سنائی۔ اپنی سپاہ سے کہا۔

''اگر تم دشمن پر بڑھ چڑھ کر حملہ کرو اور اس کا شیرازہ بکھیر دو تو ہم مخملی قالینوں پر تمہیں گلے لگائیں گی اور شراب کی لذت سے تمہیں مدہوش کر دیں گی لیکن اگر تم نے دشمن کو پیٹھ دکھائی تو پھر تم کبھی ہماری محبت سے لطف اندوز نہ ہو سکو گے۔''

جنگ شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود انتہائی اتحاد اور نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ انفرادی اور اجتماعی لڑائی میں واضح طور پر مسلمانوں کو برتری حاصل ہوئی۔ کفار مکہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور پسپائی ان کے مقدر کے طور پر سامنے آنے لگی۔ یہی وہ موڑ تھا جس کے لیے آقائے نامدار ﷺ نے سخت تاکید فرمائی تھی کہ صفیں تمہارے متحرک قلعے ہیں انہیں توڑ کر ان میں رخنہ پیدا نہ کرنا۔ افسوس کہ کفار کے پسپا ہوتے ہی مسلمانوں نے مال غنیمت سمیٹنے کے لیے صفیں توڑ کر لشکر مکہ کی خیمہ گاہ کی طرف دوڑ لگا دی۔ حضرت علیؓ نے جب انہیں روکا کہ صفیں نہ توڑو، یہ پسپائی دشمن کی جنگی چال بھی ہو سکتی ہے تو انہوں نے کہا کہ جنگ تو ختم ہو چکی۔ یہی جواب

پہاڑی پر متعین تیر اندازوں نے اپنے سالار عبداللہ بن جبیرؓ کو دیا۔ وہ سب بھی کفار کی خیمہ گاہ کی طرف دوڑے۔ عبداللہ بن جبیرؓ سمیت پچاس میں سے صرف بارہ آدمی پہاڑی پر موجود رہے۔ اپنی فوج کو پسپا ہوتے دیکھ کر کفار کی عورتوں نے اپنے بال کھول دیے، لباس کو کچھ اس انداز میں پھاڑ ڈالا کہ وہ تقریباً عریاں ہو گئیں۔ مسلمانوں نے اس روز قبیلہ عبدالدار کے نو علمبردار موت کے گھاٹ اتارے تھے۔ آخری علمبردار کے زمین پر گرتے ہی عمرہ علقمہ نے پرچم تھام لیا، تلوار اٹھائی اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی۔ کفار نے دیکھا تو غیرت کھا کر پلٹے۔ مسلمانوں کو ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ کفار پلٹ کر اس شدت سے حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

صفیں ٹوٹ جانے کے بعد عددی فوقیت کے ساتھ اس قدر شدید حملے نے جنگی نتائج کا رخ بہت حد تک کفار مکہ کی طرف موڑ دیا۔ خالد بن ولید کے دستے نے عینین پر متعین اسلامی دستے پر پوری طاقت سے حملہ کیا۔ وہاں عبداللہ بن جبیرؓ سمیت صرف بارہ افراد تھے۔ انہوں نے بہادری کے ساتھ اس دستے کا مقابلہ کیا لیکن پہاڑی کا دفاع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور اپنی جان خدا کی راہ میں قربان کر دی۔ اب ہر طرف ایک منتشر جنگ لڑی جا رہی تھی۔ قریش کے غلام جن سے مسلمانوں کے سرکردہ افراد کے قتل پر آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا، ابوبکرؓ، عمرؓ یا حضرت علیؓ کی تلاش میں تھے۔ وحشی نامی غلام جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ جبیر کا چچا طعیمہ بن عدی بدر میں مارا گیا تھا۔ جبیر نے وحشی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حضرت حمزہؓ کو شہید کر دے تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ وہ سیدنا حمزہؓ کی تلاش میں اس جگہ پہنچا جہاں وہ انتہائی بہادری کے ساتھ کفار کا قلع قمع کرنے میں مصروف تھے۔ وہ دبے پاؤں ان کی طرف گیا اور اپنا نیزہ پوری قوت کے ساتھ ان کی طرف پھینکا جو انہیں ناف کے نیچے جا لگا جس کے باعث وہ شہید ہو گئے۔ وحشی کو اس کارنامے پر اس کے آقا کی طرف سے آزادی ملی جبکہ ہند نے اپنے کنگن اور ہار اتار کر اسے بخش دیے۔

خالد بن ولید کے حملے سے مسلمان سپاہی شدید اضطراب کا شکار ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابودجانہؓ سمیت مسلمان جانثاروں کی

ایک مختصر سی جماعت نے آقائے نامدار ﷺ کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بد نظمی پر اظہار افسوس فرماتے ہوئے حکم دیا کہ ہمیں یہاں سے احد کی چوٹی کی طرف چلے جانا چاہیے تاکہ ہم قریش کے گھڑ سواروں کی دسترس سے باہر ہو جائیں۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی خالد بن ولید کے دستے کا مقابلہ کرتے ہوئے اس مقام پر جا پہنچے جہاں گھڑ سوار نہیں پہنچ سکتے تھے لیکن اسی لمحے عبداللہ قمئہ اور اس کے ساتھی نے عقب سے پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ ان کا پھینکا ہوا پتھر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر پڑا۔ آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ اگلے ہی لمحے آپ ﷺ کا مبارک پاؤں پھسلا اور آپ ﷺ ایک گڑھے میں گر کر شدید زخمی ہو گئے۔ یہ دیکھتے ہی عبداللہ قمئہ چیختا ہوا میدان جنگ میں پہنچا "الا ان محمداً قد قتل"، "الا ان محمداً قد قتل"۔ یہ آواز سنتے ہی مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ ہتھیار پھینک کر لوٹنے لگے۔ اس پریشان کن صورت حال میں بھی آقائے دو جہاں ﷺ کے چند جانثاروں نے ہمت نہیں ہاری۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے سہارا دے کر اپنے آقا ﷺ کو گڑھے سے شدید زخمی حالت میں باہر نکالا۔ حضرت علیؓ دوڑ کر قریب کے چشمے سے اپنی ڈھال میں پانی لائے۔ آپ ﷺ کے منہ پر پانی چھڑکا۔ ابھی آپ ﷺ کی حالت پوری طرح سنبھل نہ پائی تھی کہ خالد بن ولید کا سو سپاہیوں پر مشتمل دستہ وہاں پہنچ گیا۔ وہاں مسلمانوں کی تعداد صرف بارہ یا چودہ تھی۔ ان سب جانثاروں نے آقائے عرب و عجم ﷺ کو ایک خاص جنگی آرائش فالانژ کی صورت میں گھیرے میں لے لیا۔ آٹھ دس سپاہی کفار سے مقابلے میں ڈھال بن گئے اور صرف چار افراد حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابو دجانہؓ نبی اکرم ﷺ کی حفاظت پر مامور ہوئے۔ تواریخ میں اس موقع پر ایک انصار عورت نسیبہ کا بھی ذکر ملتا ہے جو تلوار کے ساتھ آپ ﷺ کی حفاظت میں کفار سے برسر پیکار تھی۔ آپ ﷺ اکثر فرمایا کرتے کہ میں نے احد کے دن جب بھی اپنے دائیں بائیں نظر ڈالی نسیبہ کو بہت بہادری سے حفاظت کرتے ہوئے دیکھا۔ ان سب میں حضرت ابو دجانہؓ اپنے باقی ساتھیوں کے مقابلے میں تلوار کا استعمال چابکدستی سے نہیں کر سکتے تھے اس لیے جلد تھک

گئے۔ وہ ڈھال ہو کر نبی اکرم ﷺ کے سینے سے پشت جوڑ کر ڈھال کی طرح کھڑے ہو گئے۔ کفار نے اس انسانی ڈھال پر اتنے تیر برسائے کہ ان کا پورا جسم تیروں سے بھر گیا۔ انہوں نے یہ سبھی تیر اپنے جسم پر روک کر ان میں سے ایک کو بھی اپنے آقائے نامدار ﷺ کے جسم مبارک تک نہیں پہنچنے دیا۔ اس دوران میں وہ اپنی اس محبت کا نہایت خوشی سے اظہار کرتے رہے حتیٰ کہ جب جسم پوری طرح چھلنی ہو گیا تو لڑکھڑا کر گرے اور خالق حقیقی سے جا ملے۔ حضرت انسؓ نے بھی آقائے دوجہاں ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے ان گنت زخم کھائے۔ ان کا جسم اور چہرہ تلواروں اور نیزوں کے زخموں سے اس قدر بھر گیا کہ جب انہیں دفنایا جا رہا تھا تو انؓ کی شناخت ان کی بہن نے صرف ان کے کانوں کی ساخت سے کی۔ حضرت طلحہؓ کا ہاتھ تلوار چلاتے چلاتے شل ہو گیا اور جسم پر اکتالیس زخم آئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے جسم زخموں سے بھر گئے۔ حضرت علیؓ کے جسم مبارک پر اسی اور حضرت عمرؓ کے جسم مبارک پر اکیس زخم آئے۔ انؓ کے جسم خون میں نہائے ہوئے تھے لیکن محبت رسول ﷺ میں ڈوبی ہوئی ان ہستیوں نے دشمنوں کی کثیر تعداد کے باوجود انہیں والیٔ کائنات ﷺ تک نہیں پہنچنے دیا۔ اسی اثنا میں آقائے نامدار ﷺ کی طبیعت قدرے سنبھل گئی تو آپ ﷺ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کو اشارے سے طلب فرما کر دشمن پر تیر اندازی کرنے کے لیے فرمایا۔ یہی وہ وقت تھا کہ جب سعدؓ کو ان کے فن تیر اندازی کا وہ صلہ ملا کہ ان پر ساری دنیا رشک کرتی ہے۔ حضرت سعدؓ تیر چلاتے اور آقائے دوجہاں ﷺ فرماتے "اے سعد! تیر چلا، میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں۔" حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سعدؓ کے سوا کسی کے لیے "فداک ابی وامی" کا جملہ نہیں سنا۔ رسول خدا ﷺ کی محبت اثر لائی۔ مٹھی بھر جانثاروں نے دشمن کا اس طرح مقابلہ کیا کہ چشم فلک آج تک حیران ہے۔ ولید کے دستے کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ جراءت و بہادری کے اس مظاہرے پر ابوسفیان نے کہا تھا کہ میں نے زندگی بھر کسی ایک شخص کی حفاظت میں اتنی وفاداری اور جانثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا جتنا کہ جنگ احد کے خاتمے پر محمد ﷺ کے چند جانثاروں نے کیا۔

ابھی سورج پوری طرح نہیں ڈوبا تھا کہ ہند میدان جنگ میں آ کر سیدنا حمزہؓ کی لاش ڈھونڈنے لگی۔ لاش کے ملنے پر اس نے ایک تیز دھار چاقو سے آپ کا پیٹ اور سینہ چاک کیا اور آپ کا جگر نکال کر اسے چبایا۔ اس درندہ صفت عورت نے سیدنا حمزہؓ اور آس پاس پڑی ہوئی لاشوں کے ناک اور کان کاٹے اور انہیں دھاگے میں پرو کر گلے میں ڈالا اور وحشیانہ انداز میں رقص کیا۔

قریش کی ایک اور عورت سلافہ نے بدر میں اپنے بیٹے کی موت کا انتقام لینے کے لیے اپنے بیٹے کے قاتل کی لاش ڈھونڈی اور اس کا سر کاٹ کر اپنے ساتھ لے گئی اس نے چیخ چیخ کر لوگوں کو بتایا "میں اس سر کا گوشت اور پوست جدا کر کے کھوپڑی کی ہڈی خشک کروں گی اور جب تک زندہ ہوں اسی میں پانی پیا کروں گی۔ آج کے بعد یہی سر میرے لیے پانی کا کٹورا ہے۔

جنگ ختم ہوئی تو سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے ابوسفیان میدان جنگ میں آیا۔ جہاں مسلمانوں کے جنازے پڑے تھے وہاں کھڑے ہو کر اس نے بہ آواز بلند پوچھا "کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں؟" ۔۔۔ "کیا ابوقحافہ کے بیٹے (ابوبکرؓ) اور عمرؓ زندہ ہیں؟"

طے تو یہ ہوا تھا کہ کوئی جواب نہ دے لیکن حضرت عمرؓ خاموش نہ رہ سکے۔ انہوں نے فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ ہمارے رسول ﷺ زندہ ہیں اور جن کے بارے میں تم نے پوچھا ہے، زندہ ہیں۔"

ابوسفیان نے یہ جواب سن کر کہا۔

"بدر میں تم نے ہمارے ستر سپاہیوں اور سرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ آج ہم نے تمہارے ستر آدمی قتل کر کے حساب برابر کر دیا ہے۔ اس کے بعد اگر پھر آزمائی کا ارادہ ہو تو ہم اگلے سال بدر کے بازار میں مقابلے کیلئے تیار ہیں۔"

ابوسفیان غرور کا اظہار کر کے اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا اور پھر وہ سب میدان جنگ چھوڑ کر چلے گئے۔ نبی اکرم ﷺ اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ میدان میں تشریف

لائے۔ حضرت حمزہؓ کی لاش کا پیٹ اور سینہ چاک دیکھا، کلیجہ نکلا ہوا پایا اور ان کے ناک اور کان کٹے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ بہت آزردہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اب اس سے زیادہ دلی اذیت مجھے زندگی میں کبھی نہیں ہوگی۔" آپ ﷺ نے انتہائی دکھ کے عالم میں فرمایا "اب جب مشرکین اور ہمارے درمیان لڑائی ہوگی تو میں حمزہؓ کے مثلہ کیے جانے کے جواب میں قریش کے تیس افراد کے ساتھ یہی سلوک کروں گا۔"

اسی وقت سورۃ "النحل" کی ۱۲۶ ویں آیت وحی ہوئی۔

"اور اگر بدلہ لو۔ تم پس بدلہ لو برابر اس چیز کے کہ ایذا دیے گئے ہو اور البتہ اگر صبر کرو تو یہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے"

آپ ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے کے فوراً بعد فرمایا "اے اللہ میں بدلہ لینے سے صرف نظر کرتا ہوں اور صبر اختیار کرتا ہوں۔"

میدان احد میں انصار اور مہاجرین شہداء کے جنازے پڑے تھے۔ آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ اپنے بیٹے زبیرؓ کے ساتھ تشریف لائیں۔ سیدنا حمزہؓ کی لاش کی مخدوش حالت کے سبب نبی اکرم ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کی پھوپھی دیدار کر کے دکھی ہوں لیکن اس عظیم بہن نے فوراً کہا "میں جانتی ہوں کہ میرے بھائی کی لاش کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں یہ قربانی کوئی بڑی قربانی نہیں۔" اس پر آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ انہوں نے نہایت صبر سے اپنے بھائی حمزہؓ کا آخری دیدار کیا اور جاتے ہوئے اپنے بیٹے کو یہ کہہ کر دو چادریں دے گئیں کہ اپنے ماموں کو کفن دے دینا۔ قریب ہی ایک انصاری کی لاش پڑی تھی۔ حضرت زبیرؓ نے دونوں شہیدوں پر ایک ایک چادر ڈال دی لیکن اب یہ عالم تھا کہ سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ یہ صورت حال دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ سر ڈھانپ دو اور پاؤں گھاس سے چھپا دو۔

نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے سیدنا امیر حمزہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد

ایک ایک جنازہ لایا جاتا اور اسے حضرت حمزہؓ کے پہلو میں رکھ دیا جاتا۔ آپ ﷺ نے ہر ایک کی الگ الگ نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت حمزہؓ کو تاریخ اسلام میں یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ ان کی نماز جنازہ ستر مرتبہ پڑھی گئی۔ شہدائے احد کو دفنانے کا کام شروع ہوا تو حضرت حمزہؓ کو ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفنایا گیا۔ جب آپ ﷺ احد سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنو عبدالاشہل اور بنو ظفر کے گھروں سے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا ''افسوس کہ آج حمزہؓ پر رونے والا کوئی نہیں۔'' جب حضرت سعدؓ بن معاذؓ اور اسیدؓ بن حضیر نے یہ بات سنی تو فوراً گھروں میں گئے اور عورتوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے متوفی پر رونے سے پہلے حضرت حمزہؓ پر روئیں، اس پر انصار کی عورتوں نے حضرت حمزہؓ پر رونا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کی گریہ وزاری کے بعد حضور ﷺ نے انہیں منع فرمایا۔ آپ ﷺ جنگ احد کے شہداء کی قبروں کی زیارت کے لیے گاہے بگاہے تشریف لاتے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے

''سلام تم پر جنہوں نے صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا، جس کا اجر تمہیں آخرت میں ملے گا۔''

میں میدان احد میں کھڑا اپنی تاریخ کے انتہائی اہم باب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ مجھے ایک عجیب واقعہ یاد آ گیا۔ میں نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ میں پڑھا تھا کہ جنگ احد کے سینتیس ۳۷ سال بعد ۴۰ھ میں امیر معاویہؓ کے حکم پر احد کی طرف نہر نکالی گئی تو کھدائی کے دوران میں شہداء کی لاشیں بالکل تروتازہ حالت میں ملیں۔ اسی سلسلے میں اتفاق سے حضرت حمزہؓ کے پاؤں پر بیلچہ لگ گیا تو انؓ کے پاؤں سے اس طرح خون کے چھینٹے اڑے جس طرح زندہ آدمی کو زخم لگنے سے اڑتے ہیں۔ مجھے یہ واقعہ یاد کر کے وہ الفاظ یاد آنے لگے کہ تم اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو ہرگز مردہ نہ سمجھو وہ تو زندہ ہیں اور اللہ انہیں رزق مہیا کرتا ہے۔ ۳۷ سال بعد احد جیسے گرم علاقے میں دفنائی ہوئی لاش سے خون کے چھینٹوں کا اس طرح نکلنا یقیناً ان الفاظ کی صداقت کی دلیل ہی تو ہے۔

میں ابھی انہی خیالوں میں گم تھا کہ اسلم اور خواتین واپس آ گئیں۔ ان دونوں خواتین

کے ہاتھوں میں جڑی بوٹیوں سے بھرا ہوا ایک ایک شاپنگ بیگ تھا جس میں بقول ان کے وہ مختلف جڑی بوٹیاں شامل تھیں جن کے استعمال سے بے اولادوں کو خدائے کریم اولاد عطا کرتا ہے، شوگر کے مریضوں کو فوری افاقہ ہوتا ہے اور کئی دیگر بیماریوں کا علاج ہو جاتا ہے۔ میں نے خواتین کو مختصراً احد کے متعلق بتایا اور انہیں ساتھ لے کر وادی قتادہ میں آ گیا جہاں سید الشہداء، سیدنا امیر حمزہؓ اور دوسرے شہدائے احد کی قبور مبارک ہیں۔ قبور کے گرد آہنی جنگلا لگا ہوا ہے اس لیے اکثر زائرین جنگلے کے ساتھ لگ کر قبور کی زیارت کرتے اور فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں۔

ہم سب نے ابھی زیارت کر کے فاتحہ کے لیے ہاتھ نہیں اٹھائے تھے کہ شہدائے احد کے لیے مجھے میرے آقا ﷺ کے وہ الفاظ ایک بار پھر یاد آئے۔ آپ ﷺ جب بھی یہاں تشریف لاتے تو فرمایا کرتے" سلام تم پر جنہوں نے صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا جس کا اجر تمہیں آخرت میں ملے گا۔" میں نے یہ الفاظ دہرائے۔ سید الشہداء سیدنا حمزہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابو دجانہؓ، حضرت عبداللہ بن جحشؓ، حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور بہت سے شہدائے احد کے اسمائے گرامی ذہن میں گردش کرنے لگے جن کے لہو سے یہ دھرتی سرخ ہو گئی تھی۔ میرے نزدیک اس جنگ کا یہ روشن پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ انصار نے جو اس شہر میں مہاجرین کے میزبان تھے اپنا کردار خوب نبھایا۔ ان کے چونسٹھ افراد اس جنگ میں شہادت کے عظیم مرتبے کو پہنچے۔ انہوں نے محبت رسول ﷺ کا حق ادا کیا۔ کاش یوں ہوتا کہ اگر مجاہدین اسلام تھوڑی دیر تحمل سے کام لے کر مشرکین کی واضح اور مکمل شکست کا انتظار کر لیتے تو انہیں تاریخ میں ایک ایسے باب کا سامنا نہ کرنا پڑتا جس میں ان کی بابت تحریر ہوا کہ انہوں نے اپنے رہنما کے حکم کی مکمل تعمیل نہیں کی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس جنگ کے آخری لمحات میں مٹھی بھر مجاہدین نے محبت رسول ﷺ کا جو روشن باب رقم کیا، تاریخ کے صفحات اس کی مثال پیش کرنے سے بھی قاصر ہیں۔

میں نے جنگلے کے پیچھے چھوٹی چھوٹی دیواروں میں منقسم احاطوں کی طرف دیکھا تو مجھے وہاں سے تاریخ اسلام کے صفحات پر ان مٹ نقوش چھوڑنے والے ستر نورانی چہرے جھانکتے

ہوئے نظر آئے جو اپنے سردار سیدنا حمزہؓ کی قیادت میں قیامت تک کا سفر انتہائی سرفرازی و سرخروئی کے ساتھ طے کر رہے ہیں۔ یہ وہ قافلہ ہے جسے آخرت میں بلاشبہ اجرِ عظیم نصیب ہوگا۔ اس قافلے کے ہر فرد کے بدن سے ٹپکنے والے لہو نے مسلمانوں کو ایک ایسی روشنی بخشی جو انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کا حوصلہ فراہم کرتی رہے گی۔ محمد ﷺ کے ان جانثاروں نے فنا ہو کر اہلِ دنیا پر بقا کا ایک ایسا راز منکشف کیا جس نے حب اللہ اور حب رسول ﷺ کا بہترین صلہ سب پر واضح کر دیا۔ میری زبان پر پھر ایک بار یہ الفاظ آ گئے۔ اے شہدائے احد! تم پر سلام ہو۔ تم ہادی برحق ﷺ کی قیادت میں راہِ خدا کی اسی منزل کے حصول کے لیے پکا ارادہ کر کے گھر سے نکلے تھے۔ تم میں سے ہر اک کے دل میں شہادت کی خواہش اور لب پر اسی عظیم زندگی کی دعا تھی۔ اے عبداللہ ابن جحشؓ! آپؓ نے اپنی اہلیہ سے چلتے ہوئے یہی تو کہا تھا کہ میرے لیے شہادت کی دعا کرو اور پھر آپؓ نے اس شدید خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ خدا کرے مجھے انتہائی شجاع اور سریع الغضب دشمن ملے۔ وہ مجھے قتل کر کے میرے ناک اور کان کاٹے اور جب میں خدا سے ملوں تو وہ فرمائے۔

''اے عبداللہ! یہ تیرے کان اور ناک کیوں کاٹے گئے۔'' تو میں عرض کروں ''تیرے لیے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔''

یہ واقعہ یاد آتے ہی مجھے سیدنا علیؓ اور سیدنا عمرؓ کے اس جنگ میں کردار کی یاد آئی۔ سیدنا علیؓ کو اسی زخم آئے۔ جب جراح ابوعبیدہؓ نے آپؓ کی مرہم پٹی کے لیے معائنہ کیا تو حیرت سے بولے ''علیؓ! تمہیں تو سر سے پاؤں تک باندھنا پڑے گا اور تختِ رواں (سٹریچر) پر ڈال کر مدینے لے جانا پڑے گا۔ میں تو حیران ہوں کہ تم اس قدر گہرے اور کثیر زخموں کے ساتھ لڑتے کیسے رہے؟'' یہی علیؓ اگلے ہی روز لشکرِ اسلام کے ساتھ کفار کے تعاقب میں جانے کے لیے تیار ہو گئے لیکن حضرت ابوعبیدہؓ کی اس ہدایت پر کہ اگر علیؓ بستر سے اٹھے تو مجھے یقین ہے کہ وہ مدینے کے گلی کوچوں سے باہر نکلنے سے پہلے اللہ کو پیارے ہو جائیں گے۔ آپؓ کو روک لیا گیا جبکہ شدید زخمی اور انتہائی نازک حالت کے باوجود سیدنا عمرؓ اس لشکر کے ساتھ جانے سے نہ رکے کیونکہ انؓ کی

حالت قدرے بہتر تھی۔

حضرت ابو دجانہؓ اور حضرت انسؓ نے حفاظتِ رسول خدا ﷺ میں جس جانثاری کا مظاہرہ کیا اس کے بعد دنیا کا کوئی بھی باشعور انسان کہہ سکتا ہے کہ ایسی فوج جس میں حمزہؓ، علیؓ، عمرؓ، طلحہؓ، ابو دجانہؓ، انسؓ، سعدؓ، عبداللہ ابن جبیرؓ، عبداللہ بن عبدالاسدؓ اور عبداللہ بن جحشؓ جیسے سپاہی موجود ہوں، کسی سے کیسے شکست کھا سکتی ہے اور یہی ہوا کہ ان مٹھی بھر جانثاروں نے اسلامی سپاہ کے منتشر ہونے کے باوجود اپنی بے مثال بہادری سے اسلام کو شکست سے بچا لیا کیونکہ شکست تبھی واقع ہوتی ہے جب فاتح فوج مخالف فوج کو بالکل ختم کر کے اس کے علاقے پر قبضہ کرلے۔ جنگ احد میں نہ تو لشکرِ اسلام کا خاتمہ ہوا اور نہ ہی کفار مکہ شہرِ نبی ﷺ پر قبضہ کر سکے بلکہ اس کے برعکس ایک طرف تو لشکرِ کفار نے پہلے میدانِ جنگ چھوڑا اور دوسری طرف اگلے ہی روز لشکرِ اسلام انؓ کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔

میں نے شہدائے احد کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ میں نے کہا، اے سیدنا حمزہؓ! آپؓ کے مسلمان ہونے کا بنیادی سبب اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کی محبت ہی بنی۔ ابو جہل نے آقائے دو جہاں ﷺ سے بدزبانی کی۔ آپؓ اسے برداشت نہ کر سکے۔ آپؓ نے ابو جہل کو اپنی کمان مار کر زخمی کر دیا اور پھر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام کی عظمت سے ہم کنار ہوئے۔ آپؓ نے جنگ بدر میں کفارِ مکہ کو اس قدر جانی نقصان پہنچایا کہ وہ جنگ میں ایک لمحے کے لیے بھی سنبھل نہ سکے اور انہیں ایک ایسی ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا جس کا انہیں ہمیشہ صدمہ رہا۔ آپؓ نے جنگ احد میں خدا اور رسول ﷺ کی محبت میں اپنی جانثاری کی ایسی مثال پیش کی جس کی مثال تاریخِ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ میں آپؓ کے لیے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے الفاظ دہراتا ہوں۔

''تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم قرابت داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ الٰہی! حمزہ کے کسی حصہ جسم کو جہنم میں داخل نہ ہونے دیجیو۔''

اے عم رسول ﷺ! میرا اور میرے ہمراہیوں کا آپ تک عقیدت اور محبت میں ڈوبا ہوا سلام پہنچے۔

اس کے بعد میں نے سیدنا حمزہؓ، حضرت ابودجانہؓ، حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ سمیت تمام شہدائے احد کی خدمت میں ہدیہ، سلام پیش کیا۔ ہم سب نے فاتحہ خوانی کی اور اسلم کے ہمراہ واپس گاڑی میں آ گئے۔

آج اسلم نے بہت ہمت کی۔ وہ ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مسجدِ قبا، مسجد القبلتین، مسجد الفتح، مسجد سلمان فارسی، مسجد علی ابن ابی طالب، مسجد ابوبکر، مسجد فاطمہ، مسجد المصلی، مسجد عمر ابن الخطاب، مسجد الفضیح، مسجد ابوذر اور مسجد بنوساعدہ لے گیا۔ ان تمام مساجد میں حج کے دنوں میں زائرین کی ہر وقت آمد و رفت رہتی ہے۔ ان سبھی مساجد کا ایک تاریخی پس منظر ہے جس کے پیش نظر یہاں حاضری کو زائرین اپنے لیے بجا طور پر باعثِ سعادت و ثواب سمجھتے ہیں۔ مسجد بنوساعدہ اس مکان کے قریب واقع ہے جہاں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا ابوبکرؓ کو مسلمانوں کا پہلا خلیفہ منتخب کیا گیا تھا اور آپؓ کی بیعت واطاعت کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں بہت سی روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی تھی۔

مسجد ابوذر شارع ابوذر پر واقع ہے۔ یہ مسجد اس جگہ بنائی گئی ہے جہاں نبی اکرم ﷺ نے نماز میں طویل سجدہ فرمایا تھا۔ نماز کے بعد صحابہؓ نے آپ ﷺ سے طویل سجدے کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے انہیں وہ خوش خبری سنائی جو دوران سجدہ جبرئیل امین نے آپ ﷺ کو سنائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر رحمت وسلامتی بھیجے گا۔

مسجد الفضیح، مسجد قبا، اور موضع العوالی کے مشرق میں واقع ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے جب مدینہ کے مشہور یہودی قبیلے بنی نضیر کا اس کی بدعہدی کے سبب محاصرہ فرمایا تھا تو اس مقام پر

جہاں اب یہ مسجد موجود ہے ایک خیمہ نصب فرما کر چھ راتوں تک اس کے اندر نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ اس مسجد کو مسجد الفضیخ کے علاوہ مسجد الشمس بھی کہا جاتا ہے۔ اس مسجد کو مسجد الفضیخ تو الفضیخ نامی شراب کے حوالے سے کہا جاتا ہے جو حضرت ابوایوب انصاریؓ اور دیگر کئی صحابہؓ استعمال کرتے تھے۔ وحی کے ذریعے جب شراب حرام قرار دی گئی تو حضرت ابوایوب انصاریؓ نے وہ شراب یہیں لنڈھا کر شراب نوشی ترک کر دی تھی۔ اس مسجد کو مسجد الشمس اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ایک اونچی جگہ پر واقع ہے جہاں ایک زمانے میں سورج کی پہلی کرن اسی مسجد پر پڑتی تھی۔

مسجد الفضیخ جبل سلع سے شمال مغرب کی جانب واقع ہے۔ اس مسجد کے دو اور نام مسجد الاحزاب اور مسجد الاعلیٰ بھی بتائے جاتے ہیں۔ اسی مسجد کے آس پاس اور مساجد بھی ہیں جن میں مسجدِ سلمان فارسیؓ، مسجد ابوبکر صدیقؓ، مسجد عمر فاروقؓ، مسجد فاطمہؓ اور مسجد علیؓ شامل ہیں۔ مسجد الفضیخ کے بارے میں روایت ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر، منگل اور بدھ تین دن تک احزاب کی فوجوں کی شکست کے لیے دعا فرمائی۔ جعفر ابن محمد کے بقول نبی اکرم ﷺ اس مسجد میں داخل ہوئے، آپ دو قدم آگے بڑھے اور پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند فرما کر دعا فرمانے لگے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس واقعہ کے بعد جب بھی کوئی مشکل یا مہم پیش آتی تو اس مسجد میں خاص طور پر دعا کی جاتی اور اجابتِ دعا کو محسوس کیا جاتا۔ اس علاقے میں قریب قریب واقع دیگر مساجد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان مساجد میں بھی نبی اکرم ﷺ نے نمازیں ادا فرمائیں۔ یہ مساجد ان جگہوں پر ہیں جہاں غزوہ احزاب کے موقع پر ان ہستیوں نے قیام فرمایا جن کے اسمائے گرامی سے یہ مساجد منسوب ہیں۔ ان مساجد کے لیے زائرین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ سعودی حکومت نے ان میں سے ایک دو مساجد کی طرف جانے والا راستہ روک دیا ہے۔ حکومت کے اس اقدام کے پیچھے کیا مصلحت کارفرما ہے اس کے بارے میں کسی سے کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا۔ ان مساجد میں نوافل پڑھیں، دعائیں مانگیں اور پھر ہم مسجد المصلیٰ اور اس کے آس پاس واقع مساجد کی طرف آ گئے جو سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا علیؓ کے

اسمائے گرامی سے موسوم ہیں۔ یہ مساجد حرمِ نبوی ﷺ کے قریب ہیں۔ مسجد المصلیٰ کو مسجد غمامہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مسجد آپ ﷺ نے تعمیر کرائی اور ۲ھ میں پہلی نماز عید یہیں ادا فرمائی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب بھی مسجد المصلیٰ کے قریب سے گزرتے تو قبلہ رو ہو کر دعا فرماتے۔ اس مسجد کو مسجد غمامہ اس سبب سے کہا جاتا ہے کہ ایک سال مدینہ منورہ میں بارش نہیں ہوئی اور قحط سالی کا امکان بڑھ گیا۔ آپ ﷺ یہاں تشریف لائے اور نماز استسقاء پڑھائی۔ اسی وقت آسمان پر بادل نمودار ہوئے اور کھل کر برسے۔ عربی میں بادل کو غمامہ کہتے ہیں، اسی نسبت سے اس مسجد کو مسجد غمامہ کہا جاتا ہے۔ مسجد ابوبکرؓ، مسجد عمرؓ اور مسجد علیؓ کے بارے میں بھی روایات ہیں کہ یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نمازیں پڑھائیں اور مختلف اوقات میں نمازوں کی امامت فرمائی۔ مسجد علیؓ ابن ابی طالب کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ بے بنیاد بات مشہور کر رکھی ہے کہ حضرت علیؓ نے نعوذ باللہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنا ترک کر دی تھی اور اپنے لیے ایک ذاتی مسجد تعمیر کرائی تھی۔ اس بات کو خدانخواستہ درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر مسجد ابوبکرؓ اور مسجد عمرؓ کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مساجد ان عظیم ہستیوں کے ناموں سے اس لیے منسوب ہو گئیں کہ یہاں انہوں نے وقتاً فوقتاً نمازیں ادا فرمائیں اور عید کی نمازوں کی امامت فرمائی۔ مسجد علی ابن ابی طالب کے بارے میں یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ جب مفسدین نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا تو سیدنا علیؓ نے اسی مسجد میں عید الفطر کی نماز کی امامت فرمائی تھی اور اسی دن سے اس مسجد کو مسجد علیؓ کہا جانے لگا۔

ان مساجد کی زیارت کے بعد اسلم ہمیں پہلے مسجد قبلتین کی طرف لے آیا۔ یہ مسجد وادی العقیق کے درمیان بنی سلمہ کے مکان پر تعمیر کی گئی۔ نبی اکرم ﷺ بنی سلمہ کے علاقے میں تشریف لے جا رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ اس وقت تک نماز ظہر رب یروشلم کی مسجد الاقصیٰ کی طرف منہ کر کے ادا کی جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی۔ جب آپ ﷺ دو رکعت ادا فرما چکے تو وحی کے ذریعے قبلہ بدلنے کا حکم نازل ہوا۔ قرآن پاک میں

سورہ بقرہ میں فرمایا گیا "ہم تمہارے منہ کا (یہ) بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے ہم تمہیں اس قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لیے تمہاری مرضی ہے۔ پھر اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کرو۔"

اس حکم کے نازل ہوتے ہی آپ ﷺ نے تعمیل حکم کی اور نماز کے دوران ہی اپنا رخ مبارک کعبہ کی طرف کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسجد کو دو قبلوں والی مسجد کہا جاتا ہے۔ یہاں حاضری اور نوافل ادا کرنے کے بعد ہم اس مسجد کی طرف آ گئے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی اور احادیث کے مطابق اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے۔

مسجد قباء کی تاریخ تمام مساجد سے قدیم ہے اس لیے کہ یہی وہ مسجد ہے جسے اسلام کی پہلی مسجد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ مسجد مدینہ کے جنوب میں مسجد نبوی ﷺ سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس مسجد کے مینار دور سے نظر آتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ مسجد کے قریب پہنچتے ہی میری طرح ہر مسلمان مسجد کی فضاؤں کو خوشبوئے رسول اللہ ﷺ سے مہکا ہوا ضرور محسوس کرتا ہے۔ کون مسلمان ہوگا جو یہاں آتا ہوگا اور اس کی نظروں میں وہ تاریخی منظر نہیں سما جاتا ہوگا جب مولائے کل ختم الرسل ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر سیدنا صدیق اکبرؓ کے ساتھ یہاں تشریف لائے تھے۔ مجھے اوروں کے بارے میں تو کچھ معلوم نہیں لیکن میں گاڑی سے اتر کر جونہی مسجد کی طرف بڑھنے لگا تو مجھے یوں لگا جیسے کسی غیر مرئی قوت نے میرے پاؤں زمین سے چپکا دیے ہوں۔ دل نے کہا "اے خوش نصیب! ان فضاؤں اور ہواؤں میں سانس لینا مقدر کے سکندروں کے ہی حصے میں آتا ہے، دو لمحے رک کر اس منظر کو دیکھ تو لے۔ یہی وہ منظر ہے جہاں تمہارے آقا ﷺ نے تشریف لا کر اسے کائنات کے حسین ترین اور عظیم ترین چند مناظر کی فہرست میں شامل ہونے کے اعزاز سے شرف یاب کیا تھا۔ یہی وہ دھرتی ہے جو آپ ﷺ کے مبارک پاؤں کو اپنے سینے پر اٹھانے کی بے مثال عزت سے سرفراز ہوئی تھی، یہی وہ آسمان ہے جس نے آپ ﷺ کی اس علاقے میں تشریف آوری کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اتفاق سے

تقریباً یہی وہ وقت تھا جب آپ ﷺ یہاں پہنچے تھے۔ میں نے قباء کے منظر کو جی بھر کے دیکھا اور کچھ دیر تک لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔ میں جہاں کھڑا تھا اس سے کچھ فاصلے پر مجھے کھجور کے درخت نظر آئے۔ دل نے سوال کیا کہ کہیں یہ وہی دو درخت تو نہیں جن کے سائے میں آقائے نامدار ﷺ نے قباء میں داخلے کے وقت کھڑے ہو کر اہل قباء کے آ جانے کا انتظار فرمایا تھا۔ دل نے فوراً ہی جواب دیا کہ یہ وہ درخت تو نہیں لیکن ان جیسے ضرور ہیں۔ یکایک میری نگاہیں اس طرف اٹھیں جس طرف سے آپ ﷺ مکہ شریف سے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہوئے قباء میں داخل ہوئے تھے۔ مجھے یوں لگا کہ آج ۱۶ جولائی ۶۲۲ء کا دن ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی کشادہ اور پکی سڑک نے کچے رستے کی شکل اختیار کر لی ہے اور کچے گھروں نے پختہ عمارتوں کی جگہ لے لی ہے۔ دیکھتا ہوں کہ دوپہر کی اس شدید گرمی میں سفید اونٹنیوں پر دو سوار ان کھجور کے درختوں کی طرف آ رہے ہیں۔ ایک یہودی نے ان سواروں کو دیکھ لیا ہے اور وہ قباء کی گلیوں میں دوڑ دوڑ کر اونچی آواز میں کہہ رہا ہے "اے یہودیو! آگاہ رہو، تمہارا نجات دہندہ آ گیا ہے۔" آواز سنتے ہی بچے، بچیاں، مرد، عورتیں اس جانب دوڑ پڑے ہیں جہاں یہ دونوں سوار کھڑے ہیں اور ان کی اونٹنیاں قریب ہی بیٹھی ہیں۔ لوگوں کی بڑی تعداد جن میں مسلمان اور یہودی شامل ہیں ان سواروں کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑی ہو گئی ہے۔ لوگ خوش ہیں کہ ان کے سامنے نبی اکرم ﷺ موجود ہیں لیکن شش و پنج میں ہیں کہ ان دونوں میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کی پریشانی کو بھانپ گئے ہیں۔ آپؓ نبی اکرم ﷺ سے دو قدم پیچھے ہٹ گئے ہیں اور اپنا لبادہ سائبان بنا کر رحمۃ للعالمین ﷺ پر تان دیا ہے۔ یہ دیکھتے ہی مجمع نے عربوں کی روایت کے مطابق آپ ﷺ کو خوش آمدید کہنے کے لیے ہلہلہ بچانا شروع کر دیا ہے۔ ہر ایک کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہیں۔ کچھ دیر تک یہ استقبالی عمل جاری رہتا ہے۔ آپ ﷺ دریافت فرماتے ہیں کہ یہ زمین کس کی ہے؟ ایک نوجوان سامنے آتا ہے۔ آپ ﷺ اس سے کچھ دیر کے لیے ان درختوں کے سائے کے نیچے ٹھہرنے کی اجازت طلب فرماتے ہیں۔ وہ بعد

اشتیاق اس کی اجازت دیتے ہوئے اس بات کو اپنے لیے باعث عزت گردانتا ہے۔ اتنے میں قباء کے مسلمانوں میں سے حضرت کلثوم نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی ہے کہ آپ ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ ان کے یہاں قیام فرمائیں۔ آپ ﷺ اُن کی تکلیف کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سے اجتناب فرماتے ہیں لیکن اُن کے بے حد اصرار پر آپ ﷺ یہ دعوت قبول فرما لیتے ہیں۔ آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع مدینہ منورہ میں بھی پہنچ گئی ہے۔ شمع رسالت کے پروانوں میں سے سب سے پہلے سیدنا فاروقؓ آپ ﷺ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور پھر ان کے بعد مسلمان جوق در جوق آنے لگتے ہیں۔ کلثوم کے حجرے میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ وہاں سبھی آنے والوں کو خوش آمدید کہا جا سکے لہٰذا سعد بن خیثمہ درخواست کرتے ہیں کہ ان کا وسیع و عریض مکان آقائے نامدار ﷺ اپنے تصرف میں لے آئیں۔ سعد کی درخواست اس حد تک منظور کر لی جاتی ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ دن بھر اس میں تشریف فرما ہو کر لوگوں سے ملاقات فرماتے ہیں لیکن رات کو کلثوم ہی کے حجرے میں آرام فرماتے ہیں۔

آج نبی اکرم ﷺ کو قباء میں تشریف لائے ہوئے تیسرا دن ہے۔ آپ ﷺ نے یہاں مسجد کی تعمیر کی خواہش فرمائی ہے۔ زمین کے مالک نے زمین ہدیہ کے طور پر پیش کرنی چاہی ہے لیکن آپ ﷺ نے یہ زمین ہدیے کے طور پر لینے سے انکار فرماتے ہوئے اسے قیمت دے کر خرید لیا ہے۔ یہی وہ زمین ہے جس پر مسجدِ قباء تعمیر ہوئی ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔

اسلم، میں، اہلیہ اور ہماری ہمراہی خاتون مسجد کی طرف بڑھنے لگے تو میرے تصورات میں وہ سبھی نورانی چہرے ابھرنے لگے جنہوں نے رسول امی ﷺ کی قیادت اور رہنمائی میں یہ عظیم مسجد تعمیر کی تھی۔ وہ عرب جو نسلی تفاخر کو اپنی زندگی کی بنیاد قرار دیتے تھے، آج رسالت مآب ﷺ کے ساتھ ایک عام مزدور کی طرح ایسے کام کر رہے تھے جیسے وہ پیدائشی مزدور ہوں۔ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، حضرت صہیب رومیؓ اور سب سے بڑھ کر کائنات کا وہ سب سے بڑا انسان جسے وجہ تخلیق

کائنات قرار دیا گیا اپنی پیٹھ اور سر پر اتنے بھاری پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا کہ مبارک کمر جھکنے لگتی۔ آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر کبھی صحابہؓ آگے بڑھتے اور استدعا کرتے کہ ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! آپ ﷺ یہ کام نہ کریں تو آپ ﷺ انتہائی لطافت کے ساتھ فرماتے کہ مجھے اس کام سے ہرگز نہ روکو بلکہ تم بھی ایسے ہی کرو۔

مجھے یہ سب مناظر واضح طور نظر آ رہے ہیں کہ آپ ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ گارا بنا رہے ہیں، سیدنا فاروقؓ دوسرے صحابہؓ کے ساتھ دور سے مٹی اور پانی ڈھو ڈھو کر لا رہے ہیں۔ گارا بن جاتا ہے تو آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے اینٹیں ڈھال رہے ہیں، جسم اطہر پسینے میں ڈوبا ہوا ہے لیکن آپ ﷺ سب کے ساتھ سامان تعمیر اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں اور مسجد کی تعمیر کی جا رہی ہے۔ میرے منہ سے اچانک نکلا، اے مسجد قباء! تیری تاریخ کے ایک ایک عظیم لمحے کو سلام۔ تو عظمتِ اسلام کے واقعات کی ایک اہم کڑی ہے۔ تیری فضا میرے نبی ﷺ کی سانسوں کی خوشبو سے مہکی ہوئی ہے اور تیری بنیادوں میں اس جسم اطہر اور رخ مبارک سے ٹپکا ہوا پسینہ جذب ہے جس کی مہک تجھے قیامت تک اسی طرح قائم رکھے گی۔ تجھے یہ خصوصیت حاصل ہے کہ میرے آقا ﷺ مدینہ میں قیام کے دوران میں ہر ہفتے کے دن پیدل یا سوار ہو کر یہاں تشریف لاتے اور تیری دھرتی پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے۔ تو مسلمانوں کی وہ عظیم سجدہ گاہ ہے جہاں نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے لیے جمعہ کے دن کو اجتماعی عبادت کا دن قرار دیا اور یہودیوں کی اس خوش فہمی کا خاتمہ فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ انہی کے ساتھ شامل ہو کر ان کی قیادت فرمائیں گے اور سنیچر کے دن کو حسب سابق یوم فضیلت و اجتماعی عبادت کا درجہ حاصل رہے گا۔

ہم سب مسجد میں داخل ہو گئے۔ اب یہ مسجد اس مسجد سے کہیں زیادہ وسیع و عریض ہے جو میرے آقا ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ مل کر تعمیر فرمائی تھی۔ اس مسجد کو سب سے پہلے سیدنا عثمانؓ اور انؓ کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز، ابویعلیٰ حسینی، جمال الدین الاصفہانی (نورالدین زنگی کے وزیر) الناصر ابن قلاوون سلطان مصر اور مصری کے حاکم اشرف برسبائی نے وسعت دی اور اس

میں تزئین و آرائش کا کام کروایا۔

مسجد قباء کو آخری بار ۱۹۸۵ء میں شاہ فہد کے حکم پر وسعت دی گئی اور اب یہ مسجد یہاں زیادہ سے زیادہ آنے والے لوگوں کے لیے نماز پڑھنے کی مکمل گنجائش کی حامل ہے۔ مسجد قباء کا منبر بھی اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے۔ سلطان مصر اشرف قائتبائی نے ۱۴۸۶ء میں مسجد قباء کے لیے سنگ مرمر کا ایک منبر بنوا کر بھجوایا تھا۔ بعد ازاں ایک منبر سلطان مراد عثمانی نے یہاں کے لیے بنوا کر بھجوایا جسے مسجد نبوی ﷺ میں منتقل کر دیا گیا البتہ سلطان قائتبائی کے منبر کو جسے عثمانی منبر کے آ جانے کے باعث اس کی اصل جگہ سے ہٹا دیا گیا تھا دوبارہ اس کی اصلی جگہ پر بحال کر دیا گیا جو اب تک وہاں موجود ہے۔

ہم مسجد کی زیارت کرتے ہوئے اس کے وسیع ہال میں آ گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ مسجد قباء میں مصلیٰ نبوی ﷺ ستونوں کی قطار میں اس ناقص ستون کی جانب شمال ہے جو موجودہ محراب کے بعد قائم وایستادہ ہے لہٰذا ہم نے وہاں نوافل ادا کیں اور دعا مانگ کر مسجد سے باہر آ گئے۔

مسجد قباء سے واپسی پر ہم مسجد الجمعہ آ گئے جو مدینہ منورہ کی طرف واپسی پر راستے میں واقع ہے۔ جب ہم اس مسجد کے دروازے پر پہنچے تو وہاں تالا پڑا ہوا تھا لہٰذا ہم نے باہر کھڑے ہو کر ہی اس کی زیارت کی۔ روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ قباء میں چوبیس دن قیام کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے تو وہ جمعہ کا دن تھا۔ جب آپ ﷺ اس مقام پر پہنچے جہاں اب مسجد جمعہ موجود ہے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ ﷺ نے نماز جمعہ اسی جگہ ادا فرمائی جہاں بعد میں یہ مسجد تعمیر کر دی گئی۔ مسجد جمعہ کی زیارت کے بعد ہم لوٹ آئے کیونکہ نماز ظہر کا وقت قریب تھا اور ہمیں نماز بہر حال مسجد نبوی ﷺ ہی میں ادا کرنا تھی۔

وہ شام تھی یا اداسی کا اک سمندر تھا

(مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لیے روانگی)

لیجئے شہر نبی ﷺ، احد، قبا، روضہ اقدس اور جنت البقیع سے جدائی کا وقت سر پر آن پہنچا۔ آج نماز عصر کے بعد میں اسلم کے ہمراہ جا کر کل شام کے لیے بس کی سیٹیں کنفرم کروا آیا ہوں۔ میں اور اہلیہ بے حد اداس ہیں۔ وہ دل جو شہر نبی ﷺ میں آ کر دنیا بھر کے جھمیلوں سے بے نیاز ہو گیا تھا، اب پھر سے جدائی کے غم میں تڑپ اٹھا ہے۔

آج روضہ اقدس پر حسب معمول حاضری دی تو آنسوؤں سے چہرہ اور دامن تر ہو گئے۔ جی چاہتا تھا کہ کاش وقت یہیں ٹھہر جائے اوزندگی یہیں ختم ہو جائے لیکن وہ زندگی جسے بے وفا کہا جاتا ہے، آج اس نے اپنی فطرت کے خلاف مجھ سے وفا کی۔ اس کی یہ وفا بہت بری لگی۔ رسول امی ﷺ اور شیخین کی خدمت میں حاضری کے بعد جنت البقیع گئے اور پھر حسب معمول قیام گاہ پر واپس آ گئے۔ آج آرام کی جگہ بے آرامی نے لے لی اور سارا وقت ایک عجیب بے قراری میں گزرا۔ ظہر کی نماز کے فوراً بعد ہمارے ایک ملنے والے کسی پروگرام کے بغیر گاڑی لے کر آ گئے اور ہمیں اغوا کرنے کے انداز میں اپنے گھر لے گئے جہاں انہوں نے ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا جس میں بہاول پوری کھانوں کی موجودگی بہت بھلی لگی۔ عشاء کی نماز مسجد نبوی ﷺ میں ادا کر کے جب ہم قیام گاہ پر پہنچے تو اسلم اور اجمل خلاف معمول گاڑی کے ساتھ پہلے سے وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ہمیں کمرے میں جانے سے روک دیا۔

اسلم نے کہا ''انکل! آپ کل یہاں سے واپس جا رہے ہیں۔ نجانے مقدر آپ کو پھر یہاں لائے یا نہ لائے، اس لیے آپ کے حکم کے خلاف میری خواہش ہے کہ آپ شہرِ نبی ﷺ کو ایک نظر دیکھ تو لیں۔'' اسلم کی یہ بات دل کو اچھی لگی۔ وہ ہمیں مختلف سڑکوں پر گھماتا ہوا پاکستان ہاؤس میں واقع ریسٹورنٹ میں لے آیا جہاں اس نے پرتکلف کھانا کھلایا اور پھر وہ ہمیں پہلے شہر کی سڑکوں اور بازاروں میں گھماتا رہا اور بعد میں شہر سے باہر نکل آیا۔ وہ ہمیں ہر جگہ کا تعارف کرواتا اور پھر ہم آگے بڑھ جاتے۔ شہرِ نبی ﷺ کے حسن کی تعریف کرنا ویسے تو ہماری مذہبی عقیدت کا جزو اول ہے لیکن اس عقیدت سے ہٹ کر بھی میں نے شہرِ نبی ﷺ کو ہر طرح سے ایک انتہائی خوبصورت شہر پایا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ یثرب کے عربی زبان میں معنی ہیں ایسا مقام جو انسان کو تکلیف پہنچائے یا ایسی جگہ جہاں انسان بیمار پڑ جائے۔ یہ نام دراصل بدوی باشندوں نے اس شہر کے لیے منتخب کیا تھا کیونکہ بارشوں کی وجہ سے یہاں آ کر ان کی طبیعت خراب ہو جاتی تھی جبکہ ان کے برعکس یہاں کے اصلی باشندوں نے اس شہر کا نام طیبہ رکھا یعنی پاکیزہ اور دل پسند شہر۔ میرے خیال میں میرے نبی ﷺ کا شہر بہر طور پاکیزہ اور دل پسند ہے۔ یہاں کی آب و ہوا، یہاں کی سڑکیں، یہاں کی عمارات، یہاں کی گلیاں غرض یہاں کی ایک ایک شے میں مجھے تو بے حد توازن اور خوبصورتی نظر آئی۔ اسلم نے ہمیں اس رنگ و نور میں ڈوبے، خوشبوؤں میں بسے اور برکتوں سے مہکے ہوئے شہر کی کئی گھنٹوں تک سیر کرائی اور ہم نے بھی اس کے ہر منظر کو آنکھوں کے راستے دل میں اس طرح اتارا کہ اب تک یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم انہی مناظر کے سحر میں ہیں۔ جب ہم واپس اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو صرف ایک گھنٹے بعد تہجد کی اذان سے مدینہ منورہ کے در و دیوار گونج اٹھے۔

آج شہرِ نبی ﷺ میں آئے ہوئے دس دن مکمل ہو گئے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ یہاں سے واپس جانے کو جی نہیں چاہتا۔ آج دل کل سے بھی زیادہ اداس ہے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر میں اداسی کا اک جہان اپنے دل میں سمیٹے بوجھل قدموں کے ساتھ روضہ رسول مقبول ﷺ کی

طرف چل پڑا۔ گزشتہ دس دنوں میں یہاں گزرا ہوا ایک ایک لمحہ یاد آیا تو اداسی کی شدت میں اور اضافہ ہو گیا۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران میں زیادہ وقت مسجد نبوی ﷺ ہی میں گزرا تھا۔ مسجد کا کوئی ایسا گوشہ نہیں تھا جہاں نماز یا نوافل ادا نہ کی ہوں۔ ریاض الجنۃ میں بھی اکثر اوقات جا کر عبادت کرنے کی سعادت حاصل کی اور وہاں ہمیشہ یہی طرز عمل اختیار کیا کہ نوافل ادا کر کے دعا مانگی اور اپنے کسی اور بھائی کے لیے جگہ خالی کر دی تا کہ وہ بھی اس سعادت سے سرفراز ہو سکے۔ ہر اک اسطوانے کے پاس جا کر نوافل ادا کرنے کی سعادت حاصل کر چکا تھا لیکن اسطوانہ سیدہ عائشہؓ جسے اسطوانہ مہاجرین اور اسطوانہ قرعہ کا نام بھی دیا گیا ہے کے قریب جا کر عبادت کرنے کا ہنوز موقع نصیب نہیں ہو سکا تھا کیونکہ یہاں ریاض الجنۃ میں دوسری جگہوں کی نسبت بہت زیادہ بھیڑ ہوتی ہے۔ اس اسطوانے کے پاس بھیڑ کی وجہ میں پہلے ہی تحریر کر چکا ہوں۔ میں نے یہاں عبادت کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی بارہا کوشش کی لیکن یار لوگ کسی اور کا احساس کیے بغیر ریاض الجنۃ میں بالعموم اور اس اسطوانے کے قریب بالخصوص اس طرح آ کر ڈیرہ جما لیتے ہیں کہ یہاں سے اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ آج جب میں ریاض الجنۃ کی طرف آ رہا تھا تو میں نے دل ہی دل میں دعا کی، اے اللہ کریم! یوں تو تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے میری آنکھوں کو وہ نظارے بخشے جنہیں دیکھنے کی ہر مسلمان ہمیشہ اپنے دل میں بے حد خواہش رکھتا ہے، میری پیشانی کو سجدوں کے لیے وہ زمین بخشی جس کی فضیلت بے مثال ہے لیکن اسطوانہ سیدہ عائشہؓ کے پاس عبادت کرنے کی حسرت بھی پوری ہو جائے تو میں اسے اپنی خوش نصیبی کا کمال سمجھوں گا۔ میں بچشم تر، بدل گرفتہ ریاض الجنۃ کی طرف آ گیا۔ حسب معمول بے حد بھیڑ تھی اور وہ جو کہا جاتا ہے کہ وہاں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی تو معاملہ بالکل وہی تھا لیکن میرے اللہ اور میرے آقا ﷺ کا کرم ملاحظہ ہو کہ اسطوانہ، سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس عین اسی جگہ جہاں عبادت کرنے کی میں خواہش رکھتا تھا دو آدمیوں کے لیے بالکل خالی جگہ پڑی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ جگہ خالی کرائی گئی ہو۔ میں ایک طرح کی جھجک محسوس کرتے ہوئے اس خالی جگہ پر پہنچا۔

اس خیال سے ادھر ادھر دیکھا کہ ابھی کوئی صاحب چلیں گے اور کہیں گے کہ یہ جگہ میری ہے لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ میرے دل نے مجھے کہا، اے مقدر کے سکندر! یہ جگہ تیرے ہی لیے خالی پڑی تھی۔ لے وہ حسرت بھی پوری کرلے جو تو گزشتہ دس دنوں سے اپنے سینے میں لیے پھرتا ہے۔ میں نے نوافل پڑھنا شروع کر دیئے اور نوافل کے دوران میں میرے دل، میری زبان اور میری آنکھوں نے مکمل طور پر میرا ساتھ دیا۔ میرا یہ یقین اور پختہ ہو گیا کہ یہاں آنا صرف منظوری ہی کی بات ہے اور یہاں جو آتا ہے وہ آقائے دو جہاں ﷺ کا ایسا لاڈلا اور پیارا مہمان ہوتا ہے جس کی ہر خواہش رب قدیر ضرور پوری فرماتے ہیں۔

استوانۂ عائشہ صدیقہؓ کے قریب عبادت کرنے اور دعا مانگنے کے بعد میں حسب معمول روضہ اقدس پر حاضری کے لیے آیا۔ آج مجھ پر ایک مختلف کیفیت طاری تھی۔ مجھے کسی اور کے جذبات کا تو علم نہیں لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے، میں کم از کم گزشتہ دو تین دنوں سے یوں محسوس کر رہا تھا جیسے میرا کوئی عظیم ترین نقصان ہونے والا ہے۔ وہ جو روضہ مبارک میرے سامنے تھا، اس کی محبت اور کشش کے سامنے مجھے میرے حقیقی ماں باپ کی محبت بھی بالکل ہیچ محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے آقا ﷺ کی شفقتوں اور رحمتوں سے بھری ہوئی ذات میرے سامنے ہے، میں گڑگڑا کر آپ ﷺ سے درخواست کر رہا ہوں، اے میرے آقا ﷺ! میں اس کرم کے لیے آپ ﷺ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ ﷺ نے مجھے اپنی خدمت میں حاضری کے شرف سے سرفراز فرمایا۔ کاش یوں ہو کہ میں تا زندگی آپ ﷺ کی خدمت میں روزانہ حاضری کا موقع پا سکوں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو میری یہ حاضری آپ ﷺ کی خدمت میں آخری حاضری نہ ہو۔ مجھے اپنے دربار میں بار بار حاضری کی عزت سے سرفراز فرمائیں۔ مجھے یوں بھی لگا کہ آپ ﷺ کی محبت میں میرا یوں گریہ وزاری کرنا آپ ﷺ پسند فرما رہے ہیں اور گزارشات کو باندازِ کریمانہ سماعت فرما رہے ہیں۔ بہت دیر تک وہاں حاضر رہنے اور سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی خدمت میں سلام عقیدت پیش کرنے کے بعد میں حسب معمول الٹے قدموں

چلتا ہوا سامنے کے دروازے سے باہر آ گیا۔ میرا معمول تھا کہ میں حاضری کے بعد اسی طرح الٹے قدموں وہاں تک چلتے ہوئے آتا جہاں سے گنبدِ خضرا مکمل طور پر میرے نظارے میں آ جاتا۔ وہاں کھڑے ہو کر میں ایک بار پھر ہدیہ درود و سلام پیش کرتا اور پھر فارغ ہو کر جہاں جانا ہوتا چلا جاتا۔ آج مدینہ منورہ میں میرے قیام کا آخری دن تھا۔ اس لیے آج میرے معمولات فطری طور پر سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جب میں گنبدِ خضرا کے سامنے ہاتھ باندھے اور آنکھیں بند کیے انتہائی استغراق کے عالم میں آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ درود و سلام پیش کر رہا تھا تو کسی نے زور سے میرے دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے الگ کرتے ہوئے عربی میں کہا ''نماز نہ پڑھو''۔ میں نے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھیں کھولیں تو میرے سامنے ایک عرب کھڑا تھا جو اپنے لباس سے سرکاری ملازم لگتا تھا۔ اس کے اس عمل نے مجھے محبتِ رسول ﷺ کی ایک ایسی لطیف کیفیت سے باہر نکالا تھا کہ جس کے لطف کو الفاظ میں بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے اس کی اس حرکت نے بہت دکھ پہنچایا۔ وہ چلنے لگا تو میں نے اسے آواز دے کر اپنی طرف بلایا۔ وہ قریب آیا تو میں نے اسے بتایا کہ میں نماز نہیں پڑھ رہا تھا۔ جہاں تک میرے ہاتھ باندھنے کا تعلق ہے، ضروری نہیں کہ انسان جب بھی اس طرح ہاتھ باندھے وہ نماز ہی پڑھ رہا ہوتا ہے۔ میں نے اس پر واضح کیا کہ یہ عمل میرے نزدیک احترام و ادب کا عمل ہے۔ میں نے دکھ ہی کی حالت میں اپنے بیگ میں سے وہ اردو اخبار نکالا جو گزشتہ روز مجھے اجمل دے کر گیا تھا۔ اس میں ایک تصویر تھی، جس میں سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ عبداللہ کو اپنے بڑے بھائی سعودی عرب کے فرمانروا کی عیادت کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا جو ان دنوں ریاض کے ایک ہسپتال میں زیرِ علاج تھے۔ شاہ بسترِ علالت پر ہیں اور ولی عہد ان کے سامنے احتراماً ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ میں نے اس عرب سے پوچھا ''کیا آپ کی سلطنت کے ولی عہد نماز پڑھ رہے ہیں؟ اگر وہ آپ کے بادشاہ کے سامنے یوں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے میں کسی بدعت کا شکار نہیں ہو رہے تو ہم دونوں جہانوں کے بادشاہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر انہیں ہدیہ درود و سلام بھیجنے میں کیونکر بدعت کا شکار

ہو سکتے ہیں؟ میں نے مزید کہا، کیا نعوذ باللہ تمہارا بادشاہ میرے بادشاہ ﷺ سے بڑا ہے؟'' میں نے بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا، چاہتا تھا کہ اسے ایک اور تصویر دکھاؤں جس میں شاہ فہد مسجد نبوی ﷺ کا ماڈل دیکھ رہے ہیں اور ان کے ساتھ موجود تقریباً سبھی حکام محبت واحترام شاہ میں ہاتھ باندھے کھڑے مسکرا رہے ہیں لیکن وہ عرب مجھے حیرت اور قدرے ندامت سے دیکھتے ہوئے بغیر کچھ کہے آگے بڑھ گیا۔ مجھے اس بات کا آج تک افسوس ہے کہ اس نے مجھے جس کیفیت سے باہر نکالا تھا، وہ کیفیت خوش نصیبی سے انسان کو کبھی کبھی نصیب ہوتی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ ہمارے عرب دوست آخر اس بات پر کیوں بضد ہیں کہ وہ بالکل انہی کی طرح سوچے اور عمل کرے حالانکہ ان میں وہ اوصاف بالکل مفقود ہیں جو کسی کو اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ میرے رسولِ امی ﷺ بھی تو انہی میں سے تھے، کس نے ان ﷺ کی پیروی سے انکار کیا؟ کون ہے جو ان ﷺ پر اپنی جان نچھاور کرنے کو دنیا کی عظیم ترین سعادت نہیں سمجھتا؟ کون ہے جو ان ﷺ کے ہر قول اور فعل پر عمل کرنے کو اپنے لیے ذریعہ نجات نہیں سمجھتا اور کون ہے وہ جو ان ﷺ کی محبت کو دولتِ کونین پر فوقیت نہیں دیتا؟ مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا شخص ہے جو ان باتوں کی نفی کرے تو پھر وہ سب کچھ تو ہو سکتا ہے لیکن مسلمان ہرگز نہیں ہو سکتا۔

میں یہاں سے جنت البقیع میں الوداعی زیارت وسلام کے لیے آ گیا اور پھر اہلیہ اور ہمراہی خاتون کو لے کر قیام گاہ پر آ گیا۔ نمازِ عصر کے بعد روضہ منور پر الوداعی حاضری دی۔ یہ حاضری ایسی تھی کہ اس کا بیان الفاظ میں کسی بھی طرح ممکن نہیں۔ میں نے اپنے ملک، اپنے ماں باپ، اپنے عزیزوں، اپنے دوستوں کے حوالے سے دعائیں مانگنے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں بہت سی ذاتی درخواستیں پیش کیں۔ وہ میرے اور میرے آقا ﷺ کے درمیان ہونے والی ذاتی باتیں ہیں جن کے بارے میں میرا ایمان ہے کہ وہ تمام درخواستیں جو زندگی سے متعلق ہیں، وہ ضرور میری زندگی میں اور جو آخرت سے متعلق ہیں وہ ضرور آخرت میں منظور ہوں گی۔

مسجد نبوی ﷺ سے واپس آ کر ہم نے قیام گاہ سے اپنا مختصر سا سامان اٹھایا اور چشمِ تر

گاڑی میں سوار ہو کر وہاں آ گئے جہاں سے ہمیں بس میں مکہ معظمہ کے لیے سوار ہونا تھا۔ یہ مختصر سفر مدینے سے جدائی کے احساس میں آنسو بہانے ہی میں گزرا۔ گاڑی مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی جب کسی ایسی جگہ آتی جہاں سے گنبد خضرا نظر آ جاتا تو آنسوؤں کی مقدار اور رفتار میں خود بخود اضافہ ہو جاتا اور زبان سے درود کے الفاظ کے ساتھ الوداعی کلمات بھی جاری ہو جاتے۔ نماز مغرب وہیں ادا کی گئی۔ حسب سابق بس میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک ہمیں محبوس رکھا گیا۔ بہت دیر کے بعد جب بس دس بارہ کلومیٹر کا سفر طے کر کے بیر علی کے مقام پر پہنچی تو عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ یہاں مسجد ذوالحلیفہ میں حجاج کے لیے نہانے اور احرام باندھنے کا بہت عمدہ انتظام ہے۔ یہاں لوگوں کے لیے میقات ہے جو مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ حج یا عمرے کے لیے آ رہے ہوں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حج پر تشریف لاتے ہوئے آقائے دو جہاں ﷺ نے احرام باندھا تھا۔ یہاں بس خاصی دیر کے لیے رکی رہی تا کہ لوگ نماز پڑھ لیں اور احرام باندھ سکیں۔ ہم نے بھی یہاں غسل کیا اور احرام باندھ کر نماز ادا کی۔ کچھ دیر کے بعد بس مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوئی اور ساری رات کا سفر کر کے نماز فجر سے پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئی۔

ہر ایک سمت تری یاد تیری خوشبو ہے

(مسجد رسول ﷺ اور جنت المعلیٰ کی زیارت)

مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد اب ہمیں اپنے گھر واپسی تک مکہ معظمہ میں رہ کر دولتِ ثواب اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس نے ہمیں توفیق عطا فرمائی کہ ہم اس کے گھر میں باقاعدگی سے جا کر مشغولِ عبادت رہے۔ یہاں کے معمولات کی ترتیب بھی بالکل مدینہ منورہ کی طرح تھی۔ اس ترتیب میں اکثر تبدیلی بھی واقع ہوئی کیونکہ اپنے قیامِ مکہ معظمہ کے دوران میں ہم نے الحمدللہ بہت سے عمرے ادا کیے۔ عمرے کے لیے قیام گاہ سے صرف دو ریال دے کر مسجد عائشہؓ چلے جاتے۔ وہاں احرام باندھتے اور بیت اللہ میں آ کر عمرے کی بھی شرائط پوری کرتے۔ نماز فجر، نماز عصر اور نماز عشاء کے بعد اکثر طواف کی سعادت بھی حاصل کر لیتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اس پورے سفر کے دوران میں ایک لمحے کے لیے بھی اپنی یاد سے غافل نہیں ہونے دیا۔ ہم سے بلاشبہ ان گنت خطائیں اور غلطیاں ہوئی ہوں گی لیکن یقین ہے کہ ربِ قدیر اپنی خصوصی عنایت اور کرم سے انہیں درگزر فرمائیں گے۔

یوں تو مکہ معظمہ کا چپا چپا اپنے سینے میں تاریخ کے کئی ابواب چھپائے ہوئے ہے اور جی چاہتا ہے کہ اس تاریخ کا تفصیل سے مطالعہ کر کے اسے دنیا کے سامنے بیان کیا جائے لیکن ایک حاجی کے لیے اس کی مصروفیات کے باعث ایسا کرنا ممکن نہیں۔ صرف اسی احساس کی خوشبو بھی دولتِ بے بہا سے بڑھ کر ہے کہ ہم جن فضاؤں میں ان دنوں سانس لے رہے ہیں، یہ فضائیں

آقائے کون ومکاں ﷺ کے وجود کی خوشبو سے مہکی ہوئی ہیں۔ یہ وہ شہر ہے جہاں انبیاء تشریف لاتے رہے، جہاں اللہ کا گھر ہے، جہاں مولدِ رسول ہے، جہاں جنت المعلیٰ ہے اور جس کے قرب وجوار میں جبل ثور ہے، جبل رحمت ہے، جبل نور ہے، منیٰ ہے، مزدلفہ ہے، عرفات ہے، وہ زمین ہے جس پر شب وروز آقائے عرب وعجم ﷺ کے مبارک پاؤں پڑتے رہے اور وہ آسمان ہے جو آقائے عالم ﷺ کی زیارت سے فیض یاب ہوتا رہا۔ یہاں آنے والے ہر خوش نصیب کی طرح میری بھی خواہش تھی کہ میں ان تمام مقامات پر حاضری کا شرف حاصل کروں جن کا کسی بھی حوالے سے آپ ﷺ کی ذاتِ مبارک سے کوئی تعلق ہے اور اللہ کریم نے یہ خواہش جلد پوری کر دی۔

مکہ معظمہ میں واپسی کے تین دن بعد ہم نے مولدِ رسول ﷺ اور جنت المعلیٰ جانے کا پروگرام بنایا۔ نماز صبح سے فارغ ہو کر ہم حرم پاک سے صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر بوقبیس کے دامن میں واقع ایک جدید عمارت کے سامنے آگئے جو آج کل سعودی حکومت کی وزارتِ حج واوقاف کے تصرف میں ہے اور جس کے بارے میں طے ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں کائنات کے سب سے بڑے انسان کی اس دنیا میں اس دنیا کی بھی تاریکیوں کو ختم کر کے یہاں اسلام کی روشنی پھیلانے کے لیے تشریف آوری ہوئی۔ اس عمارت کا دروازہ مقفل تھا۔ سامنے کے فٹ پاتھ پر ہماری طرح سے دور دراز سے آئے ہوئے چند لوگ کھڑے اس دروازے کو بنظرِ عقیدت دیکھ رہے تھے۔ شاید ان کا تعلق بھی پاکستان ہی سے تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی جگہ بیٹھنے کو مل جائے جہاں آرام سے بیٹھ کر دھرتی کے اس حصے کو جی بھر کر دیکھا جا سکے جہاں بنی نوع انسان کی تاریخ کا سب سے روشن باب تحریر ہوا، جس کی روشنی سے اہل ایمان تا قیامت اپنے دلوں کو منور کرتے رہیں گے لیکن سوائے اسی فٹ پاتھ کے وہاں اور کوئی جگہ نہ تھی۔ میں مولد الرسول ﷺ کی طرف منہ کر کے اسی فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا اور انسانی تاریخ کے ان عظیم لمحات کے بارے میں سوچنے لگا جب اللہ تعالیٰ نے میرے آقا ﷺ کو اس دنیا میں بھیج کر اپنے بندوں پر اپنا سب سے بڑا احسان فرمایا تھا۔

فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے مجھے سب سے پہلے اپنے ہی طرزِ عمل کا خیال آیا۔ میں سوچنے لگا کہ ہم جب سنتے ہیں کہ مسفلہ میں سیدنا ابو بکرؓ کا مکان تھا جہاں آقائے نامدار ﷺ اپنے یارِ غارؓ کے پاس اکثر و بیشتر ملاقات کے لیے تشریف لایا کرتے تھے تو ہم اس مکان کی کھوج میں نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی زیارت کر کے ایک طرح کا اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ ہمیں پتا چلتا ہے کہ محلہ زقاق میں بھی بیت النبی ﷺ ہے جو در حقیقت ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کا گھر تھا جہاں آپ ﷺ نے تقریباً اٹھارہ سال تک قیام فرمایا تھا، جہاں اولادِ رسول ﷺ نے آنکھ کھولی تھی اور جہاں بار ہا جبرائیل میرے آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم اس مکان کو تلاش کر کے آنکھوں کو اس کی زیارت سے ٹھنڈا کرتے ہیں۔ کیا ہمارا یہ طرزِ عمل درست ہے؟ ذہن نے ابھی اپنا سوال مکمل ہی کیا تھا کہ دل بول اٹھا، بالکل درست ہے۔ دل ہی نے پوچھا کہ یہ حجر اسود کا بوسہ، یہ طواف، یہ صفا مروہ، یہ سعی، یہ عرفات، یہ وقوف، یہ مزدلفہ سے کنکریاں اکٹھی کرنا، یہ منیٰ، یہ شیطانوں کو کنکریاں مارنا وغیرہ کیا ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا، یہ سب عشق کے مرحلے ہیں۔ یہ آثار ہیں یا شعائر، انہیں دیکھتے جاؤ اور جو کرنا ہے کر گزرو۔۔۔۔۔ تم عشق اللہ اور عشق رسول ﷺ میں سیدھے راستے پر چلتے جاؤ، تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ اس راستے پر چلنے والے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پیارے ہیں۔ میرے دل کی اس آواز نے مجھے مولد الرسول ﷺ پر حاضری کا خوبصورت جواز تلاش کر کے دے دیا اور میں صدیوں پہلے ان مبارک دنوں کی جانب لوٹ گیا جب بی بی آمنہ نے اس درِ یتیم ﷺ کو جنم دیا جس نے بد بختی کی سیاہ چادر میں لپٹے ہوئے انسانوں کی قسمت بدل کر رکھ دی۔

ہمارا ایمان ہے کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو انسانوں کو صراطِ مستقیم دکھانے کے لیے بھیجا۔ دنیا میں جتنے نبی تشریف لائے، ان میں سے جن کی تعلیمات کا کچھ حصہ محفوظ ہے، وہ حصہ نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری کی ضرور گواہی دے رہا ہے۔ گوتم کے بارے میں بعض اہل علم کا خیال ہے کہ وہ نبی تھے اور بعض انہیں صرف ایک روحانی شخصیت سمجھتے

ہیں۔ بات کچھ بھی ہو گوتم بدھ کے اس دنیا میں آخری لمحات بے حد چونکا دینے والے ہیں۔ تاریخ کے صفحات پر گوتم بدھ کا وہ مکالمہ روشنی بکھیرتا ہوا نظر آتا ہے جو انہوں نے اپنے شاگرد نندا سے کیا۔
جب نندا کو یقین ہو گیا کہ اس کے آقا کی سانس اکھڑنے لگی ہے اور اب وہ اس سے جدا ہونے والے ہیں تو اس نے پوچھا۔

''آقا! آپ تو جا رہے ہیں، اب ہمیں کون علم بخشے گا۔''

''نندا! میں پہلا بدھ نہیں اور نہ ہی آخری ہوں جو اس دھرتی پر آیا۔ اپنے وقت پر ایک اور بدھ آئے گا جو میتریا کے نام سے موسوم ہوگا۔'' گوتم نے جواب دیا۔

چند سال پہلے الہ آباد کے مشہور زمانہ انگریزی اخبار ''لیڈر'' کے ایک مضمون کی عکسی نقل میرے ہاتھ لگی تھی جسے ایک بدھ عالم نے تحریر کیا تھا۔ اس میں اس نے میتریا کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ''وہ جس کا نام رحمت ہے''

اس ترجمے کے بعد کیا کوئی شک باقی رہتا ہے کہ گوتم نے یہ پیش گوئی رحمۃ للعالمین ﷺ کے بارے میں نہیں کی تھی؟

گوتم کے اس مکالمے کی یاد آتے ہی مجھے سیدنا ابراہیمؑ کی وہ دعا یاد آئی جو آپ نے تعمیر کعبہ کے وقت اللہ تعالیٰ سے کی تھی اور پھر آپ کی وہ بشارت یاد آئی جو آپ نے خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں فرمائی ''وہ عربی ہوگا، اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا۔ وہ اپنے سب بھائیوں کے درمیان بودوباش کرے گا۔''

آپ کا ایک ایک لفظ بول رہا ہے کہ عرب میں ایک نبی ﷺ آئے گا جس کی تعلیمات کے سبھی مخالف ہو جائیں گے لیکن وہ انہی کے درمیان رہ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد کیے جانے والے کام کو مکمل کرے گا۔

یہاں مجھے اپنے آقا ﷺ کے سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی یاد آئی۔ آپ نے فرمایا تھا ''خدا سینا سے نکلا، سعیر سے چمکا اور فاران ہی کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا اس

ہزار قدسیوں کے ساتھ۔ اس پیش گوئی میں ایک طرف تو فاران کا تذکرہ ایک واضح اشارہ ہے اور دوسری طرف فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ذریعے اسلام کی اس فوقیت کی بات کی گئی ہے جب آپ ﷺ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تھے۔ اسی پیش گوئی میں آپ ﷺ کی جلاوطنی کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ یہ ایسے اشارے ہیں جو آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے ہرگز نہیں ہو سکتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشینوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ارشادات بھی کسی وضاحت کے محتاج نہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا "مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں بستے ہیں، وہ سدا تیری حمد کریں گے۔ وہ بکہ سے گزرتے ہوئے ایک کنواں بناتے ہوئے۔" اور حضرت داؤدؑ کے عظیم و مقدس فرزند حضرت سلمان علیہ السلام نے تو میرے آقا ﷺ کا نام تک ظاہر فرما دیا۔ تسبیحات سلمان میں آتا ہے "خلومحمد یم زہ رودی زورعی" وہ ﷺ ٹھیک محمد ﷺ ہیں۔ وہ ﷺ میرے محبوب ہیں، میری جان۔"

حضرت سلمان کے بعد حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے آپ ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری کے بارے میں پیش گوئی فرمائی۔ انہوں نے فرمایا "بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے وہ خدا کا جلال ظاہر کریں گے۔"

سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے۔ سلع مدینہ کے قریب واقع پہاڑ ہے اور یہ گیت **طلع البدر علینا** وہاں کی چھوٹی چھوٹی بچیوں نے اس وقت گایا جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینے کے قریب قبا کے مقام پر تشریف لائے۔

حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے آپ ﷺ کی بے مثال شخصیت کے ایک خاص پہلو اور آپ ﷺ کو پیش آنے والے اس واقعہ کا بھی تذکرہ فرمایا جو آپ ﷺ کو غار حرا میں اس وقت پیش آیا جب حضرت جبرئیلؑ آپ ﷺ کے پاس نبوت کا پیغام لے کر آئے۔ حضرت یسعیاہ علیہ السلام

فرماتے ہیں۔

> ''ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ اسے پڑھ، وہ کہتا ہے کہ میں ان پڑھ ہوں، پڑھ نہیں سکتا۔''

کون نہیں جانتا کہ جب حضرت جبرئیل آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ سے کہا"**اقرا، باسم ربك الذی خلق**"یعنی پڑھ اپنے رب کا نام لے کر جس نے پیدا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا''میں پڑھنا نہیں جانتا''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آقائے دو جہاں ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری کے بارے میں آپ ﷺ کی تشریف آوری سے سینکڑوں سال پہلے فرمایا تھا۔

> ''میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر تم برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ فارقلیط آئے گا تو سچائی کی راہیں بتا دے گا۔''

انجیل کے علمانے فارقلیط کا ترجمہ''احمد'' کیا ہے۔ آخر میں مجھے یوحنا کے یہ الفاظ یاد آئے۔

> ''پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور دیکھا کہ ایک نقرئی گھوڑا اور اس کا سوار امانت دار سچا کہلواتا ہے اور وہ راستی سے عدالت کرتا ہے اور اب اس کی آنکھیں آگ کے شعلے کی مانند اور اس کے سر پر بہت سے تاج اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا کسی نے نہ جانا۔''

جب مجھے یہ تمام پیش گوئیاں یاد آئیں تو میں اپنے سامنے موجود اس عمارت کو دیکھنے لگا جہاں کائنات کے اس عظیم ترین انسان نے ان پیش گوئیوں کے سچا ہونے کی اس دنیا میں تشریف لا کر عملی شہادت مہیا فرمائی۔ اسی مقفل عمارت کے کسی حصے میں جب نور کا یہ سورج طلوع ہوا، دنیا کے مختلف حصوں سے اسی لمحے ظلم اور جھوٹ کے کئی آثار ختم ہو گئے۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ دنیا کے اس سیاہ خانے میں اب اجالا پھیلنے والا ہے جو ابد تک اپنی روشنیوں سے ہر تاریکی کو مٹاتا رہے

گا۔

میرے ذہن میں آپ ﷺ کی ذات کے بارے ایک انتہائی خوبصورت بچے کا تصور ابھرا جو پیدائشی طور پر شفقتِ پدری سے محروم ہے۔ آپ ﷺ نے صرف تین دن تک اپنی والدہ ماجدہ بی بی آمنہؓ کا دودھ پیا۔ آپ ﷺ کے چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) کے حکم پر اس کی لونڈی ثوبیہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اس نے کئی ماہ تک آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔ یہ وہی خاتون ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے چچا حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ اس کے بعد عرب کے عام رواج کے مطابق آپ ﷺ کو جنگل کی کھلی فضا میں پرورش کے لیے قبیلہ بنو ہوازن کی ایک خاتون حلیمہ سعدیہ کے ساتھ بھیج دیا گیا۔ یہ وہی قبیلہ ہے جو عرب میں اپنی زبان کی فصاحت کے لیے مشہور تھا۔ آپ ﷺ چار سال کی عمر تک حلیمہ سعدیہ اور ان کے شوہر حارث کے پاس رہے۔ آپ ﷺ حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیما اور بکریوں کے بچوں کے ساتھ کھیلتے اور جب کچھ بڑے ہو گئے تو جنگل میں سے شیما کے ساتھ جا کر بکریوں کو واپس گھر بھی لے آتے۔

بنو ہوازن سے واپس آئے تو آپ ﷺ کو والدہ ماجدہ کی محبت کے بعد جس نے سب سے زیادہ محبت دی وہ تھی کنیز برکہ جو سارا دن آپ ﷺ کو اپنے ساتھ رکھتیں۔ آپ ﷺ چھ سال کے ہوئے تو اپنی والدہ ماجدہ اور برکہ کے ساتھ یثرب تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کی قبر تھی۔ آپ ﷺ وہاں اپنے ننھیالی رشتے داروں کے پاس ایک ماہ تک رہے۔ ایک قافلے کے ساتھ واپسی پر ابواء کے مقام پر آمنہ بی بی کا انتقال ہو گیا جنہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ اس طرح آپ ﷺ صرف چھ سال کی عمر میں ماں اور باپ، دونوں کی شفقتِ بے بدل سے محروم ہو گئے۔ آپ ﷺ برکہ کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔ برکہ نے آپ ﷺ کو اتنی محبت دی کہ آپ ﷺ انہیں امی بعد امی فرمایا کرتے۔ ابھی آپ ﷺ صرف آٹھ سال کے ہوئے کہ آپ ﷺ اپنے شفیق دادا حضرت ابوالمطلب کی شفقت سے بھی محروم ہو گئے۔ حضرت ابوطالب نے جن کا اصل نام عبدالمناف تھا اپنے بھائی کے بیٹے کو اپنے سینے سے لگایا۔

حضرت ابوطالب حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے، سوانہوں نے اور ان کی بیوی فاطمہ اسد نے محمد ﷺ پر اپنی محبت کے سارے خزانے نچھاور کر دیئے جن کے اس احسان کو مسلمان اور تاریخ اسلام کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔ ہر چند آپ ﷺ کمسن تھے لیکن عام بچوں کی طرح غیر سنجیدگی، خوش باشی اور بے پروائی آپ ﷺ کے قریب سے بھی ہو کر نہیں گزری تھی۔ چھوٹی عمر میں ہی آپ ﷺ نے اپنے چچا اور چچی کے سبھی کاموں میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ بکریاں لے کر جنگل میں چلے جاتے جہاں ایک طرف تو تنہائی اور کشادگی نے آپ ﷺ کے ذہن کو سوچ کے ایک جداگانہ انداز سے ہمکنار کر دیا اور دوسری طرف آپ ﷺ کو کسی پر بوجھ بننے سے بچالیا۔

میں فٹ پاتھ پر بیٹھا آپ ﷺ کے بچپن پر غور کر رہا تھا تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی زندگی کو ایک خاص انداز میں ترتیب دیتا ہے۔ وہ نوحؑ ہوں یا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ ہوں یا ایوبؑ و یوسفؑ، وہ عیسیٰؑ ہوں یا موسیٰؑ، انہیں زندگی کے راستوں سے ایک خاص انداز میں گزرنا پڑتا ہے اور جب معاملہ سیدالانبیاء کا ہو تو آپ ﷺ کے لیے زندگی کی ترتیب کا مزید خصوصی ہونا ایک لازمی بات تھی۔ میرے سامنے آپ ﷺ کی مبارک زندگی کے ان گنت ابواب تاحد نظر پھیلے ہوئے تھے جن کے ایک ایک لفظ سے روشنی اور خوشبو کے لاتعداد چشمے پھوٹ رہے تھے۔ میں ان چشموں کے درمیان کھڑا انہیں ایک عجیب خوشگوار حیرت سے دیکھ دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کر رہا تھا کہ ان سب روشنیوں اور خوشبوؤں کو حصار تحریر میں لانا کسی انسان کے امکان میں نہیں۔ مجھے یاد آیا کہ آپ ﷺ کی عمر صرف بارہ سال کی تھی، آپ ﷺ کے چچا ایک تجارتی قافلہ لے کر شام کے لیے روانہ ہونے والے تھے کہ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ جانے کے لیے اصرار کیا۔ بھتیجے کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ کئی دن کی مسافت کے بعد یہ کارواں بصرہ کے نزدیک پہنچ کر ایک جگہ رکا۔ قریب ہی ایک خانقاہ تھی جس میں بحیرا نامی ایک نہایت عالم فاضل عیسائی رہتا تھا جو ہر وقت مصروف عبادت رہتا تھا۔ ایک تحقیق کے مطابق یہ عیسائی نہیں تھا بلکہ "مانوی" تھا لیکن اس کے علم و زہد کو ایک دنیا تسلیم

کرتی تھی۔ اسے اپنے صومعہ سے کبھی کسی نے باہر قدم نکالتے ہوئے یا کسی سے گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ جب حضرت ابو طالب کا یہ کارواں جس میں بارہ سالہ محمد ﷺ بھی شامل تھے وہاں پہنچا تو بحیرا باہر آیا اور اس نے حضرت ابو طالب سے مل کر انہیں بتایا کہ تمہارے کارواں میں یہ جولڑکا شامل ہے، میرے علم اور خواب کے مطابق یہ پیغمبری پر مبعوث ہوگا۔ بحیرا کی یہ بات یاد آتے ہی مجھے آپ ﷺ کی مبارک زندگی کے سبھی ادوار کی روشن تصویریں نظر آنے لگیں۔ عرب کا وہ بے رہرو معاشرہ جہاں تقریباً ہر آدمی دنیا بھر کی برائیوں میں دھنسا ہوا ہے، ایک شخص ان سے بالکل الگ تھلگ اپنی زندگی کو ان سب آلائشوں سے پاک رکھے ہوئے ہے۔ اس معاشرے کے تقریباً سبھی نوجوان جوا، شراب، بدکاری، چوری چکاری اور دنگا فساد کو اپنے لیے نشانِ امتیاز سمجھتے ہیں لیکن ایک نوجوان ان سبھی ہنگاموں سے دور غارِ حرا میں موجود تلاشِ حق میں مصروف ہے۔ سب لوگ جھوٹ بول رہے ہیں، وہ ہر اک جھوٹ کا جواب صرف اور صرف سچ میں دے رہا ہے۔ لوگ خیانت کی راہ پر ہیں، وہ امانت داری کی راہ پر نہایت استقامت سے رواں دواں ہے۔ لوگ کمزوروں پر ظلم کر کے لطف اندوز ہو رہے ہیں، وہ مظلوموں کے ساتھ نہ صرف آنسو بہا رہا ہے بلکہ ان کی حتی الامکان مدد بھی کر رہا ہے۔ لوگ بے انصافی پر فخر کر رہے ہیں، وہ انصاف کو اپنی ذات سے الگ نہیں ہونے دیتا۔ لوگ قتل و غارت کی بات کرتے ہیں، وہ امن و سکون کو رائج کرنا چاہتا ہے۔ لوگ دوری کی بات کرتے ہیں اور وہ قرب کی صورتیں پیدا کر رہا ہے۔ میں ان باتوں پر غور کر رہا تھا کہ میرے سامنے ایک انتہائی باوقار نوجوان کا حسین ترین سراپا آ گیا، جس کا قد درمیانہ اور اندام موزوں ہیں۔ پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ ہیں۔ بینی درازی مائل، چہرہ ہلکا، جس پر زیادہ گوشت نہیں، دہانہ کشادہ، دندان میں قدرے فاصلہ، گردن اونچی، سر بڑا، سینہ کشادہ اور فراخ، سر کے بال نہ پیچیدہ اور نہ ہی بالکل سیدھے، آنکھیں سیاہ سرگیں، پلکیں لمبی، شانوں پر گوشت اور ہڈیاں بڑی بڑی، شانوں اور کلائیوں پر بال، ہتھیلیاں پُر گوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی اور ایڑیاں نازک اور ہلکی، تلوؤں کے بیچ قدرے خالی جگہ اور دونوں شانوں کے بیچ مہرِ نبوت۔۔۔۔

آپ ﷺ کا حلیہ مبارک آنکھوں میں آتے ہی میری توجہ آپ ﷺ کی زندگی کے اس پہلو کی طرف گئی جس میں آپ ﷺ ایک محنت کش کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ آپ ﷺ ابھی صرف آٹھ سال کے تھے کہ آپ ﷺ نے بکریاں چرانا شروع کر دیں جس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو آپ ﷺ نے ہمیشہ اس چچا کے سپرد کیا جس نے آپ ﷺ کو باپ جیسی شفقت دی۔ آپ ﷺ کی ساری جوانی اسی محنت و مشقت میں گزری۔ آپ ﷺ نے جو بھی کام کیا، اس کام کے تقاضوں کو مکمل طور پر پورا فرمایا۔ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کو بھی تو آپ ﷺ کی دیانت داری، ایمانداری، تجارتی شعور اور محنت و مشقت کے عمل نے متاثر کیا۔ یہاں مجھے سیدہ خدیجہؓ کے غلام میسرہ کو آپ ﷺ کی طرف سے دیئے جانے والا وہ جواب یاد آیا جو آپ ﷺ نے میسرہ کی طرف سے سیدہ خدیجہؓ سے شادی کرنے کے سوال پر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں محنت مشقت کر کے روزی کمانے والا شخص ہوں جبکہ تمہاری مالکہ ایک دولت مند خاتون ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ مکہ کے بہت سے مالدار لوگ ان سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے میں میرا ان سے شادی کرنا مناسب نہیں۔ اور پھر نفیسہ کو آپ ﷺ نے اسی سلسلے میں جو جواب دیا تھا وہ بھی آپ ﷺ ہی کے کردار کا کمال تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں شادی کی استطاعت ہی نہیں رکھتا۔ میرے چچا ابو طالب نے مجھے اپنے بیٹوں کی طرح پالا ہے۔ اب وہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ اب میں ان کا سہارا بنوں، اس لیے میں جو کماتا ہوں، انہیں دے دیتا ہوں۔

اس وقت جب آپ ﷺ کی عمر پچیس سال کی تھی، آپ ﷺ کی شادی ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد قرشیہ سے ہوئی۔ شادی کے بعد سیدہ خدیجہؓ کے پاس جو کچھ تھا وہ سب آپ ﷺ ہی کا تھا لیکن میرے آقا ﷺ نے اپنا سارا وقت محنت یا پھر عبادت ہی میں بسر فرمایا حتیٰ کہ چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ نبوت کی ذمہ داری سے سرفراز ہوئے۔

میں نے سر اٹھا کر مولد الرسول ﷺ کو ایک بار پھر دیکھا۔ اہلیہ کچھ پڑھنے میں مصروف تھیں۔ لوگ اس عمارت کے سامنے سے اس طرح گزر رہے تھے جیسے یہ ایک عام سی جگہ ہو۔ بظاہر

کسی کے رویے سے یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اس جگہ کو اس طرح دیکھ رہا ہے کہ یہیں سے روشنی کا وہ چشمہ پھوٹا تھا جس کی روشنی نے آنے والے ابھی زمانوں کی تاریکیوں کو ختم کر کے رکھ دیا۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ، سلام و درود پیش کیا اور تاریخ کے ان صفحات کی ورق گردانی کرنے لگا جو میرے ذہن کے دفتر میں محفوظ ہیں۔

دیکھتا ہوں کہ نبوت ملتے ہی آپ ﷺ پر مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ اپنے بیگانوں میں کچھ فرق نہیں رہا کہ ابھی بیگانے ہو گئے ہیں۔ چند نورانی چہرے ہیں جو آپ ﷺ کے غم پر غمگین اور آپ ﷺ کی خوشی پر بے حد خوش ہیں۔ ہر قدم پر آپ ﷺ کے سامنے ایک دیوار کھڑی کی جا رہی ہے اور آپ ﷺ نبی ہی کی شان سے اس دیوار کو روندتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مشکلات سے بھرے ہوئے اس طویل سفر کو آپ ﷺ صرف اللہ کے بھروسے پر صبر کا دامن تھامے ہوئے طے کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے ام المومنین سیدہ خدیجہؓ آپ ﷺ پر ایمان لائی ہیں۔ ان کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ اس روشنی سے اپنے دلوں کو منور کر چکے ہیں۔ نبوت سے سرفراز ہوئے بہت دن گزر گئے ہیں لیکن کوئی اور شخص مسلمان نہیں ہوا ہے۔ ابوبکرؓ وہ چوتھے شخص ہیں جو آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں۔ خدائے عزوجل نے آپ ﷺ کو اپنے اقرباء کو دعوت اسلام دینے کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک دعوت کا اہتمام کیا ہے جس میں اپنے تمام چچاؤں اور عزیز و اقرباء کو مدعو کیا ہے۔ دعوت کے بعد جب آپ ﷺ نے مدعوین کو اسلام کی دعوت دی ہے تو آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے آپ ﷺ کو بہت برا بھلا کہا ہے۔ ابولہب کی بیوی اروی (ام جمیل) ابوسفیان کی بہن ہے جو ہجو کہنے میں خاص مہارت رکھتی ہے۔ ام جمیل نے اپنے اشعار میں آپ ﷺ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا ہے لیکن آپ ﷺ صبر کا دامن تھامے تبلیغ دین کے راستے پر نہایت اعتماد کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ دعوت اسلام کا دائرہ وسیع کر کے اسے عام لوگوں تک پہنچاؤ۔ آپ ﷺ نے کوہ صفا کی طرف اہل مکہ کو بلایا ہے اور خود کوہ صفا پر چڑھ گئے

ہیں۔ لوگ وہاں جمع ہو چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے "اے اہل مکہ! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے تمہارے دشمنوں کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو تمہارا جواب کیا ہے؟" سب بیک زبان جواب دیتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کہہ رہے ہیں وہ بالکل سچ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے "لوگو! اگر تم مجھے سچا تسلیم کرتے ہو تو میری اس بات کو بھی سچ جانو کہ میں اللہ کا نبی ہوں۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔" یہاں بھی ابولہب سامنے آیا ہے۔ اس نے آپ ﷺ کی شان میں کئی گستاخیاں کی ہیں اور لوگوں کو آپ ﷺ کی بات نہ سننے کا کہہ کر اپنے ساتھ واپس لے گیا ہے۔

کوہ صفا کے واقعہ کے بعد کفار مکہ، خاص طور پر ابولہب اور ابوجہل آپ ﷺ کے جانی دشمن ہو گئے ہیں۔ وہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے لیکن آپ ﷺ بھی کوہ استقامت اور بحر صبر و رضا ثابت ہوئے ہیں۔ ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ آپ ﷺ کے داماد ہیں۔ وہ بدنصیب آپ ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو یہ کہتے ہوئے طلاق دے رہے ہیں کہ اب انہیں محمد ﷺ کے داماد کہلوانا زیب نہیں دیتا۔ آپ ﷺ اور سیدہ خدیجہؓ راہ خدا میں اس شدید دکھ کو ہنس کر سہہ لیتے ہیں۔ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل آپ ﷺ پر پتھر برسانے کے لیے شہر کے بچوں کو ترغیب دے رہے ہیں۔ بچے آپ ﷺ کو پتھر مار رہے ہیں اور آپ ﷺ لہولہان ہو کر بھی انہیں دعائیں دے رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے جا رہے ہیں، آپ ﷺ نہایت صبر سے ان کانٹوں پر سے گزر کر گھر آ رہے ہیں جہاں پاؤں سے کانٹے نکالتے ہیں تو پاؤں لہولہو ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں عبادت میں مصروف ہیں۔ ابوجہل نے عربوں کے رواج کے عین مطابق آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے لیے کثیف خون اور گندگیوں سے بھری ہوئی اونٹ کی اوجڑی آپ ﷺ کے سر پر اس طرح چڑھا دی ہے کہ سانس لینا دشوار ہو گئی ہے۔ بہت سے لوگ وہاں موجود ہیں لیکن ابوجہل کے خوف سے آپ ﷺ کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے کوئی آگے نہیں بڑھتا۔ ابوجہل نے اوجڑی کے دوسرے

سرے کو بھی آپ ﷺ کی مبارک گردن سے باندھ دیا ہے۔ آپ ﷺ خود بھی کوشش فرما رہے ہیں لیکن نجات نہیں مل رہی۔ ایک عورت دوڑتی ہوئی آپ ﷺ کی صاحبزادی کے پاس آئی ہے اور انہیں آپ ﷺ کی مدد کے لیے خانہ کعبہ بھیجا ہے۔ حضرت رقیہؓ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہاں پہنچی ہیں۔ انہوںؓ نے آپ ﷺ کے سر مبارک سے اوجڑی اتار دی ہے لیکن دیر تک دم گھٹنے سے آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے ہیں۔ ہوش میں آنے پر حضرت رقیہؓ آپ ﷺ کو گھر لے آئی ہیں لیکن اگلے ہی روز آپ ﷺ اس شان سے دوبارہ خانہ کعبہ تشریف لے جا رہے ہیں کہ جیسے کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ ہی نہیں ہوا۔ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں مصروف عبادت ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ کو اس طرح مصروف عبادت دیکھ کر مشرکین حیرت زدہ تو ہوئے ہیں لیکن آقائے دو جہاں ﷺ کو تکالیف پہنچانے والے کفار کے منصوبے ختم نہیں ہوئے ہیں۔ اس بار یہ روسیاہی عقبہ کے حصے میں آئی ہے۔ وہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کو قتل کرنے ہی کے ارادے سے ننگے پاؤں خانہ کعبہ میں داخل ہوا ہے تاکہ اس کی آمد کا آپ ﷺ کو پتا نہ چل سکے۔ اس کے ہاتھ میں ایک چادر ہے۔ اس بدبخت نے یہ چادر اس وقت آپ ﷺ پر ڈال دی ہے جب آپ ﷺ سجدے میں گئے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اسی حالت میں آپ ﷺ پر پے در پے وار کر کے نعوذ باللہ آپ ﷺ کو ختم کر دے۔ اس نے وار کیا ہے۔ آپ ﷺ کے دہن مبارک اور بینی مبارک سے خون جاری ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ ﷺ کو اس سے چھڑا لیا ہے۔ عقبہ کی اس حرکت پر آپ ﷺ حرف شکایت تک لب پر نہیں لائے ہیں کیونکہ آپ ﷺ ہی کے فرمان کے مطابق جب انسان یہ جان لے کہ وہ کس مقصد کے لیے اور کس کی خاطر رنج اٹھا رہا ہے تو اسے دکھ اور درد کا احساس نہیں رہتا۔

حرم پاک مجھ سے صرف چند گز کے فاصلے پر ہے۔ ہر زمانے میں حرم کے لیے یہ بات طے کی جاتی رہی ہے کہ یہاں کسی کا خون نہیں بہایا جائے گا۔ عرب مذہبی رواداری کی ایک روایت رکھتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ انہیں مذہبی حوالے سے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ کوئی کیا کر رہا ہے، وہ تو اپنے راستے پر مضبوطی سے چل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکے کے اس

معاشرے میں ''حنیفون'' کی ایک خاطر خواہ تعداد موجود ہے جن میں سیدہ خدیجہؓ کا خاندان بھی شامل ہے لیکن مذہبی طور پر کبھی کوئی تنازعہ کھڑا نہیں ہوا۔ مشرکین مکہ بتوں کو خانہ کعبہ میں رکھ کر ان کی پوجا کر رہے ہیں جبکہ ''حنیف'' بتوں کی پوجا نہیں کرتے۔ وہ طریقہ عبادت کے اس اختلاف کے باوجود آپس میں میل ملاپ بھی رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان کی آپس میں رشتہ داریاں تک موجود ہیں۔ میرے آقا ﷺ کیونکہ صرف خانہ کعبہ ہی کیا، بتوں کی موجودگی کو کہیں بھی گوارہ نہیں فرماتے اس لیے کفار مکہ جن میں آپ ﷺ کے انتہائی قریبی عزیز بھی شامل ہیں، آپ ﷺ کے جانی دشمن ہو گئے ہیں۔ وہ ہر اس شخص کی جان لینے کے بھی درپے ہیں جو آپ ﷺ پر ایمان لے آیا ہے اور اس سلسلے میں حرم میں خون نہ بہانے کی روایت کو بھی ترک کرنے سے گریز نہیں کر رہے۔ حضرت سمیہؓ جو ابوجہل کی لونڈی ہیں، عربوں کی اسی مذہبی منافرت کا پہلا نشانہ بنی ہیں۔ آپ ﷺ غریبوں، بے بسوں اور غلاموں کی مدد کرنے والے ہیں۔ غریب آپ ﷺ کی تعلیمات کو دل و جان سے قبول کر رہے ہیں۔ کفار کی وہ کنیزیں اور غلام جو آپ ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں، کفار کے انتہائی ظلم کا شکار ہیں۔ سیدنا ابوبکرؓ کچھ غلاموں کو خرید کر آزاد کروا چکے ہیں۔ اب ابولہب، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل سہمی، ابوسفیان اور کفار کے دیگر سرکردہ لوگوں نے اپنے ہم خیالوں کو اس بات کا پابند کر دیا ہے کہ اب کسی غلام یا کنیز کو ابوبکرؓ وغیرہ کے ہاتھ فروخت نہیں کیا جائے گا۔

ابوجہل کو معلوم ہوا ہے کہ اس کی لونڈی سمیہؓ مسلمان ہو گئی ہیں۔ اس نے انؓ پر کوڑے برسائے ہیں، بھوکا اور پیاسا رکھا ہے لیکن استقامت کا یہ پہاڑ سرنگوں نہیں ہوا۔ ابوبکرؓ منہ مانگی قیمت دے کر سمیہؓ کو خریدنا چاہتے ہیں حتیٰ کہ وہ ''اہل قاضیہ'' یعنی سو اونٹ دینے کے لیے بخوشی تیار ہیں لیکن ابوجہل نے صاف انکار کر دیا ہے۔ ابوجہل سمیہؓ کو خانہ کعبہ کے سامنے لے آیا ہے۔ اہل مکہ جمع ہو چکے ہیں۔ ابوجہل نے انؓ سے آخری بار جان بخشی کی قیمت پر محمد ﷺ کا دین چھوڑ دینے کے لیے کہا ہے لیکن انؓ کی زبان پر حسب سابق انکار ہی ہے۔ انکار سنتے ہی ابوجہل

نے اپنا نیزہ پوری قوت کے ساتھ حضرت سمیہؓ کے سینے میں گھونپ دیا ہے۔ اسلام کی اس عظیم بیٹی نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں جان دے کر اسلام کی پہلی شہید خاتون کے طور پر تاریخ میں اپنا نام انمٹ حروف میں لکھوالیا ہے۔ یہ خبر میرے آقا ﷺ تک پہنچی ہے۔ آپ ﷺ بے حد رنجیدہ ہیں۔ آپ ﷺ کو سیدنا صدیقؓ کی کوششوں کا بھی علم ہے۔اس لیے آپ ﷺ نے سمیہؓ کے لیے خصوصی دعا کے بعد سیدنا صدیقؓ کے وقار و عظمت میں اضافے کے لیے دعا فرمائی ہے۔

دیکھتا ہوں کہ ایک طرف کفار کے ظلم بڑھتے جا رہے ہیں اور دوسری طرف آقائے دوجہاں ﷺ اور آپ ﷺ کے مٹھی بھر جانثاروں کے استقلال میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک دن آپ ﷺ خانہ کعبہ سے واپس گھر جا رہے ہیں کہ آپ ﷺ پر شدید پتھراؤ کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ لہولہان ہو گئے ہیں اور بمشکل گھر پہنچ سکے ہیں۔ کفار مکہ نے میرے آقا ﷺ کی زندگی اجیرن کر دی ہے لیکن کفار کی طرف سے پہنچائی جانے والی تکالیف کے یہ سلسلے بے حد بڑھ جانے کے باوجود شمع رسالت کے پروانوں میں قدرے اضافہ ہی ہوا ہے اور جاں نثاران رسول ﷺ کسی جبر و تشدد کی پروا کیے بغیر قرب خداوندی کی دولت سے روز و شب مالا مال ہو رہے ہیں۔ کعبہ میں ایسے ہی نورانی چہروں والوں کی ایک مختصر سی جماعت اپنے رب حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہے کہ کفار نے ان پر اچانک حملہ کر دیا ہے۔ کئی مسلمان شدید زخمی ہو گئے ہیں اور ان میں سے ایک نے اسلام کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا ہے۔ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والے یہ پہلے مرد ہیں جن کا نام نامی حضرت حارثؓ ہے جو ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کے بیٹے اور آقائے نامدار ﷺ کے سوتیلے بیٹے ہیں۔

میں نے ایک بار پھر خانہ کعبہ کی جانب دیکھا جس کی طرف جانے والی سڑک پر ان گنت حجاج اور دوسرے لوگ انتہائی بے فکری اور بے خوفی سے خانہ کعبہ ہی میں جانے کی سعادت سے سرفراز ہونے کے لیے جا رہے تھے۔ میں نے دل ہی دل میں انہیں مبارک باد دی کہ آج کوئی اخنس بن شریف، کوئی ابولہب، کوئی ابوجہل اور کوئی ابوسفیان انہیں خانہ کعبہ میں داخل ہو کر عبادت

کرنے کی سعادت سے محروم نہیں کر سکتا۔ یہ میرے آقا ﷺ کی اٹھائی ہوئی تکلیفوں اور حضرت حارثؓ جیسی شخصیات کی دی ہوئی قربانیوں کا وہ ثمر ہے جو ہمارے حصے میں آیا ہے۔ میں نے اپنے آقا ﷺ کے حضور ایک بار پھر ہدیہ درود پیش کیا، اسلام کے اولین شہداء کے لیے دعا کی اور ان عزم و ہمت کے کوہساروں کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کیا جنہوں نے معصیت کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے ان دنوں میں اسلام کی روشنی کو اپنے سینوں میں بسائے رکھا جب زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کے لیے کوہ گراں سے بھی بڑھ کر بھاری ہو گیا تھا۔ مجھے اس موڑ پر ان گنت واقعات اس قدر تیزی کے ساتھ یاد آئے ہیں جیسے یہ سب واقعات میری آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔

دیکھتا ہوں کہ صرف نو افراد ایک ایک کر کے مکہ معظمہ سے کچھ فاصلے پر ایک بیابان میں پہنچے ہیں۔ سیدنا بلالؓ نے اذان دی ہے۔ آقائے دو جہاں ﷺ کی امامت میں نماز ادا کی گئی ہے اور آپ ﷺ نے انہیں قرآنی آیات کا درس دیا ہے۔

دیکھتا ہوں کہ ابو دوب نامی گھاٹی میں مسلمان نماز ادا کر رہے ہیں۔ ابھی آدھی نماز ہوئی ہے کہ ابوسفیان اور اخنس بن شریف کی قیادت میں کفار نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ہاتھ میں اونٹ کی ہڈی آ گئی ہے جو انہوں نے ایک حملہ آور شخص کے سر پر دے ماری ہے اور اس کا سر پھٹ گیا ہے۔ اپنے ساتھی کو خون میں ڈوبا ہوا دیکھ کر حملہ آور بھاگ رہے ہیں۔

دیکھتا ہوں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ، سیدنا حمزہؓ اور سیدنا عمرؓ جیسے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ سیدنا حمزہؓ نے نبی اکرم ﷺ کو برا بھلا کہنے پر ابوجہل کو اپنی کمان سے زخمی کر دیا ہے اور مسلمان ہوتے ہی اعلان فرمایا ہے ''میں دیکھوں گا کہ کون میرے بھتیجے کو برا بھلا کہتا ہے'' جبکہ سیدنا عمرؓ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ خانہ کعبہ میں آ کر کھلے بندوں نماز ادا کی ہے۔ ان کا پورے معاشرے پر اس قدر رعب ہے کہ کسی کی یہ جراءت نہیں کہ آگے بڑھ کر مسلمانوں کو

خانہ کعبہ میں عبادت کرنے سے روک سکے۔ اب کفار مکہ نے حضرت ابو طالب کی خدمت میں عتبہ بن ربیعہ کو بھیج کر ان کے ذریعے آپ ﷺ کو اپنے دین سے باز رکھنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ انہوں نے طے کیا ہے کہ وہ ان سے یہ منوائیں گے کہ یا تو محمد ﷺ اس نئے دین کی تبلیغ نہ کریں یا پھر ان ﷺ کو قبیلہ بدر کر دیا جائے۔ عتبہ حضرت ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہے، میرے آقا ﷺ وہاں موجود نہیں۔ حضرت ابو طالب نے عتبہ کی تمام باتیں سن لی ہیں اور اسے اگلے روز آنے کا کہہ کر رخصت کر دیا ہے۔ اب انہوں نے میرے آقا ﷺ کو اپنے گھر بلوا کر بات کی ہے۔ آپ ﷺ نے ایک لمحہ تاخیر کیے بغیر فرمایا ہے کہ چچا جان! میں جو کچھ کہتا اور کرتا ہوں، وہ میرے خدا کا حکم ہے۔ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیا جائے، تب بھی میں وہی کروں گا جو اب کر رہا ہوں کیونکہ اہل مکہ غلط اور میں درست راستے پر ہوں۔ جب عتبہ کو یہ جواب ملا ہے تو اس نے آقائے دو جہاں ﷺ سے براہ راست گفتگو کا فیصلہ کیا ہے۔ اس نے آپ ﷺ کو دولت، حسین ترین عورتوں اور تاج و تخت کا لالچ دے کر اپنے آباؤ اجداد کے دین کو اختیار کرنے کی بات کی ہے جسے آپ ﷺ نے رد کرتے ہوئے اسے اپنے پیغام اور عمل کی حقیقت سے نرمی اور متاثر کر دینے والے انداز میں آگاہ کیا ہے۔ وہ ناکام لوٹ آیا ہے اور محمد ﷺ کے فیصلے کے منتظر لوگوں کو بتا رہا ہے "تم لوگ محمد ﷺ سے جو بھی چاہو سلوک کرو لیکن میں یہ بات ضرور کہوں گا کہ اس ﷺ نے مجھے جو کلام سنایا ہے، ایسا کلام میں نے آج تک کسی سے نہیں سنا۔"

دیکھتا ہوں کہ اب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا ہے۔ مشرکین مکہ بھی پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کا معاشی بائیکاٹ کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی معاشی حالت بدتر ہونے لگی ہے۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں آپ ﷺ نے وہ فیصلہ فرمایا ہے جو اس سے پہلے کسی نبی نے نہیں کیا تھا یعنی آپ ﷺ نے خود تو مکہ میں رہ کر ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے جبکہ دوسرے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی ہے۔ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف دو بار اس طرح ہجرت کی ہے کہ

مشرکین مکہ کو ان کی روانگی کا علم نہیں ہو سکا ہے۔ وہ مسلمان جو مکہ میں رہ گئے ہیں، مشرکین نے ابوجہل کی سرکردگی میں ان پر مظالم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیے ہیں۔ ابوجہل نے معمول بنالیا ہے کہ وہ ہر مسلمان سے انفرادی سطح پر ملتا ہے اور اسے اس کے حال کے مطابق دھمکیاں دے کر اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا یہ اثر ہوا ہے کہ کچھ کمزور مسلمان گومگو کی صورت میں ہیں جبکہ وہ لوگ جو مسلمان ہونا چاہتے ہیں، ان میں سے زیادہ تر حالات کا رخ دیکھ کر خاموش ہو گئے ہیں۔ حالات اس قدر سنگین ہو گئے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ان جانثار کو بھی مکہ سے چلے جانے کا حکم دے دیا ہے جو مسلمان ہونے کے بعد ایک پل کے لیے آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوئے، جن کی دولت سے مسلمانوں کو سب سے زیادہ فائدہ ہوا ہے اور جنہوں نے ہجرت حبشہ کے لیے مسلمانوں کے اخراجات کی کفالت کی ہے۔ وہ ہیں سیدنا ابوبکر صدیق اکبرؓ۔

صدیق اکبرؓ اپنے آقا ﷺ کو کسی بھی حالت میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتے لیکن آقائے دو جہاں ﷺ کو یقین ہے کہ اگر ابوبکرؓ شہر نہیں چھوڑتے تو مشرکین کے ہاتھوں قتل ہو جائیں گے۔ تعمیل حکم کرتے ہوئے سیدنا صدیقؓ یمن جانے کے لیے مکہ سے روانہ ہوتے ہیں کہ رفاعی سے ملاقات ہو جاتی ہے جو اپنے قبیلے کا سردار ہے۔ وہ انہیں مکہ واپس لے آتا ہے اور قریش سے کہتا ہے کہ ابوبکرؓ میری پناہ میں ہے اور میرے حق جوار سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

اب سیدنا ابوبکرؓ کو مکہ میں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں۔ وہ اپنے گھر میں بلند آواز میں تلاوت فرما رہے ہیں۔ فطرت نے بادیہ نشینوں کو چار چیزوں اونٹ، خیمہ، تلوار اور شعر کے اعلیٰ ذوق سے نوازا ہے۔ جب یہ بادیہ نشین سیدنا ابوبکرؓ کی تلاوت سنتے ہیں تو وہاں روزانہ ایک مجمع لگ جاتا ہے۔ قریش رفاعی کو تحائف بھیج کر اس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ یا تو ابوبکرؓ کو قرآن پڑھنے سے روکے یا پھر ان سے حق جوار کی رعایت واپس لے لے۔ رفاعی ابوبکرؓ کے پاس قرآن نہ پڑھنے کا پیغام بھجواتا ہے تو یہ اسے جواب بھجواتے ہیں کہ قرآن کا اس انداز میں پڑھنا میری

زندگی ہے جسے میں ترک نہیں کرسکتا۔ اگر وہ اپنا حق جوار واپس لینا چاہتا ہے تو لے لے، ایسی صورت میں میں اپنے آپ کو اپنے آقا ﷺ کی طرح خدا کی پناہ میں دے دوں گا۔

دیکھتا ہوں کہ مشرکین مکہ مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے میں تمام اعلیٰ انسانی قدروں کو بھلا بیٹھے ہیں۔ ان کا وفد حبشہ سے ذلت آمیز ناکامی کا سامنا کرکے واپس آ گیا ہے۔ انہوں نے چھ پابندیوں پر مشتمل ایک حکم نامہ خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیا ہے۔ حکم نامے میں لکھا ہے کہ مکہ کا کوئی شہری مسلمانوں سے بات نہیں کرے گا، ان کے بدن کو نہیں چھوئے گا، ان سے کوئی چیز خریدے گا اور نہ ہی فروخت کرے گا، کوئی رشتہ داری نہیں کرے گا اور مقروض ہے تو قرض ادا نہیں کرے گا۔ یہ حکم محمد ﷺ کے اپنے دین سے تائب ہونے یا بنو ہاشم کی ان ﷺ کی حمایت سے دستبرداری تک نافذ رہے گا۔

دیکھتا ہوں کہ آقائے دو جہاں ﷺ مسلمانوں کو ساتھ لے کر شہر بدر ہو رہے ہیں۔ ابولہب کے سوا بنو ہاشم عربوں کے رواج عصبیہ کے مطابق آنحضرت ﷺ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ یہ سب لوگ شعب ابی طالب میں آ گئے ہیں۔ یہاں یہ تین سال تک مقیم رہے ہیں۔ اس عرصے کے دوران میں انہوں نے بھوک اور پیاس کی ناقابل بیان تکلیفیں اٹھائی ہیں حتیٰ کہ موت سے بچنے کے لیے سوکھا چمڑا ابال ابال کر کھایا گیا ہے۔ تکالیف کے اس دہکتے ہوئے صحرا میں ام المومنین سیدہ خدیجہ قرشیہؓ اور ان کی موت کے صرف تین دن بعد حضرت ابی طالب کی موت نے میرے آقا ﷺ کو غم کی تصویر بنا دیا ہے۔ ام المومنینؓ کو کفن نہ ہونے کے باعث صرف صوقعہ یعنی سر ڈھانپنے والی چادر ہی میں لپیٹ کر جنت المعلیٰ میں دفن کر دیا گیا ہے۔ میرے آقا ﷺ نے اس سال کو عام الحزن قرار دیا ہے۔ حضرت ابی طالب کے بعد بنو ہاشم کی سرداری ان کے بھائی ابولہب کے پاس آ گئی ہے۔ خانہ کعبہ میں لٹکے ہوئے فرمان کو دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ صرف خدا کا نام باقی ہے۔ اس بات نے مشرکین کو بہت خوف زدہ کیا ہوا ہے۔ ابولہب ہی قریش کے سامنے اہل شعب ابی طالب کی شہر میں واپسی کی تجویز پیش کرتا ہے جسے منظور کر لیا جاتا ہے۔ اس

تجویز کے پس منظر میں بھی اس کا اپنا مفاد اور میرے آقا ﷺ کو نقصان پہنچانے کا جذبہ کارفرما ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر وہ اپنے قبیلے کو شعب ابی طالب سے باہر نہ لائے تو اس کی سرداری ادھوری رہ جاتی ہے بلکہ سرداری کا عمل ہی شروع نہیں ہوتا اور جب تک یہ لوگ شہر سے الگ تھلگ ایک ویرانے میں مقیم ہیں، میرے آقا ﷺ کو نقصان پہنچانے کا وہ کوئی اور بہانہ تلاش نہیں کر سکتا جبکہ آپ ﷺ کو نقصان پہنچانا ہی اب اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد رہ گیا ہے۔ مسلمان شہر میں واپس آ گئے ہیں۔ ان کی حالت نہایت قابل رحم ہے۔ ان کے کاروبار برباد اور صحت تباہ ہو چکی ہے۔ وہ ابوبکرؓ جن کے بارے میں مشہور ہے کہ قارون کے برابر خزانہ رکھتے ہیں، ان کے پاس صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے ہیں اور تمام لوگوں کے بدن ڈھانچوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

دیکھتا ہوں کہ ابولہب میرے آقا ﷺ کو تنہا کرنے کے بہانے تلاش کر رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میرے آقا ﷺ کو نہ صرف قبیلہ بدر کر دے بلکہ آپ ﷺ کو پورے معاشرے میں تنہا کر دے۔ اس نے بنوہاشم کی ضیافت کی ہے جس میں میرے آقا ﷺ کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔ ضیافت کے بعد ایک محفل منعقد ہے۔ ابولہب نبی اکرم ﷺ سے حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابوطالب سمیت اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں سوال کرتا ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے یا پھر دوزخ میں۔ نبی اکرم ﷺ اس پیچیدہ سوال کے جواب میں بلاخوف وہ آیت تلاوت فرماتے ہیں جواب سورۂ توبہ کی ۱۱۴ویں آیت ہے اور جس کے معنی ہیں کہ پیغمبر اور وہ لوگ جو ایمان لائے (یعنی مسلمان ہوئے) خدا سے مشرکوں کے لیے مغفرت طلب نہ کریں چاہے وہ لوگ ان کے اقرباء میں سے ہوں۔ قریش یہ جواب سن کر سناٹے میں آ گئے ہیں کیونکہ اپنے بزرگوں کے بارے میں اس طرح کے خیالات ان کے نزدیک ناقابل معافی ہیں۔ ابولہب نے میرے آقا ﷺ کے بارے میں تجویز پیش کی ہے کہ آپ ﷺ کو قبیلہ بدر کر دیا جائے۔ بنوہاشم نے یہ تجویز مکمل اتفاق سے منظور کر لی ہے اور اب عرب رسم و رواج کے مطابق میرے آقا ﷺ کو

نعوذ باللہ اس قدر بے وقعت و کمتر کر دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کو قتل کر دے یا آگ لگا دے تو اس کے لیے کوئی سزا نہیں ہے۔ ابولہب اپنی سازش کے کامیاب ہوئے پر مسرور ہے لیکن میرے آقا ﷺ اپنی مبارک زندگی کے اس موڑ پر قطعی پریشان نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے اللہ سے مدد چاہی ہے۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معراج کی شکل میں اپنے یہاں طلب فرمایا ہے۔

دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ آرام فرما ہیں کہ اچانک چھت میں ایک شگاف پڑ گیا ہے۔ حضرت جبرائیل کچھ دوسرے فرشتوں کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کو اٹھا کر چاہِ زم زم کے نزدیک لے گئے ہیں جہاں آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے آپ ﷺ کا قلب مبارک نکالا گیا ہے اور اسے زم زم سے دھو کر ابریق سے بھر دیا گیا ہے۔ دراصل اس عمل سے آپ ﷺ کو درپیش سفرِ عظیم کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں براق پیش کیا گیا ہے۔ جس کی رفتار عددی اندازوں سے زیادہ ہے۔ آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لا چکے ہیں۔ بھی انبیاء و ملائکہ وہاں موجود ہیں۔ انبیاؑ و ملائکہ نے آپ ﷺ کی امامت میں دو رکعت نماز ادا کی ہے۔ جبرائیل نے آسمان کی طرف سفر سے پہلے آپ ﷺ کی خدمت میں دو پیالے پیش کیے ہیں جن میں سے ایک میں شراب اور دوسرے میں دودھ ہے۔ آپ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کے اس انتخاب کو جبرائیل نے فطرت کے عین مطابق طرزِ عمل قرار دیا ہے۔ جبرائیل آپ ﷺ کو آسمان پر لے گئے ہیں۔ پہلے آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی ہے جن کے دونوں طرف انسانوں کے گروہ موجود ہیں۔ بزرگ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ بزرگ آپ کا مرحبا! اے فرزندِ صالح کہہ کر استقبال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کو بتایا جاتا ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ان کی دائیں جانب اہلِ جنت اور بائیں جانب اہلِ دوزخ ہیں۔ آپ ﷺ آگے کے لیے سفر جاری فرماتے

ہیں۔ دوسرے آسمان پر آپ ﷺ کی حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ، تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ، چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ، پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان آسمانوں کے بعد آپ ﷺ کو جنت کی سیر کرائی جاتی ہے اور یہاں سے آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ لے جایا جاتا ہے جہاں جبرئیلؑ اپنی اصلی شکل میں آپ ﷺ کے سامنے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مقام سے آپ ﷺ کو تنہا آگے جانا ہوگا کیونکہ اس سے آگے جانا اور کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ آپ ﷺ آگے بڑھتے ہیں جہاں سے آپ ﷺ تجابات وکیفیات کی منزلوں سے گزر کر اپنے خالق حقیقی سے ہم کلام ہونے کا اعزاز حاصل فرماتے ہیں۔ یہی وہ منزل ہے جہاں آپ ﷺ کو مشکلات کے جلدی خاتمے، امت کی بخشش اور پچاس کی بجائے نماز پنجگانہ کے فرض ہونے کی خوشخبریاں سنائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو وہ فرمان عطا کیا گیا ہے جس میں شامل بارہ احکام کی تعمیل کے لیے ہر مسلمان کو کہا گیا ہے یعنی خدائے واحد کی عبادت کرنا، ماں باپ کا احترام کرنا، صلہ رحمی سے کام لینا، غریبوں، مسکینوں اور پناہ گزینوں کی مدد کرنا، اسراف اور فضول خرچی سے بچنا، کنجوسی نہ کرنا، زنا سے پرہیز کرنا، قتل نہ کرنا، دوسروں، خاص طور پر یتیموں کا مال غصب نہ کرنا، قول میں بے ایمانی نہ کرنا، خلاف عقل کاموں سے اجتناب کرنا اور غرور سے بچنا۔

دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ معراج سے واپس تشریف لے آئے ہیں جس کا تذکرہ آپ ﷺ نے ام ہانیؓ سے کیا ہے۔ وہ آپ ﷺ کو اس واقعہ کا کسی سے تذکرہ کرنے سے یہ کہہ کر منع فرماتی ہیں کہ لوگ آپ ﷺ کا مذاق اڑائیں گے لیکن آپ ﷺ انہیں فرماتے ہیں "جب میں اور میرا رب سچا ہے تو میں اس سچے واقعے کا لوگوں سے تذکرہ کیوں نہ کروں؟" آپ ﷺ نے لوگوں سے رات ہی رات میں بیت المقدس جانے اور وہاں سے آسمانوں اور جنت کی سیر کے لیے تشریف لے جانے اور رب قدیر سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ لوگ آپ ﷺ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ قریش کے کچھ لوگ واقعہ معراج کا تمسخرانہ انداز میں سیدنا ابوبکرؓ سے تذکرہ کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ فرما رہے ہیں" اگر محمد ﷺ یہ بات فرما رہے ہیں تو بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں بلکہ میں تو اس سے بھی زیادہ ان پر ایمان رکھتا ہوں کیونکہ محمد ﷺ کے پاس فرشتے آتے رہتے ہیں۔"
قریش کے کئی افراد جو بیت المقدس جا چکے ہیں آپ ﷺ کی آزمائش کے لیے آپ ﷺ کے پاس آئے ہیں اور آپ ﷺ سے مسجد اقصیٰ کے بارے میں ایسے ایسے سوالات کر رہے ہیں جن کا جواب کسی بھی عمارت کو ایک بار دیکھ کر نہیں دیا جا سکتا ہے۔ ان کے سوالات سن کر آپ ﷺ قدرے مضطرب ہیں لیکن جب آپ ﷺ اسی اضطراب میں نظر اٹھاتے ہیں تو بیت المقدس کی عمارت اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ آپ ﷺ کے سامنے ہے۔ آپ ﷺ مشرکین کے ہر سوال کا اس تفصیل سے جواب دیتے ہیں کہ سوال کرنے والے شرمندہ ہو کر اٹھ جاتے ہیں۔ اب قریش کسی نہ کسی طرح آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) جھوٹا قرار دینا چاہتے ہیں اس لیے اب انہوں نے شام کو جانے اور وہاں سے آنے والے قافلوں کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا ہے۔ آپ ﷺ انہیں بتا رہے ہیں کہ وہ قافلہ جو شام کے لیے روانہ ہوا تھا آپ ﷺ کو فلاں مقام پر ملا تھا۔ قافلے والوں کا اونٹ گم ہو چکا تھا جسے وہ تلاش کرنے کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ وہاں ایک کوزے میں پانی رکھا تھا جسے آپ ﷺ نے پیا تھا اور شام کی طرف سے واپس آنے والا قافلہ بدھ کے روز یہاں پہنچے گا جس کی آپ ﷺ انہیں نشانیاں بھی بتا رہے ہیں۔ شام سے آنے والا قافلہ واقعی بدھ کو مکہ معظمہ میں پہنچا ہے اور وہ قافلہ جو شام کو جا رہا تھا جب مکہ معظمہ واپس آیا ہے تو اس کے لوگ بھی اس بات کی تصدیق کر رہے ہیں کہ فلاں رات ان کا فلاں مقام پر اونٹ گم ہو گیا تھا۔ یہ مقام اور وقت وہی ہے جو میرے آقا ﷺ نے انہیں بتایا ہے۔ مکہ والوں کے پاس اب میرے آقا ﷺ کو جھٹلانے کا کوئی جواز باقی نہیں بچا ہے تو انہوں نے آپ ﷺ کو جادوگر کہنا شروع کر دیا ہے۔

دیکھتا ہوں کہ میرے آقا ﷺ اس امید پر طائف تشریف لیے جا رہے ہیں کہ شاید اہل مکہ کے برعکس اہل طائف دین حق کو قبول کر کے اس کی مالی و عددی لحاظ سے قوت میں

اضافے کا سبب بن جائیں۔ اہل طائف کی اکثریت خوشحال ہے۔ آپ ﷺ اپنے رشتے کے ایک دادا عبد یالیل جو حضرت عبدالمطلب کا چچازاد بھائی ہے کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ عبد یالیل کو معلوم ہو چکا ہے کہ محمد ﷺ اپنے باپ دادا کے مذہب سے منہ موڑ چکے ہیں اور ان ﷺ کے قبیلے نے انہیں قبیلہ بدر بھی کر دیا ہے، اس لیے اس نے آپ ﷺ سے نہ صرف ملنے سے انکار کر دیا ہے بلکہ اپنے ملازموں کو حکم دے دیا ہے کہ محمد ﷺ کو سخت اذیت پہنچائیں۔ عبد یالیل کے علاوہ آپ ﷺ نے طائف میں دس روزہ قیام کے دوران میں یہاں کے تقریباً سبھی سرداروں سے ملاقات کر کے انہیں دعوتِ اسلام دی ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت نہ صرف قبول نہیں کی بلکہ آپ ﷺ کی پوری شدت کے ساتھ مخالفت بھی کی ہے جن میں مسعود اور حبیب ثقفی خاص طور قابل ذکر ہیں۔ ملازموں نے آپ ﷺ پر پتھر برسانا شروع کر دیئے ہیں اور آپ ﷺ کا جسم اطہر زخم زخم ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں جو مکہ ہی کے مشہور قریشی تاجروں عتبہ اور شیبہ ابنائے ربیعہ کی ملکیت ہے۔ عتبہ کے غلام عدس نے اپنے آقا عتبہ کے کہنے پر انگور کا ایک گچھا لا کر دیا ہے جسے آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا ہے۔ عدس ان الفاظ پر حیرت زدہ ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ یہاں کے لوگ تو یہ الفاظ منہ سے نہیں نکالتے، آپ ﷺ نے کیسے ادا کیے ہیں؟ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا ہے کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ وہ نینویٰ کا رہنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے اسے بتایا ہے کہ یہ تو میرے بھائی ادریس بن متیٰ کا شہر ہے۔ وہ حیرت زدہ ہے اور پوچھتا ہے کہ آپ ﷺ کو ادریس کے بارے میں کیسے معلوم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ بھی میری ہی طرح نبی تھے۔ عدس آپ ﷺ کے ہاتھ پر بوسہ دیتا اور بے حد عقیدت کا اظہار کرتا ہے۔ اسی عقیدت کے زیر اثر اس نے آپ ﷺ کو رات کے وقت طائف سے نکل جانے میں مدد دی ہے۔ آپ ﷺ اہل طائف کے ستم کا نشانہ بن کر انتہائی صبر کے ساتھ واپس مکہ تشریف لا رہے ہیں۔ بطن نخلہ کے مقام پر جن آپ ﷺ کی تلاوت کلام پاک سن کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور آپ ﷺ پر ایمان لے

آ ئے ہیں۔ اب آپ ﷺ مکہ واپس تشریف لے آئے ہیں اور مکہ سے کچھ فاصلے پر ایک بیابان میں مقیم ہیں۔ قبیلہ بدر ہونے کی وجہ سے ضروری ہے کہ قبائلی قوانین کے مطابق آپ ﷺ کو کوئی قبیلہ اپنی پناہ میں لے لے۔ مختلف قبائل کے سربراہوں میں سے اخنس بن شریف اور سہیل بن عمرو سمیت پندرہ قبیلوں کے سربراہوں نے انکار کر دیا ہے۔ رجب کا مہینہ ہے۔ جزیرۃ العرب کے مختلف قبائل خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے آ چکے ہیں۔ کسی قبیلے کی طرف سے پناہ نہ ملنے کے باوجود آپ ﷺ مایوس نہیں ہیں۔ یثرب سے آئے ہوئے ایک قبیلے کے چھ افراد سے آپ ﷺ نے ملاقات فرما کر انہیں دعوت اسلام دی ہے۔ دوسروں کے برعکس ان لوگوں نے آپ ﷺ کی باتوں اور آیات قرآنی کو پوری توجہ اور سنجیدگی سے سنا ہے اور نہ صرف اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے ہیں بلکہ انہوں نے اسلام کی تبلیغ واشاعت کا بھی وعدہ کیا ہے۔ کچھ دن بعد قبیلہ نوفل نے آپ ﷺ کو اپنی پناہ میں لینے کا اعلان کر دیا ہے جس سے آپ ﷺ مکہ میں داخل ہو کر رہنے اور اپنے امور انجام دینے کے قابل ہو گئے ہیں۔ اگلے سال یثرب سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد بارہ ہے اور یہ عقبہ نامی گھاٹی میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دلوں کو منور کر رہے ہیں۔ یثرب جاتے ہوئے آپ ﷺ نے ابن عمیرؓ کو ان کے ساتھ بھیج دیا ہے تا کہ یہ وہاں کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرا سکیں۔

دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ اور مکہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو مختلف حیلے بہانوں سے پریشان کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ رب قدیر نے آقائے دو جہاں ﷺ کو ہجرت کی اجازت عطا کر دی ہے۔ آپ ﷺ اپنے معتمد خاص سیدنا ابوبکرؓ کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے ہیں۔ قریش کو جونہی آپ ﷺ کی روانگی کا علم ہوا ہے، انہوں نے آپ ﷺ کے سر کی قیمت ایک سو اونٹ مقرر کر دی ہے۔ آپ ﷺ کا تعاقب شروع کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے مکہ سے کچھ ہی فاصلے پر غار ثور میں اپنے یار غار سیدنا صدیق اکبرؓ کے ساتھ پناہ لے رکھی ہے۔ آپ ﷺ کے جانی دشمن غار کے دہانے تک پہنچ گئے ہیں۔ آپ ﷺ بلاشبہ اللہ کی پناہ میں ہیں۔

کچھ لوگ غار میں جھانکنا چاہتے ہیں لیکن آپ ﷺ کا سب سے چالاک دشمن امیہ بن خلف ہی اس غار میں آپ ﷺ کی موجودگی کے امکان کو رد کرتے ہوئے انہیں آگے بڑھنے کا مشورہ دیتا ہے کیونکہ اس نے غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا اور اس میں جنگلی کبوتروں کے انڈے دیکھ لیے ہیں۔ آپ ﷺ وہاں تین روز تک مقیم رہے ہیں۔ عبداللہ بن ابوبکرؓ اور اسمائے بنت ابوبکرؓ آپ ﷺ کو تازہ خبریں پہنچاتے رہے ہیں اور سامان خورد و نوش سے آپ ﷺ کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ تین روز کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں سیدنا ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیر دو دو اونٹنیوں کے ساتھ حاضر ہو گئے ہیں اور آپ ﷺ یثرب کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔ کچھ ہی فاصلے پر سراقہ بن مالک اپنے تیز رفتار گھوڑے پر سوار آن پہنچا ہے۔ ابھی وہ کچھ فاصلے پر ہی ہے کہ گھوڑے سے گر پڑا ہے۔ وہ تیزی سے زمین پر سے اٹھا ہے اور دوبارہ سوار ہو گیا ہے۔ اس نے اپنا گھوڑا آپ ﷺ کی طرف دوڑایا ہے۔ جب قریب آیا ہے تو خشک زمین ہونے کے باوجود اس کا گھوڑا گھٹنوں تک اس میں دھنس گیا ہے اور وہ خود ایک بار پھر زمین پر آ گرا ہے۔ گھوڑے کو زمین سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ناکام رہتا ہے۔ وہ اس واقعہ سے دہشت زدہ بھی ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے آنے والے وقت کے لیے پناہ طلب کرنے مدد کی درخواست کرتا ہے۔ آپ ﷺ اسے پناہ عطا فرما کر اس کی مدد فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ کی مدد کی برکت سے اس کا گھوڑا زمین سے باہر نکل آتا ہے۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں اونٹ اور سامان تحفے کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہے لیکن آپ ﷺ یہ کہہ کر اس کے تحفے رد فرما دیتے ہیں کہ جب تک وہ مسلمان نہیں ہو جاتا اس کا تحفہ قبول نہیں کیا جا سکتا البتہ آپ ﷺ نے اسے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ کسی کو آپ ﷺ کے اس راستے پر سفر کرنے کے بارے میں بتائے۔ وہ وعدہ کرتا ہے اور اس کا مکمل پاس بھی کرتا ہے۔ کئی دنوں کے بعد وہ اس واقعے کا ابوجہل (ابوحکم) سے کچھ اشعار کے ذریعے تذکرہ کرتا ہے۔

"اے ابوحکم! لات کی قسم، اگر تم اس گھوڑے کے زمین میں دھنس جانے کا منظر دیکھتے تو تمہیں یقین ہو جاتا کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ﷺ ہیں۔ میں

تمہیں کہتا ہوں کہ تم خود بھی ان ﷺ کی مخالفت سے اجتناب کرو اور
لوگوں کو بھی منع کرو کیونکہ مجھے ان ﷺ کی کامیابی پر مکمل یقین ہے۔"

دیکھتا ہوں کہ قبا، میں آپ ﷺ کا استقبال ہو رہا ہے اور بچیاں چہروں پر محبت کے
پھول سجائے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہہ رہی ہیں۔

دیکھتا ہوں کہ مسجد قبا، تعمیر ہو رہی ہے اور آپ ﷺ بنفس نفیس ایک مزدور کی طرح
سب کے ساتھ مل کر اینٹیں اور گارا ڈھو رہے ہیں۔

دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے ہیں اور حضرت ایوب
انصاری کے گھر میں قیام فرما ہیں۔

دیکھتا ہوں کہ مسجد نبوی ﷺ تعمیر ہو رہی ہے اور آپ ﷺ اس کی تعمیر میں سب سے زیادہ
حصہ لے رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ پر ہمارے
ماں باپ قربان، آپ ﷺ آرام فرمائیں، یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ آپ ﷺ انؓ کے مشورے کو
سن کر فرما رہے ہیں کہ تم بھی میری طرح کام کرو اور مجھے اس سے مت روکو۔

دیکھتا ہوں کہ بدر کے مقام پر مسلمانوں کی ایک قلیل تعداد اپنے آقا ﷺ کی قیادت
میں کفار کی اپنے سے کئی گنا زیادہ سپاہ کے سامنے ہے۔ جنگ ہوتی ہے اور سپہ سالار اعظم کی قلیل
تعداد کو رب قدیر فتح سے سرفراز فرماتے ہیں۔

دیکھتا ہوں کہ جنگ احد ہو رہی ہے۔ مسلمان جب تک اپنے سپہ سالار کی ہدایات پر
عمل کرتے ہیں، اس وقت تک کفار کی قسمت میں پسپائی رہی ہے، جونہی آپ ﷺ کی ہدایت سے
روگردانی کی گئی ہے، دشمن نے لشکر اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے حتیٰ کہ آقائے دو جہاں ﷺ کی
ذات مبارک بھی شدید طور پر زخمی ہوئی ہے۔

دیکھتا ہوں کہ یہودیوں نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ
دیا ہے کہ وہ سزا کے طور پر مدینہ خالی کر دیں۔

دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کی طاقت میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں نے مختلف غزوات میں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر خندق کی کھدائی فرما رہے ہیں۔ کھدائی کے دوران میں صحابہؓ کے راستے میں ایک چٹان حائل ہو گئی ہے جو کسی طرح بھی نہیں ٹوٹ رہی۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے کہنے پر ایک صحابیؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کا جسم مبارک خاک اور دھول سے اٹا ہوا ہے۔ صحابیؓ اپنے گروہ کی مشکل سے آپ ﷺ کو آگاہ کرتا ہے۔ آپ ﷺ کدال لے کر موقع پر پہنچے ہیں۔ آپ ﷺ نے کدال سے پہلی ضرب لگائی ہے، شعلہ نکلا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے" مجھے سلطنت روم کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ خدا کی قسم! اس وقت شام کے سرخ محلات میری نظر کے سامنے ہیں۔" آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی ہے، شعلہ نکلا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے "ملک فارس مجھے دے دیا گیا اور مدائن کے سفید محلات مجھے صاف نظر آ رہے ہیں۔" آپ ﷺ نے تیسری ضرب لگائی ہے، شعلہ نکلا ہے اور چٹان پاش پاش ہو گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے "یمن کی کنجیاں بھی مجھے مل گئی ہیں۔" اسی لمحے جبرائیلؑ حاضر ہوئے ہیں اور خوش خبری دی ہے کہ آپ ﷺ کی امت ان سلطنتوں کو فتح کرے گی۔

دیکھتا ہوں کہ دعوت دین کے سلسلے میں عرب کے مختلف نامور قبائل کے سرداروں اور نجاشی سمیت مختلف فرمانرواؤں کی طرف مہر نبوت کے ساتھ خطوط ارسال کئے جا رہے ہیں جن کے مثبت نتائج بھی سامنے آنے لگے ہیں۔

دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ صفہ میں تشریف فرما ہیں، صحابہ کرامؓ اور اصحاب صفہ کو دین اسلام کی تعلیم سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ اس نورانی مجلس کا ماحول ایسا ہے کہ جس کی مثال ہی نہیں دی جا سکتی۔

دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ عمرے کی غرض سے مکہ تشریف لے آئے ہیں اور مکہ کے نواح میں مقیم ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو اپنا ایلچی بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ اہل مکہ کو سمجھائیں کہ مسلمان کسی جنگ کی غرض سے نہیں بلکہ خانہ کعبہ کی زیارت اور عبادت کی غرض سے مکہ معظمہ آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ مکہ تشریف لے آئے ہیں لیکن بہت دیر تک ان کی واپسی نہیں ہو سکی ہے بلکہ انؓ کے قتل کی خبر جنگل میں آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک درخت کے نیچے جمع فرمایا ہے اور ان الفاظ پر بیعت لی ہے "یارسول اللہ ﷺ! میں قسم اٹھاتا ہوں کہ آپ ﷺ جو بھی حکم کریں گے میں بلا جھجک اس کی تعمیل کروں گا۔"

قریش کو اس بیعت کا جو تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے، علم ہو گیا ہے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو فوراً اس پیغام کے ساتھ واپس بھیجا ہے کہ اہل مکہ جنگ سے بچنے کے لیے مذاکرات کے لیے تیار ہیں۔ اہل مکہ کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی آیا ہے اور وہ اس بات کا جائزہ لے رہا ہے کہ مسلمان کہیں جنگ کے لیے تو نہیں آئے۔ اس نے گستاخانہ انداز میں آقائے دو جہاں ﷺ سے سوال بھی کیے ہیں جس پر مغیرہؓ اور صدیق اکبرؓ طیش میں آئے ہیں لیکن ایلچی ہونے کے باعث اس کی جان بچ گئی ہے۔ عروہ کے بعد قبیلہ بنی کنانہ اور آخر میں قبیلہ احابش کا سردار حلیس بن علقمہ بھی جائزے کی غرض سے آیا ہے۔ اس نے اہل مکہ کو اطمینان دلایا ہے کہ مسلمان صرف زیارت ہی کے واسطے آئے ہیں، ان کا جنگ کا قطعی کوئی ارادہ نہیں۔ اس طرح دو دن کے طویل جائزے کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد حدیبیہ بھیجا ہے جس نے طویل بات چیت کے بعد محمد ﷺ بن عبداللہ سے معاہدہ کیا ہے جو بظاہر مسلمانوں کے فائدے میں نظر نہیں آ رہا لیکن یہ معاہدہ مسلمانوں کے حق میں ایسے دور رس مفید نتائج اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے منظر عام پر آیا ہے کہ جسے سورۃ الفتح میں فتح مبین کا نام دیا گیا ہے۔

دیکھتا ہوں کہ قریش مکہ نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قبیلہ خزاعی کے مقابلے میں قبیلہ بنو بکر کی مکمل اعانت کی ہے اور حرم کے تقدس کا خیال نہ رکھتے ہوئے قبیلہ خزاعی کے لوگوں کا قتل کر دیا ہے۔ قبیلہ خزاعی کا سردار بدیل بن ورقا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے قبیلے پر ہونے والے ظلم کی داستان سنا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔

دیکھتا ہوں کہ اللہ کے آخری نبی ﷺ اونٹنی پر سوار ہیں۔ وہ مکہ جس میں آقائے دو جہاں ﷺ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا آج اسی مکہ میں وہ ایک فاتح کی حیثیت سے اس طرح داخل ہو رہے ہیں کہ انکساری کا پیکر بنے ہوئے ہیں۔ عام معافی کا اعلان ہو چکا ہے۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا گیا ہے اور سیدنا بلالؓ کی اذان کی آواز غلبہ اسلام کا اعلان کر رہی ہیں۔

دیکھتا ہوں۔۔۔۔ اس سے پہلے کہ میری آنکھوں میں تاریخ اسلام کا کوئی اور باب کھلتا، شہزاد کی آواز نے مجھے خیالوں کی اس روشن بستی سے نکال کر ایک بار پھر مولد الرسول ﷺ کے عظیم خطہ اراضی کے سامنے لا کھڑا کیا۔ شہزاد ہماری ہمراہی خاتون کا بیٹا ہے جو سعودی عرب میں مقیم ہے اور آج صبح ہی ہمارے پاس پہنچا ہے۔ شہزاد گاڑی لے آیا ہے تاکہ ہم جنت المعلیٰ کی زیارت کے لیے جائیں۔ اس کی محبت تسلیم لیکن میں اپنے دل کے آئینے میں جن نورانی واقعات کے ابواب کو کھلتے ہوئے دیکھ رہا تھا، ان کی لذت سے مجھے جس طرح محروم کیا گیا، اس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ میں نے اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ اہلیہ گردن جھکائے میرے قریب ہی بیٹھی تھیں اور زمین کے اس معتبر و محترم ٹکڑے میں پائی جانے والی عظمت کو عقیدت بھرے سلام پیش کر رہی تھیں۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے میں خوابوں کی ایک ایسی وادی سے لوٹا ہوں جہاں سے میں واپس نہیں آنا چاہتا تھا۔ میں نے گاڑی کی طرف دیکھا۔ ڈرائیور نے جلدی سے آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے آقائے نامدار ﷺ کے حضور ہدیہ سلام پیش کیا اور درود پڑھتا ہوا گاڑی کی اگلی نشست پر آن بیٹھا۔

جب سب لوگ بیٹھ گئے تو گاڑی ہمیں جنت المعلیٰ لے آئی جو مولد الرسول سے صرف چار پانچ منٹ کے فاصلے پر ہے۔

جنت المعلیٰ تاریخ کی ان گنت نامور شخصیات کو اپنے سینے میں چھپائے مجھے اس ماں کی طرح نظر آیا ہے جس کا دامن اپنوں کے ہاتھوں تار تار ہو گیا ہو۔ جنت البقیع کے بعد دنیا میں اس قبرستان کا درجہ سب سے افضل ہے لیکن وہاں قبور کی حالت دیکھ کر دل زخم زخم ہونے لگتا ہے۔ قریب کی سڑکوں پر سعودی حکومت نے درخت لگائے ہیں لیکن اس قبرستان میں دفن ہونے والے مجھے اس قافلے کی صورت میں نظر آئے جو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں کسی صحرا میں محو سفر ہوں اور دور دور تک کسی سایہ دار درخت کا نام و نشان تک نہ ہو۔ قبرستان کے گرد چار دیواری تعمیر کر دی گئی ہے لیکن یوں لگتا ہے جیسے یہ چار دیواری قبور کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کو اہل قبور تک پہنچنے سے روکنے کے لیے تعمیر کی گئی ہو تا کہ لوگ قبور تک پہنچ کر ان کی بے چارگی کو قریب سے نہ دیکھ سکیں اور انہیں ان کے حال پر چھوڑے رکھیں۔ میری حیرت میں اس وقت اور بھی اضافہ ہو گیا جب مجھے اس عظیم قبرستان کی چار دیواری کے آس پاس سوائے ہمارے اور کوئی نظر نہ آیا۔ حج کے دنوں میں مکہ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بن جاتا ہے اور اس سمندر میں سے ہم صرف پانچ افراد یہاں حاضر ہیں۔ اپنے محسنوں سے اس قدر بے رخی نے میری آنکھوں کو آنسوؤں اور دل کو دکھ سے بھر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ کیا لوگوں کو یہ یاد نہیں رہا کہ یہ قبرستان ام المومنین سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد کا قبرستان ہے، یہاں حضرت ابو طالب اور آقائے دو جہاں ﷺ کے لخت جگر دفن ہیں۔ اوروں کی بات رہنے دیں، کیا یہ طے نہیں کہ میرے آقا ﷺ حضرت ابو طالب، سیدہ خدیجہؓ اور اپنے لخت جگر کو یہاں دفنانے کے لیے تشریف لائے تھے؟ کیا یہ قبرستان آپ ﷺ کے قدموں کی خوشبو سے مہک نہیں رہا؟ کیا یہ وہی جگہ نہیں جہاں آپ ﷺ کی چشمِ مبارک نمناک ہوئی؟ یہ باتیں اگر درست ہیں تو پھر لوگ اتنی نور میں ڈوبے ہوئے تاریخی لمحوں کو یاد کرنے کے لیے یہاں کیوں موجود نہیں؟ ہمارے یہاں تو جنت المعلیٰ میں موجود ان ہستیوں کے قدموں کی خاک سے بھی کمتر

شخصیات کو اس احترام کے لائق سمجھا جاتا ہے کہ تہذیب اس پر رشک کرتی ہے اور ایک یہ منظر کہ کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ ام المومنینؓ نے بیچارگی کے عجیب عالم میں جان دی، کفن نہ دیا جاسکا کہ کسی کے پاس کفن کا کپڑا نہ تھا لہٰذا انہیں ان کی صوف یعنی اوڑھنی ہی کا کفن دے کر دفنایا گیا۔ کیا یہ وہی خدیجہؓ بنت خویلد نہیں جو پورے عرب میں سب سے زیادہ مالدار خاتون تصور کی جاتی تھیں؟ انہوںؓ نے آرام و آسائش سے بھرپور اپنی زندگی کن کے روشن مستقبل کی بنا رکھنے میں قربان کردی؟ بلاشبہ انہوں نے میرے آقا ﷺ کی امت کے مستقبل کے لیے ہی یہ سب کچھ کیا لیکن آج انہی کی قبر بے نام و نشان ہے۔ کوئی پھول ہے نہ پانی، کوئی کتبہ ہے نہ تختی، کسی کی جرات نہیں کہ بڑھ کر کہے کہ یہ میری ماں اور میرے محسنوں کے ساتھ زیادتی ہے، کوئی کہے بھی تو اس کا کیا اثر ہے؟ میں نے حضرت اسماء، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت فضیل بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (جن کی وجہ سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو ام عبداللہ کہا جاتا ہے) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، امام ابن جبیرؒ اور سعید بن مسیبؒ سمیت بھی اہل قبور کے لیے فاتحہ پڑھی۔ ان کے لیے دعا کی، انہیں سلام عقیدت پیش کیا اور اپنی ماں سیدہ خدیجہؓ کی قبر کو انتہائی عقیدت سے دیکھنے لگا۔

میرا ہمیشہ ہی سے یہ خیال رہا ہے کہ مسلمانوں کے محسن اعظم تو آقائے دو جہاں ﷺ ہی ہیں لیکن آپ ﷺ کے بعد اگر کسی ہستی کے احسانات کی مثال نہیں دی جاسکتی تو وہ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کے احسانات ہیں۔ وہ اس دنیا کی پہلی ہستی ہیں جو سید الانبیاء پر ایمان لائیں، آپ ﷺ کے ہر غم میں آپ ﷺ سے بھی زیادہ دو قدم میں، ہر مشکل مقام پر رفیقہ حیات ہونے کا یوں ثبوت دیا کہ چشم فلک حیران رہ گئی، اپنا تن، من اور دھن عملی طور پر آپ ﷺ کے حکم پر قربان کردیا، زندگی بھر ایک بھی ایسا سوال نہیں کیا جس سے تکلیف کے کسی پہلو کی طرف اشارہ ملتا ہو، آپ ﷺ کی ہر اس موڑ پر دلجوئی فرمائی جہاں اس کی بہر حال ضرورت تھی اور اپنے محل چھوڑ کر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لیے شعب ابی طالب میں مکمل صبر و استقلال کے ساتھ مصیبت کے دن

گزارے اور دکھ کی لمبی رات میں سفر کرتے کرتے موت کی وادی میں اس طرح جا پہنچیں کہ بے چارگی کی تصویر بن گئیں لیکن انؓ کے دل میں سما جانے والی روشنی آج بھی لوگوں کو صراطِ مستقیم دکھا رہی ہے۔ میں نے ام المومنینؓ کی قبر مبارک کی طرف دیکھا اور ان کے حضور اپنی گردن جھکا دی۔ میں نے عرض کیا، اے ام المومنینؓ! میں ان عظیم لمحات کو سلام کرتا ہوں جس میں آپؓ نے میرے آقا ﷺ سے عقد فرمانے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ مجھے آپ کا وہ خواب یاد آ رہا ہے جو آپؓ نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کو سنایا تھا۔ آپؓ نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج آپؓ کے گھر میں اتر آیا ہے، جس کے نور سے آپ کا گھر بھر گیا ہے۔ یہ نور آپؓ کے گھر سے نکل کر مکہ کے ایک ایک گھر میں پھیل گیا ہے اور پورا مکہ منور ہو گیا ہے۔ ورقہ بن نوفل نے یہ خواب سنتے ہی آپؓ کو مبارک باد دی تھی اور کہا تھا کہ آپ کا نکاح نبی آخر الزمان ﷺ سے ہو گا۔ یہ وہ وقت تھا جب میرے آقا ﷺ مکہ معظمہ میں محنت مزدوری کر کے اپنی کمائی اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ہاتھ پر رکھ رہے تھے۔ کسی کو خبر نہیں تھی کہ حضرت ابو طالب کے بھتیجے محمد ﷺ ہی وہ انسان عظیم ہیں جنہیں خدائے عزوجل نے آخری نبی ﷺ کے طور پر منتخب کیا ہے۔ میں آپؓ کے اس فیصلے کی بھی داد دیتا ہوں جو آپؓ نے آقائے نامدار ﷺ کے بارے میں سامانِ تجارت لے جانے کے سلسلے میں فرمایا اور دوگنی اجرت مقرر فرمائی۔ آپ ﷺ کی دیانت، محنت اور برکت کے سبب غیر متوقع طور پر نفع دوگنا ہوا تو آپؓ نے موعودہ اجرت کو دوگنا کر کے نبی اکرم ﷺ کو چار کی بجائے آٹھ اونٹ ادا کیے۔ شادی ہو جانے پر آپؓ نے میرے آقا ﷺ کو معاشی و مالی پریشانیوں سے جس طرح بے نیاز فرما دیا، تاریخ میں ایک وفا شعار بیوی کی اس سے عمدہ مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ جب آپ ﷺ منصب رسالت پر فائز ہوئے تو آپؓ نے ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر اسلام قبول فرمایا۔ رنج والم کے ان دنوں میں جب مکہ کا ہر فرد میرے آقا ﷺ کا جانی دشمن بن گیا تھا، یہ آپؓ ہی کی ذات تھی جس نے ہر مشکل موڑ کو اپنی محبت اور توجہ سے آسان بنانے میں میرے آقا ﷺ کی مدد فرمائی۔ آپؓ نے اپنی ذات کو محبت رسول اللہ ﷺ میں اس طرح فنا کر دیا کہ آپ کا ہر ہر لمحہ صرف اور صرف

اپنے شوہر نامدار ﷺ کی خوشنودی اور بہتری کے بارے میں سوچنے میں گزرنے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے اس معاشرے میں جہاں ایک سے زیادہ شادیاں کرنا ہر مرد کے لیے ایک معمول کی بات تھی، نبی اکرم ﷺ نے آپؓ کے عمر میں بڑی ہونے کے باوجود آپؓ کی حیات مبارکہ میں دوسری شادی کے بارے میں کبھی سوچا تک نہیں۔ ام المومنین! آپ عورتوں میں ایک ایسا مقام رکھتی ہیں جس کی بلندی کو بیان کرنا الفاظ کے بس کی بات نہیں۔ آقائے دو جہاں ﷺ کا فرمان ہے کہ خدیجہؓ اور مریم تمام عالم میں افضل ترین عورتیں ہیں۔ آپ ﷺ سیدہ خدیجہؓ سے صرف محبت ہی نہیں بلکہ آپؓ کی بے حد عزت بھی فرماتے تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے "اللہ کی قسم! خدیجہؓ نے میری تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلایا، انہوں نے اپنا زر و مال مجھ پر قربان کیا جب دوسروں نے مجھے محروم کیا اور اللہ نے مجھے ان کے بطن سے اولاد عطا کی۔"

ام المومنین! میں آپؓ کا ادنیٰ و حقیر غلام ہوں۔ آپؓ کے حضور سر جھکائے آپؓ کی خدمت میں سلام عقیدت پیش کرتا ہوں۔ آپؓ کے ان احسانات کی خوشبو میری زندگی کا بہترین اثاثہ ہے جو آپؓ نے مجھ سمیت رسول امی ﷺ کی امت کے ایک ایک فرد پر فرمائے۔ آپؓ نے میرے آقا ﷺ کو پریشانی کے ہر لمحے میں اس طرح حوصلہ دیا کہ آپ ﷺ کے لیے پریشانی ایک معمولی بات بن کر رہ گئی۔ اے میری ام عظیم! آپؓ کی ذات عظیم کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے ذریعے سلام بھجوائے۔ یہ آپؓ کی عظمت کا بین ثبوت ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ کے دل سے آپؓ کی محبت زندگی بھر ایک لمحے کو بھی جدا نہ ہو سکی۔ میرا سلام نیاز قبول ہو۔ میں نے ام المومنینؓ کے لیے فاتحہ پڑھی، انہیں اور اہل جنت المعلیٰ کو الوداع کہتے ہوئے اپنے محدود قافلے کے ساتھ حرم لوٹ آیا۔ راستے میں کچھ دیر کے لیے رک کر ہم نے مسجد جن اور مسجد الرایۃ کی بھی زیارت کی۔ یہ دونوں مساجد جنت المعلیٰ سے واپسی پر سوق معلیٰ پر واقع ہیں۔ مسجد جن کو مسجد بیعت اور مسجد حرس بھی کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ مسجد جن جس کھلے میدان میں تعمیر ہوئی یہاں سید الانبیا ﷺ نے جنوں سے بیعت لی تھی۔ آپ ﷺ کی یہاں تشریف آوری کی باعث

یہ جگہ قیامت تک کے لیے ان گنت فضیلتوں کی حامل ہو گئی ہے اس لیے اہل دل یہاں آ کر اس کی فضاؤں سے اپنے قلب و نظر کو مشکبار و روشن کرتے ہیں۔ مسجد الرایہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب لشکرِ اسلام نے سنہ آٹھ ہجری میں مکہ فتح کیا تو آقائے عرب و عجم ﷺ نے فتح کا جھنڈا اسی مقام پر نصب فرمایا تھا۔ تاریخ کے ان حسین و عظیم لمحوں کا احساس لیے ہوئے جب میں مسجد الرایہ کے سامنے کھڑا تھا تو یوں لگا کہ یہی وہ جگہ ہے جس پر نصب ہونے والے جھنڈے نے اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو دنیا میں عزت و وقار سے جینے کا یقین عطا کیا تھا۔ اسی جھنڈے نے لہرا لہرا کر اپنے قافلے والوں کو یہ یقین دلایا تھا کہ اب یہ قافلہ ایک ایسے دریا کا روپ اختیار کر گیا ہے جس کا راستہ روکنا کسی کے بس کی بات نہیں رہی۔ جب ان مسجدوں کی زیارت کے بعد ہم حرم پہنچے تو پورا مکہ معظمہ نمازِ ظہر کی اذان کی آواز سے گونج رہا تھا۔

ترے ہر نقشِ قدم سے مرے لب مہکے ہیں

(غارِ ثور، میدان عرفات اور غارِ حرا کی زیارت)

مکہ معظمہ کے اندر اور اردگرد لاتعداد پہاڑیاں اور پہاڑ ہیں۔ جبل خلیج، جبل قیصان، جبل ہندی، جبل سلع، جبل کدا، جبل ابوحدیدہ، جبل ابی قبیس، جبل خندمہ اور جبل عمر۔۔۔ کہنے کو تو یہ بھی پہاڑ ہیں لیکن جب بھی میری ان میں سے کسی پہاڑ پر نظر پڑی تو مجھے محسوس ہوا جیسے ہر پہاڑ کوئی کہانی سنانا چاہتا ہے۔ دنیا میں ان گنت بلند پہاڑ ہیں جن کی بلندی انسان کو حیرت زدہ کر دیتی ہے۔ ان کے مقابلے میں مکہ اور اس کے اردگرد موجود ان پہاڑوں کی بلندی کچھ زیادہ نہیں لیکن جو عظمت اور بلندی ان پہاڑوں کے حصے میں آئی ہے، وہ کسی اور کو کیونکر نصیب ہو سکتی ہے؟ ان پہاڑوں میں سے کچھ تو میرے آقا ﷺ کے قدموں کو چھونے کی وجہ سے سرفراز ہیں اور باقیوں کو یہ اعزاز تو ضرور حاصل ہے کہ انہیں میرے آقا ﷺ نے اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھا۔ جو پہاڑ میرے آقا ﷺ کے مبارک تلووں کی خوشبو کو اپنے لبوں پر مہکانے کی عظیم سعادت سے ہمکنار ہوئے ان میں جبل ثور، جبل نور اور جبل رحمت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حج پر جانے والے تقریباً سبھی لوگ اس بات کو اپنے لیے بجا طور پر باعث سعادت سمجھتے ہیں کہ وہ ان تاریخی پہاڑوں پر جا کر ان مقامات کی زیارت کریں جہاں آقائے دو جہاں ﷺ نے کچھ وقت بسر فرمایا۔ حج کے دنوں میں جگہ جگہ سے گاڑیاں دستیاب ہوتی ہیں جن کے مالکان حجاج سے ایک طے شدہ رقم لے کر ان مقامات مقدسہ کی زیارت کروا دیتے ہیں۔ مولد الرسول ﷺ اور جنت المعلیٰ وغیرہ کی زیارت کے اگلے ہی روز ہم ان مقامات پر حاضری سے مشرف ہوئے۔ جس

گاڑی میں ہم سوار ہوئے، اس میں ہمارے علاوہ ہندوستان سے آیا ہوا ایک خاندان بھی ہمارا ہمسفر تھا جس کا تعلق احمد آباد گجرات سے تھا۔ یہ لوگ وہاں ہوٹل چلاتے تھے اور زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے اس لیے ہماری رفاقت سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور ہم نے بھی ان کے لیے ایک گائیڈ کے مکمل فرائض بلا معاوضہ انجام دیئے۔ گاڑی کا ڈرائیور ایک عرب تھا اور اس میں مکہ والوں کی بھی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اس کے ساتھ سفر کر کے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہمارا آقا ہے اور اس کے ہر حکم کی پابندی کرنا ہمارا فرض ہے۔ خدا نے ہمیں توفیق دی کہ ہم نے اپنے اس آقا کی حکم عدولی نہیں کی اور اس کی خواہش کے مطابق تمام مقامات پر اتنی ہی دیر رکے جتنی دیر کے لیے اس نے اجازت دی۔ وہ ہمیں سب سے پہلے جبل ثور لے گیا۔ جبل ثور سے کچھ پہلے گاڑیاں ایک مقام پر رک جاتی ہیں جہاں ایک بہت بڑے بورڈ پر زائرین کے لیے ہدایات درج ہیں۔ مجھے اوروں کا تو کچھ پتا نہیں لیکن میں وہاں پہنچ کر اس پہاڑ کو ایک ایسے شخص کی نظر سے دیکھنے لگا جس پر اس پہاڑ کا اتنا بڑا احسان ہو جس کا کسی بھی طرح بدلہ نہ دیا جا سکتا ہو۔ میں نے گاڑی سے اتر کر اپنے پیچھے رہ جانے والے اس شہر کی طرف دیکھا جہاں سے چودہ سو سال پہلے میرے آقا ﷺ کو بے سروسامانی کی حالت میں اپنا گھر بار، مال حتیٰ کہ اولاد تک کو چھوڑ کر نکلنا پڑا۔ اب میں نے اس پہاڑ کی جانب دیکھا جو میرے سامنے اس شان سے کھڑا تھا جیسے کوئی شخص اسے سونپے گئے فرائض کو توقع سے بڑھ کر احسن طریقے سے ادا کر چکا ہو۔ اس پہاڑ میں وہ غار ہے جسے کائنات کے سب سے بڑے انسان کو اپنے دامن میں تین روز تک پناہ دینے کا شرف بے مثال حاصل ہے۔ یہ وہ تین دن تھے جب دشمنان اسلام اپنی تلواروں پر ہاتھ رکھے آپ ﷺ کے تلاش میں چاروں طرف اس طرح دوڑے پھر رہے تھے کہ ادھر آپ ﷺ انہیں دستیاب ہوئے اور ادھر انہوں نے نعوذ باللہ آپ ﷺ کا کام تمام کیا لیکن جس کی حفاظت رب قدیر و خبیر خود کرنا چاہیں، اسے دنیا کی کون سی طاقت نقصان پہنچا سکتی ہے؟

نبی اکرم ﷺ اپنے معتمد عظیم حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ اس غار میں مقیم ہیں،

غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بن دیا ہے اور اس جالے پر جنگلی کبوتری نے انڈے بھی دے دیئے ہیں۔ امیہ بن خلف جیسا چالاک دشمن غار کے منہ تک اپنے ساتھیوں کے ساتھ آن پہنچا ہے۔ اس کے ساتھی اس غار کا بھی تفصیلی جائزہ لینا چاہتے ہیں لیکن امیہ ہی انہیں غار کی ظاہری حالت کی دلیل دے کر وقت ضائع کیے بغیر آگے بڑھنے کا مشورہ دیتا ہے جسے فوری طور پر قبول کر کے میرے رسول ﷺ کے بھی دشمن وہاں سے چلے جاتے ہیں۔ مجھے اسی لمحے اسماء بنت ابوبکرؓ، عبداللہ بن ابوبکرؓ اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ کا کردار یاد آیا جو انہوں نے مشکلات کے ان دنوں میں نہایت دانشمندی اور وفاداری سے ادا کیا۔ جب کفار مکہ کو یہ معلوم ہوا کہ کڑی نگرانی کے باوجود محمد ﷺ ان کا شہر چھوڑ کر چلے گئے ہیں تو وہ ابوجہل کی قیادت میں سیدنا ابوبکرؓ کے دولت خانے پر پہنچے۔ دستک دی تو حضرت اسماؓ باہر تشریف لائیں۔ ابوجہل نے انؓ سے جب سیدنا ابوبکرؓ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا جس پر ابوجہل نے انہیں اس زور سے تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی گر گئی۔ مکہ کے محلہ مسفلہ سے غار ثور کا فاصلہ ایک اندازے کے مطابق چھ میل ہے۔ عبداللہ بن ابوبکرؓ مفصل معلومات اور خبروں کے ساتھ کئی بار مکہ معظمہ سے پاپیادہ اسی غار میں اپنے پیارے رسول ﷺ اور ان کے یار غارؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عامر بن فہیرہ اسی غار کے دہانے کے قریب رات کے وقت بکریاں لے آتا جن کا دودھ کائنات کی ان دو عظیم ہستیوں کے استعمال میں آتا۔ یہی وہ غار ہے جس نے صدیق اکبرؓ کے لیے یار غار کا ایک ایسا اعزاز تخلیق کیا جو وفا کی علامت بن گیا۔ یہی وہ صدیق کائناتؓ ہیں جنہوں نے خود کو سانپ سے ڈسوا لیا لیکن اس خیال سے اف تک نہ کی کہ کئی دن کی بے آرامی کے بعد آقائے دو جہاں ﷺ کو انؓ کی گود میں نیند آئی ہے اور انؓ کے اف کرنے سے رسول اللہ ﷺ کہیں نیند سے بیدار نہ ہو جائیں۔ محبت کا یہ نمونہ تاریخ کے صفحات پر مجھے اور کہیں نظر نہیں آیا اور نظر آئے بھی کیسے کہ محبت کے یہ نمونے پیش کرنے کے لیے کسی کا صدیق اکبرؓ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ صدیق اکبرؓ صرف ایک ہی ہیں اسی لیے تاریخ کے صفحات پر اس طرح کی مثال بھی صرف ایک ہی دستیاب ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو بھی

اس پہاڑ اور اس میں موجود غار کی اہمیت بتائی۔ گاڑی والا دور بیٹھا ہمیں عجیب نظروں سے دیکھتا رہا اور جب اس نے محسوس کیا کہ اس کی سواریوں میں پائی جانے والی محبت کی پیاس وقت کی قید سے ماورا ہے تو اس نے ہمیں وہاں سے روانہ ہونے کا اشارہ دیا۔ ہم نے اس منظرِ عظیم کو ایک بار پھر دیکھا اور گاڑی کی طرف چل دیئے۔ میں نے دل ہی دل میں غارِ ثور کو مخاطب کیا۔ اے دنیا کی خوش نصیب ترین غار! تجھے میرا اسلام پہنچے۔ سلام اس بات پر کہ تو میرے رسول ﷺ کی خوشبو بھری سانسوں سے مہک رہی ہے۔ سلام اس بات پر کہ تو نے میرے رسول ﷺ کے لیے اس وقت اپنی بانہیں وا کیں جب پورا مکہ آپ ﷺ کی جان کے درپے تھا۔ سلام اس بات پر کہ تیری گود میں کائنات کے دو عظیم ترین انسان اللہ کے حضور سجدہ ریز رہے۔ سلام اس بات پر کہ تجھے اس عظیم خدمت کے لیے میرے رب نے منتخب فرمایا اور سلام اس بات پر کہ تو تاریخ اسلام کا وہ روشن باب ہے جس کی روشنی تا ابد اہلِ ایمان کو تیری جانب متوجہ کرتی رہے گی۔ آلِ سعود نے اہلِ شوق کی تجھ تک پہنچنے کی راہ میں ہر چند مشکلات کی زنجیریں حائل کر دی ہیں لیکن قرآن پاک میں تیرے ذکر سے میرے آقا ﷺ کے غلاموں کے قلب و نظر ہمیشہ روشن ہوتے رہیں گے۔

جبلِ ثور سے یہ مختصر سا قافلہ میدانِ عرفات میں واقع تاریخی مسجد نمرہ میں لے جایا گیا۔ مسجد نمرہ بند تھی اس لیے اہلِ قافلہ نے اس کے برآمدے ہی میں نوافل ادا کیے۔ یہاں سے ہم سب لوگ جبلِ رحمت کی طرف آ گئے۔ وہ میدان جو کسی وقت بے آب و گیاہ تھا، اب اس میں ہر طرف بکائن کے درخت ہی درخت نظر آتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ درخت حکومتِ پاکستان نے یہاں تحفے کے طور پر بھیج کر لگوائے ہیں۔ یہ درخت ابھی چھوٹے ہیں لیکن اس وقت بھی لاکھوں لوگوں کو سایہ فراہم کر کے انہیں یوم عرفہ کی شدید گرمی سے بچاتے ہیں۔ ان درختوں کے باعث یہاں کا ماحول خاصا خوشگوار اور منظر خوش نما ہو گیا ہے۔ سعودی حکومت نے ہر طرف ایک کثیر تعداد میں ہمہ جہتی متحرک فوارے نصب کر دیئے ہیں جو کم و بیش پندرہ سے بیس فٹ کی بلندی پر گھوم گھوم کر دور دور تک پانی چھینٹے رہتے ہیں۔ ان کے اس عمل سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہلکی ہلکی بارش

ہو رہی ہو لیکن دھوپ کی شدت اس احساس کو مستحکم نہیں ہونے دیتی۔

میدان عرفات تاریخ کا وہ روشن باب ہے جس کے صفحات میں ہر سال اتنا اضافہ ہو جاتا ہے کہ ان پر ابھرنے والے الفاظ کا شمار ناممکن ہو گیا ہے۔ اماں حوا اور بابا آدم جنہیں جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا تھا اور دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے، اسی مقام پر دوبارہ ایک دوسرے سے آن ملے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سیدنا ابراہیمؑ کو حضرت جبرائیلؑ نے مناسکِ حج سکھائے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سید الانبیا ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع عطا فرمایا۔ سعودی حکومت کے چند ملازمین کے علاوہ جو حج کے لیے انتظامات میں مصروف تھے، چند زائرین اس میدان کی وسعت میں موجود تنہائی کی فوقیت کو توڑنے میں ناکام تھے۔ ہمارا سالار قافلہ یعنی ڈرائیور ہمیں اس جگہ لے آیا جہاں ہم سے چند قدموں کے فاصلے پر جبل رحمت تھا۔ اس چھوٹی سی پہاڑی پر ایک پتھر اس جگہ نصب کر دیا گیا ہے جہاں آقائے دو جہاں ﷺ نے حج کے موقع پر خطبہ عطا فرمایا تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ تقریباً سوا لاکھ مسلمانوں نے حج کیا تھا جن میں وہ بھی عظیم صحابہ بھی شامل تھے جنہوں نے اسلام کے نخل نو کو اپنے خون سے سینچ کر ایک تناور درخت بنا دیا تھا، ایک ایسا درخت جو ہر قسم کے طوفان اور آندھی کا پوری توانائی کے ساتھ مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی پوری توجہ سے اپنے آپ کو اس عظیم مقام کے ماحول میں جذب کرتا، ہمارے مکی سالار نے ہمیں ہماری اگلی منزل کی طرف چلنے کے لیے گاڑی میں سوار ہونے کا حکم دے دیا۔ اب ہمارا قافلہ مزدلفہ اور منیٰ کا سرسری نظارہ کرنے، مسجد مشعر الحرام، مسجد خیف اور جمرات کو دیکھنے کے بعد واپس مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ہمارے مکی مہربان نے اہل قافلہ کو جبل نور کے سامنے لا کر اتار دیا۔ سارے سفر میں اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے بعد اب میں نے اترتے ہی اسے بین الاقوامی یعنی اشاروں کی زبان میں واضح طور پر کہہ دیا کہ وہ ہمیں یہاں سے لے جانے میں جلدی نہ کرے کیونکہ وہ مقامات جہاں سے وہ ہمیں جلدی سے لے آیا ہے، ہم نے اس کا حکم اس لیے مان لیا کہ حج کے دنوں میں ہم وہاں دوبارہ لازمی طور

پر حاضری دیں گے اور ایک حد تک وہ تشنگی جو آج دلوں میں باقی رہ گئی ہے اسے کم کر سکیں گے لیکن جبل نور پر شاید ہم دوبارہ نہ آ سکیں۔ یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکا۔ ہم نے اس کے اس انحراف کی پروا نہ کی اور بہت دیر تک اس مقام کی زیارت سے قلب و نظر کو روشن کرتے رہے جہاں سے علم عظیم و بے مثال کی پہلی کرن پھوٹی تھی۔

جبل نور ایک پہاڑی ہے جس کی بلندی تقریباً دو ہزار فٹ ہے۔ اسی پہاڑی میں ایک غار ہے جسے غار حرا کہا جاتا ہے۔ اس پہاڑی پر کھڑے ہو کر پورے مکہ معظمہ کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ مجھے یہ پہاڑی ایک بادشاہ کے تخت کی طرح نظر آئی جس پر بیٹھ کر وہ اپنے دربار میں موجود ہر شخص کو بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ میرے آقا ﷺ کا عبادت کے لیے اس پہاڑی کو منتخب کرنا کسی صورت میں بھی حکمت سے خالی نہیں ہوگا۔ مجھے یوں لگا جیسے آپ ﷺ یہاں تشریف فرما ہو کر بیک وقت خالق اور اس کی مخلوق سے رابطہ قائم رکھنا چاہتے ہوں۔ میں سوچنے لگا کہ میرے آقا ﷺ نے عرب کے جس معاشرے میں آنکھ کھولی، برائیاں اس کی پہلی پہچان تھیں۔ لوگ شراب پی رہے ہیں، آپ ﷺ اس سے اظہار نفرت فرماتے ہیں۔ لوگ دنگا فساد کو بہادری کی بنیاد قرار دے رہے ہیں، آپ ﷺ امن و آشتی اور صلح جوئی میں مصروف ہیں۔ لوگ بتوں کی پوجا کر رہے ہیں اور فسق و فجور کی محفلیں سجا رہے ہیں، آپ ﷺ خدائے واحد کی تلاش میں غار حرا میں تن تنہا مصروف عبادت ہیں۔ لوگ چوری چکاری کو عیب نہیں سمجھتے، آپ ﷺ اسے بہت بڑا جرم قرار دے رہے ہیں۔ لوگ فحاشی میں فخریہ طور پر ملوث ہو کر اسے زندگی و پر لطف بنانے کی بنیاد قرار دے رہے ہیں، آپ ﷺ اس سے مکمل طور پر منہ موڑے ہوئے ہیں۔ لوگ امانت میں خیانت کو حصول دولت کا ہنر سمجھتے ہیں، آپ ﷺ امانتوں کی اس طرح حفاظت فرما رہے ہیں جیسے کوئی ماں اپنے بچے کی کرتی ہے۔ لوگ جھوٹ بول کر فخر محسوس کرتے ہیں، آپ ﷺ اس کے قریب سے بھی ہو کر نہیں گزر رہے۔ میرے آقا ﷺ! میں آپ ﷺ کے قدموں کی خاک پر نثار۔ گناہوں کی جھلسا دینے والی دھوپ میں آپ ﷺ کا بے عیب رہنا ایک معجزے سے کم نہیں۔ عیوب

کی اس دلدل جس میں لوگ گردنوں تک دھنسے ہوئے تھے، آپ ﷺ کے پاؤں نے اسے چھوا تک نہیں۔ برائیوں کے اس دشت میں جہاں ہر طرف دنیاوی لذتوں کی خاردار جھاڑیوں میں لوگوں کا دامن الجھا ہوا تھا، آپ ﷺ کا دامن ان جھاڑیوں سے قطعی طور پر یوں محفوظ رہا ہے کہ دنیا حیرت زدہ ہے۔

جبل نور سے خانہ کعبہ کا نظارہ احساس دلاتا ہے کہ میرے آقا ﷺ نے غار حرا کو عبادت کے لیے منتخب کرتے وقت یہ بات لازمی طور پر سامنے رکھی ہوگی کہ اللہ پاک کی زمین پر اس کا پاک اور پہلا گھر کعبہ ہے، آپ ﷺ کی نظروں میں سما تا رہے۔ دستوں میں پھیلے ہوئے مال کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لیے اس کا محافظ ہمیشہ اپنے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرتا ہے جہاں سے اس کا پورا مال اس کے سامنے رہے۔ خانہ کعبہ اور اہل مکہ بھی تو آپ ﷺ کا ایسا عزیز ترین مال تھا جس کی حفاظت کو آپ ﷺ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ جبل نور کی چوٹی اتنی بلند اور ایسی جگہ پر واقع ہے جہاں سے آقائے دو جہاں ﷺ اپنے معبد اور اپنی بستی کو بخوبی دیکھ سکتے تھے اور ہرگز بعید نہیں کہ آپ ﷺ اپنی بستی اور معبد کی سلامتی اور روشن مستقبل کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتے ہوں۔ میں نے سب سے پہلے اس گزرگاہ کی طرف دیکھا جس پر چلتے ہوئے وہ انسان کامل ﷺ غار حرا تک پہنچتے تھے جن کے سبب رب غفور الرحیم نے دنیا والوں پر عنایات کے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ بل کھاتے ہوئے اس راستے پر چلتے ہوئے اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنا کچھ آسان کام نہیں، لیکن اگر جذب صادق اور جستجو انتہائے شوق کے زیر اثر ہو تو ان مشکلات کی کیا حیثیت ہے؟۔ آپ ﷺ یہاں تشریف لائے اور اتنی بار کہ جس کا شمار نہیں۔ اس لحاظ سے یہ پہاڑ خوش نصیبی کی معراج کو جا پہنچتا ہے کہ میرے آقا ﷺ نے اسے اپنے قیام کی سعادت سے اس حد تک سربلند کر دیا کہ یہ سربلندی شاید کسی اور جگہ کے حصے میں نہ آ سکی۔ میں نے زمین کے اس ٹکڑے کی طرف انتہائی عقیدت سے دیکھا تو آپ ﷺ کی محبت کا خوشبوؤں میں بسا ہوا ایک جھونکا میری آنکھوں کے راستے دل و دماغ میں اتر گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے زندگی بھر کی ساری تھکن اتر گئی

ہو۔ کیا اس احساس کی رفعتوں کی مثال دی جا سکتی ہے۔ جس میں یہ بات یقین کے ساتھ شامل ہو کہ ہم ان راستوں پر چل رہے ہیں جنہیں کائنات کے عظیم ترین انسان نے اپنے مبارک پاؤں کے لمس کی عزت بخشی ہو؟ کیا اس نظارے سے زیادہ کوئی نظارہ حسین ہو سکتا ہے جسے میرے آقا ﷺ کی مبارک آنکھیں نہ صرف دیکھتی رہیں بلکہ اسے بے حد پسند بھی فرماتی رہیں؟ کیا اس جگہ سے زیادہ کوئی اور جگہ مبارک ہو سکتی ہے جسے میرے رسول امی ﷺ نے عبادت کے لیے منتخب فرمایا؟ مجھے ہر اس جگہ پہنچ کر اپنی خوش نصیبی پر رشک آتا رہا جس سے کسی بھی حوالے سے میرے نبی ﷺ کی نسبت رہی۔ غار حرا تو ایسی جگہ ہے جہاں سے تاریکی میں ڈوبی ہوئی نسل انسانی پر روشنی کا باب کھلا، ایک ایسی روشنی جو ابد تک قائم و دائم رہنے والی ہے۔ میرے ذہن میں مختلف سوال ابھرنے لگے۔ میرے آقا ﷺ نے آخر اپنے دولت کدے کو چھوڑ کر عبادت کے لیے اس جگہ کا انتخاب کیوں کیا جہاں رات تو رات، دن کے وقت بھی کسی تنہا فرد کا آتے ہوئے پتا پانی ہو جائے؟ میرے آقا ﷺ جب ان راستوں سے گزرتے ہوئے غار حرا میں تشریف لاتے ہوں گے تو ان نظاروں کی کیا کیفیت ہوتی ہو گی کیوں کہ آپ ﷺ تو جہاں جہاں سے گزرتے تھے، پتھر، شجر اور سب چیزیں آپ ﷺ کو سلام کرنے کی سعادت حاصل کرتی تھیں؟ میرے نبی ﷺ اس مقدس غار میں کس طرح عبادت فرماتے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے اپنے دور کے اس منفرد راستے پر چلنے کے لیے ریاضت کا کیا انوکھا انداز اختیار فرمایا ہو گا؟ میں نے تصور میں اس پہاڑ پر نور کا ایک سیلاب امڈتے ہوئے دیکھا جس نے پلک جھپکنے کی دیر میں ساری کائنات کو اپنے اثر میں لے لیا۔ میں نے آقائے دو جہاں ﷺ کی خدمت میں ہدیہ درود و سلام پیش کیا۔ درود پڑھنے کے بعد میں نے غار حرا کی طرف دیکھا تو میرے دل نے پکار پکار کر کہنا شروع کر دیا۔

اے عظیم غار حرا! تو دنیا کی وہ عظیم المرتبت جگہ ہے جسے کائنات کے سب سے بڑے انسان نے رب قدیر کی تلاش کے سفر عظیم کے لیے اپنا ساتھی اور ہمراز منتخب کیا۔ تو نے میرے آقا ﷺ کو وہ تنہائی بہم پہنچائی جو عبادت و ریاضت کے لیے آپ ﷺ کو اس حد تک شاید اور کہیں

میسر نہ آپائی۔ تو نے میرے آقا ﷺ کو سالہا سال ایک عجیب عالم کیف و استغراق میں دیکھا۔ یہ وہ اعزاز ہے جو دنیا میں کسی اور کے حصے میں کبھی نہ آ سکا۔ تو اس بات کی معتبر گواہ ہے کہ جب لوگ بت پرستی کا شکار تھے تو میرے آقا ﷺ تیرے فرش پر خدائے واحد کے حضور سجدہ ریز ہوتے تھے۔ تیرے ذرے ذرے کو میرے آقا ﷺ کی سانسوں سے مہکنے کی انوکھی عزت حاصل ہے۔ تو نے میرے آقا ﷺ کی مبارک آنکھوں سے جھڑنے والے موتیوں کو اپنے دامن امانت دار میں اس طرح سمیٹا کہ وہ تیرے پاس تا ابد محفوظ ہیں۔ تو نے مکہ کی تاریخ کے ایک ایک لمحے کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ تیرے کانوں نے حضرت جبریل امین کے پروں کی آواز سنی۔ تیری سماعت نے براہ راست ان کی آواز کو خود میں جذب کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی جانے والی اولین قرآنی آیات کا رس میرے آقا ﷺ کے مبارک کانوں میں تیرے ہی دامن پر گھولا گیا۔ میں اپنے آقا ﷺ پر درود اور تجھ پر سلام بھیجتا ہوں۔ اے غار پُر نور! آقائے دوجہاں ﷺ کا یہ حقیر غلام تیری زیارت کو اپنے لیے باعث عزت سمجھتا ہے۔ رسول امی ﷺ کے اس ادنیٰ غلام کا سلام قبول کر۔

جبل نور پر ہم نے اپنے عربی ڈرائیور کی توقع سے کہیں زیادہ وقت صرف کر دیا تھا اس لیے وہ مختلف خوفناک قسم کی آوازوں اور اشاروں سے اپنی خفگی کا اظہار کرنے لگا جس کا اہل قافلہ نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ ہمارے گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے کرایہ مانگا۔ میں نے فی سواری کے حساب سے اسے تین آدمیوں کے لیے تیس ریال اور ہمارے ہمسفروں نے ستر ریال ادا کر دیے تو اس نے جبل نور پر زیادہ دیر رکنے کے لیے کچھ اور رقم کا تقاضا کیا لیکن ہم سب نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ اس کی طبیعت کی ناہمواری جب حد سے تجاوز کرنے لگی تو میں نے اسے سختی سے کہا کہ اگر اس نے یہ نامعقولیت جاری رکھی تو ہم اس کی اطلاع پولیس کو کریں گے۔ اس پر وہ خاموش تو ہو گیا لیکن بقیہ وقت میں اس کا موڈ خراب رہا جو ابتدا میں بھی کچھ قابل ستائش نہ تھا۔ ہم نے ظہر کی نماز حرم میں ادا کی اور پھر کھانا کھانے اور آرام کرنے کی غرض سے اپنی قیام گاہ پر آ گئے۔

تیری دنیا کے کئی رنگ، ہر اک رنگ عجب

(سفر حج کے دوران میں پیش آنے والے چند واقعات)

حج میں ابھی کچھ دن باقی ہیں۔ مکہ معظمہ میں انسانوں کا سیلاب آ گیا ہے۔ حرم میں بھیڑ اتنی بڑھ گئی ہے کہ طواف و دیگر عبادات کے لیے جگہ کا ملنا بھی مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ ابتدا میں جو طواف آدھ پون گھنٹے میں مکمل ہو جاتا تھا، اب اس پر کہیں زیادہ وقت لگتا ہے۔ اب حرم کی عمارت میں پانچوں وقت کی نمازیں وہی لوگ پڑھ پاتے ہیں جو عام طور پر صبح کی نماز حرم میں ادا کرنے کے بعد یہاں سے باہر نہیں جاتے۔ حرم سے باہر بھی اب دور دور تک سڑکوں پر صفیں بن جاتی ہیں اور جمعہ کے روز تو اس وقت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اب ہم اپنا زیادہ وقت حرم ہی میں گزارتے ہیں۔ عمرہ کرنے کے لیے بھی ہم نے صبح کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ عمرے سے فارغ ہوتے ہیں تو کہیں نہ کہیں جگہ مل جاتی ہے جہاں ہم اپنے آپ کو عبادت میں مصروف رکھتے ہیں۔

حرم میں سعودی حکومت نے حجاج کے لیے جو انتظام کر رکھے ہیں، اگر ان کی تعریف نہ کی جائے تو یہ بخل ہوگا۔ انسانوں کے اس سمندر کو پانی پلانے کے لیے بھی ایک سمندر درکار ہوتا ہے۔ جگہ جگہ پانی کے لیے کولر رکھے ہوئے ہیں جن میں پانی پلانے کی ڈیوٹی پر متعین کارکن تھوڑے تھوڑے وقفے سے آب زم زم بھر دیتے ہیں۔ کولروں کے ساتھ استعمال کے بعد تلف کر دیے جانے والے گلاس کافی تعداد میں لگے ہوئے ہیں۔ میں نے سعودی عرب میں اپنے پورے قیام کے دوران میں ایک بار بھی پانی یا گلاسوں کو ختم ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مسجدِ نبوی ﷺ میں بھی انتظام کی یہی صورت ہے۔

جب نماز کے لیے اذان ہوتی ہے تو حرم اور اس کے دور دور تک کے علاقے میں حرم ہی میں دی جانے والی اذان کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ملک ملک سے ہر رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے خدا کو خوش کرنے کے لیے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اکثر لوگ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے لیکن ایک دوسرے کو مسکرا کر سلام کرنا، مصافحہ کرنا یا بغل گیر ہونا ایک معمول کی بات ہے۔

حج کے دنوں میں البتہ میں نے حرم پاک میں ایک عجیب تبدیلی دیکھی کہ نمازیوں کے لیے بچھائے گئے قالین ہٹا دیے گئے جس کی وجہ سے اب سب کو فرش پر ہی نماز ادا کرنا ہوتی تھی۔ یوں تو صفائی کا بے مثال عمدہ انتظام تھا اور سارا حرم پاک ائر کنڈیشنڈ ہونے کے باعث فرش بھی ٹھنڈا ہوتا لیکن نماز پڑھتے ہوئے گھٹنوں کے براہ راست فرش سے ٹکرانے سے ایک تکلیف کا سامنا ضرور کرنا پڑتا۔ یہ صورت حال اگر ایک آدھ نماز کے لیے درپیش ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی لیکن یہ صورت حال اب مستقل طور پر درپیش تھی اس لیے میں نے محسوس کیا کہ اکثر لوگوں کے گھٹنوں میں تکلیف شروع ہوگئی۔ میں بھی اس شدید تکلیف میں مبتلا ہوگیا۔ میں نے وہاں کے کارکنوں سے قالین ہٹائے جانے کے بارے میں استفسار کیا تو وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ مجھے یہ بات آدابِ میزبانی کے بالکل خلاف لگی کیوں کہ ہماری روایت تو یہ ہے کہ اگر ہمارے یہاں کوئی مہمان آجاتا ہے تو ہم اسے اپنے گھر میں موجود سب سے اچھے بستر پر سلاتے ہیں اور اس کے آرام کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں۔ یہاں صورت حال بالکل مختلف ہے کہ پہلے قالین موجود تھے لیکن اب انہیں ہٹا دیا گیا ہے۔

ایک دن اہلیہ کو تکلیف ہوگئی۔ مجھے بھی گھٹنوں میں ناقابل برداشت تکلیف تھی۔ نمازِ عصر سے فارغ ہوکر ہم قریب ہی واقع پاکستان ہاؤس چلے گئے۔ وہاں لیڈی ڈاکٹر اور ڈاکٹروں کا انتظام ہے۔ میں اہلیہ کو لیڈی ڈاکٹر کے پاس چھوڑ کر اپنے علاج کی غرض سے ڈاکٹر کے پاس چلا

گیا جو پاکستان ہاؤس کے قریب واقع ایک اور عمارت میں مریضوں کو دیکھ رہے تھے۔ باریش اور بظاہر بہت چاک و چوبند دکھائی دے رہے تھے لیکن ان کا مریضوں سے طرزِ عمل دیکھ کر پاکستان کے کسی دیہاتی ہسپتال میں ڈاکٹر کا اپنے مریضوں سے روا رکھے جانے والے طرزِ عمل کی یاد تازہ ہوگئی۔ معلوم ہوا کہ پاکستان ہاؤس پاکستان سے آئے ہوئے بااثر لوگوں سے بھرا ہوا ہے جو اپنے اثر و نفوذ کا مکمل فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یہاں کا عملہ ان کی خوشامد میں رات دن ایک کر رہا ہے جس کے باعث یہاں آنے والے ہم جیسے عام لوگوں کا اول تو کوئی پرسانِ حال نہیں اور اگر کوئی رسمی طور پر حال پوچھ لیتا ہے تو یوں احسان جتاتا ہے جیسے اس سے بڑا کارنامہ کوئی اور انجام دے ہی نہیں سکتا تھا۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی ڈاکٹر صاحب کی۔ ڈاکٹر صاحب مریضوں کو دیکھنے اور ان کا مرض سمجھنے کی بجائے انہیں ٹرخا رہے تھے۔ میری باری آئی تو میں نے انہیں بتایا کہ ایک تو حرم پاک میں سے قالین ہٹائے جانے سے میرے گھٹنوں میں شدید تکلیف ہے جس کے باعث میرے لیے سجدے میں جانا بہت تکلیف دہ ہو گیا ہے اور دوسرا مجھے نیند ہی نہیں آ رہی۔ نیند نہ آنے کی شکایت سنتے ہی ڈاکٹر صاحب میں سویا ہوا شب زندہ دار و عبادت گزار مسلمان فوراً جاگ اٹھا۔ ڈانٹ کر بولے آپ یہاں سونے آئے ہیں یا عبادت کرنے؟ میں نے عرض کیا کہ ڈاکٹر صاحب! یہ کہاں لکھا ہے کہ حج پر آنے والا آدمی سوئے گا نہیں اور وہ مسلسل پینتالیس دن جاگتا ہی رہے گا۔ الحمدللہ! اندازے سے زیادہ عبادت ہو رہی ہے لیکن سونا تو ایک بنیادی انسانی ضرورت ہے جس کے بغیر عبادت بھی یکسوئی اور انہماک سے نہیں کی جا سکتی۔ وہ میری بات ٹوکنے لگے تو میں نے انہیں منع کر کے انہی کے لہجے میں عرض کیا، پھر تو آپ یہ بھی فرمائیں گے کہ میں کھانا بھی نہ کھایا کروں کہ میں عبادت کرنے آیا ہوں یا کھانا کھانے، پھر تو آپ۔۔۔۔

انہوں نے میری بات کاٹتے ہوئے فرمایا ہمارے پاس نیند نہ آنے کا کوئی علاج نہیں۔ وہ بات کر رہے تھے کہ ملازم ان کے لیے چائے لے کر آیا۔ انہوں نے فوراً پیالی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے ادب سے گزارش کی کہ ڈاکٹر صاحب! آپ یہاں مریضوں کا علاج کرنے کے

لے آئے ہیں یا چائے پینے اور مریضوں کو ڈانٹنے کے لیے۔ مجھے آپ کا طرزِ عمل نہایت نامناسب لگا ہے۔ میں آپ جیسے ڈاکٹر سے علاج کرانے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ تکلیف میں مبتلا رہوں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ طرزِ عمل صرف میرے لیے نہیں، سب کے لیے تھا اور مجھ سے پہلے والے تین مریض بھی کوئی پرچی یا کوئی دوا لیے بغیر ہی چلے گئے تھے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ ڈاکٹر حضرات کو وہاں تعینات کرتے ہوئے انہیں خصوصی ہدایات دے کہ وہ اپنے طرزِ عمل کو انسانی اور دوستانہ رکھیں اور اپنے آپ کو حاکم کی بجائے خادم سمجھیں۔

ایک رات ہم نمازِ عشاء کے بعد طواف کر رہے تھے کہ ایک طرف سے سعودی پولیس کے بہت سے سپاہی ایک مستطیل کی شکل میں گھیرا بنائے ہوئے وارد ہوئے۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو توقف کرنے کو کہا۔ میں نے دیکھا کہ پولیس کی اس مستطیل کے اندر چند لوگ انتہائی اطمینان سے چلتے ہوئے حجرِ اسود کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہم اس وقت رکنِ یمانی کے پاس تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر بے حد دکھ ہوا کہ سعودی حکومت نے طواف کے لیے تخصیص کا ناپسندیدہ عمل شروع کر رکھا ہے۔ عوام کو روک کر خواص کے لیے راستہ بنانا اور وہ بھی بیت اللہ میں۔ ویسے تو سبھی انسان برابر ہیں، کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں سوائے تقویٰ و پرہیزگاری میں لیکن بیت اللہ میں تو اس سلسلے میں مزید پابندی کی ضرورت ہے۔ ان کے وہاں سے گزر جانے کے بعد لوگ طواف کے لیے پھر سے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ پولیس کی مستطیل نے حجرِ اسود کے سامنے جا کر وہاں پہلے سے موجود لوگوں کو ہٹا دیا اور ان خواص کو اپنی نگرانی میں حجرِ اسود کو بوسے دلوانے لگی۔ اس قدر بھیڑ میں نجانے کتنی خواتین، کتنے بوڑھے اور کمزور لوگ بوسے کی حسرت دل میں لیے استلام کر کے طواف کرتے ہیں اور طواف کو مکمل کرنے کے لیے بہت بڑے دائرے کے ساتھ سات چکر پورے کرتے ہیں لیکن یہ صاحبِ اختیار لوگ یہاں بھی اپنے اختیار اور طاقت کے بل بوتے پر لوگوں کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ وہ دنیا کے ہر مقام حتیٰ کہ بیت اللہ میں بھی اُن پر ہر قسم برتری اور فضیلت رکھتے ہیں حالانکہ میرے آقا ﷺ نے حج کے لیے رخصت کرتے ہوئے

حضرت عمرؓ کو خاص طور پر تلقین فرمائی تھی "عمرؓ! تم طاقتور ہو۔ دیکھنا طاقت کے بل بوتے پر حجر اسود کو بوسہ نہ دینا بلکہ کمزوروں کو پہلے موقع دینا۔"

عجیب بات ہے کہ لاکھوں لوگ خوش نصیبی کے اس لمحے کے انتظار اور امید میں دھکے کھا رہے ہیں جس میں انہیں حجر اسود کا بوسہ نصیب ہو، ملتزم سے لپٹ کر اور رو رو کر اپنی بخشش کے لیے دعا مانگنے کا موقع ملے، مقام ابراہیم کے بالکل نزدیک نوافل ادا کر سکیں، حطیم میں جا کر عبادت کر سکیں، میزاب رحمت کے سائے میں رو رو کر دعائیں مانگیں اور اگر موقع ملے تو رکن یمانی کو چھو لیں اور انہیں یہ خوش نصیبی کا لمحہ نصیب نہیں ہو پاتا، ان کے برعکس صاحب اختیار لوگ پولیس کے سائے میں دندناتے ہوئے، لوگوں کے احساسات کو اپنے پیروں سے کچلتے ہوئے آتے ہیں اور پلک جھپکنے کی دیر میں یہ سب کچھ کرنے کے بعد اس طرح سینہ تانے ہوئے واپس لوٹ جاتے ہیں جیسے یہ سب کچھ ان کا حق ہو۔

ایک شام میں نماز مغرب کے بعد طواف کرنے کے بعد رکن شامی کے سامنے کی صفوں میں نماز عشاء کے لیے جگہ کی تلاش کر رہا تھا۔ میری نظر تیسری یا چوتھی صف میں ایک جگہ پر پڑی جہاں دو عرب اس طرح بیٹھے تھے کہ اگر وہ ذھنگ سے بیٹھتے تو دو اور آدمی وہاں آسانی سے بیٹھ سکتے تھے۔ میں وہاں گیا اور میں نے ایک عرب کا کندھا احتیاط سے تھپتھپا کر اشارہ کیا کہ وہ مجھے وہاں بیٹھنے کے لیے جگہ دے۔ اس عرب نے مجھے انتہائی غصے بھری نظروں سے دیکھا اور اس طرح کا اشارہ کیا جیسے وہ مجھے دفع ہو جانے کے لیے کہہ رہا ہو۔ میں نے دوسرے عرب سے اشارے سے التجا کی کہ وہ مجھے بیٹھنے کے لئے جگہ دے دے، اس نے پہلے عرب سے بھی زیادہ درشتی کا مظاہرہ کیا۔ پچھلی صف میں ایک ہندی مسلمان بیٹھا تھا۔ میرے ساتھ عربوں کا یہ رویہ دیکھ کر کہنے لگا "بھائی صاحب آپ یہیں پچھلی اور اگلی صف کے درمیان میرے سامنے بیٹھ جائیں۔ ابھی اذان ہونے والی ہے، جماعت کھڑی ہوگی تو جگہ بھی بن جائے گی۔ ان لوگوں کا یہاں قبضہ ہے اور یہ ہر ایک کے ساتھ یہی سلوک کر رہے ہیں۔ میں اپنے اس بھائی کے مشورے کے مطابق

وہاں بیٹھنے لگا تو دونوں عرب مجھ سے الجھ پڑے۔ میں نے اس سلوک کے باوجود انہیں کوئی جواب نہ دیا اور ان سے قدرے ہٹ کر دو صفوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ تو آج کے وہ عرب ہیں جنہیں اپنے مہذب ہونے پر فخر ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ یہ اپنے ایک مسلمان بھائی کو صحن مسجد الحرام میں وہاں نہیں بیٹھنے دیتے جہاں اس کے لیے جگہ بھی موجود ہے تو وہ عرب کیسے ہوں گے جن سے میرے رسول ﷺ کا عہد جہالت میں واسطہ رہا ہو گا۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ، درود پیش کیا۔ میری زبان پر خود بخود یہ الفاظ آ گئے میرے پیارے رسول ﷺ! میری جان آپ ﷺ کے قدموں کے نشانات پر قربان ہو، آپ ﷺ کا کام کتنا کٹھن اور مشکل تھا کہ آپ ﷺ نے ان مہذب عربوں کے سنگدل آباؤ اجداد کو موم کی طرح نرم کر دیا جو برائیوں کو اپنا امتیاز اور سختی کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔

تہجد پڑھنے کے بعد میں تلاوت کلام پاک کے لیے قرآن کریم لینے کے لیے اس کیس کی طرف بڑھ رہا تھا جس میں قرآن کے نسخے رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک عرب نوافل پڑھ رہا تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ دوران نماز مجھے مسلسل دیکھ رہا ہے۔ میری اس سے آنکھیں چار ہوئیں۔ میری حیرت اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ گئی جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھ پر سے ایک پل کے لیے بھی نظریں نہیں ہٹا رہا۔ اس نے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں اور اس کے لب ہل رہے ہیں۔ اس دوران میں اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ قریب تھا کہ میں اس کے پیچھے کی طرف سے مڑ کر کیس تک پہنچوں، شاید اسے گمان ہوا کہ میں اس کے سامنے سے گزروں گا کیونکہ وہاں اس بات کا خیال کیے بغیر کہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے، لوگ آگے سے گزرتے رہتے ہیں۔ اس نے میرا راستہ روکنے کے لیے اپنا بازو میرے راستے میں حائل کر دیا۔ اس کے اس عمل پر لاشعوری طور پر مجھ سے اشارہ ہو گیا کہ میں آپ کے سامنے سے نہیں گزر رہا۔ میرے اشارے کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور شکراً کہہ کر حسب سابق نماز میں مصروف ہو گیا۔

نماز عشاء سے فارغ ہو کر میں اور اہلیہ حرم پاک سے باہر آنے لگے تو راستے میں ایک

سیاہ فام خاتون بالکل اس حالت میں کھڑی تھیں جیسے فوجی آسان باش (Stand easy) کی حالت میں ہوتا ہے۔ خاتون کے ہاتھ پیچھے کی بجائے بالکل سیدھے تھے۔ وہ کبھی سامنے اور کبھی گردن کو حرکت دیئے بغیر ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔ میں نے اہلیہ سے کہا کہ یہ خاتون نماز پڑھ رہی ہے۔ اہلیہ کا موقف تھا کہ وہ کسی کا انتظار کررہی ہے۔ جب ہم اس کے زیادہ نزدیک آ گئے تو ہم نے دیکھا کہ وہ نہ صرف ادھر ادھر دیکھ رہی ہے بلکہ اس دوران میں مسلسل مسکرا بھی رہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر اہلیہ نے اپنے موقف کے درست ہونے کی بات شروع کی ہی تھی کہ وہ خاتون رکوع میں چلی گئی۔ خاتون کے نماز پڑھنے کے اس انداز نے جہاں ہمیں حیرت زدہ کیا وہاں ہمارے دل میں رب قدیر کی عظمت اور محبت میں بے حد اضافہ بھی کیا کہ جس نے اس خاتون جیسے معصوم لوگ پیدا کیے۔ اس خاتون کو دیکھ کر یقین سا ہو گیا کہ خدائے کریم ورحیم اپنے گھر صرف اسی کو بلاتا ہے جس کا کوئی نہ کوئی انداز اسے پسند ہوتا ہے۔

ہمیں بتایا گیا تھا کہ سعودی پولیس بہت چاک وچوبند ہے اور وہاں کی پولیس کے نظام میں کسی کے لیے رعایت کی کچھ گنجائش نہیں۔ ٹریفک کے اصولوں کی خلاف ورزی کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کی جاتی لیکن ہمیں یہ دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی کہ پولیس کے یہاں عوام اور خواص کے لیے دو مختلف رویے پائے جاتے ہیں۔ میں نے کئی بار دیکھا کہ وہ گاڑیاں جن کا تعلق شاہی خاندان سے ہوتا، ون وے اور دیگر مروجہ قوانین کو روندتی اور عوام پر اپنی فوقیت کی دھاک بٹھاتی ہوئی نکل جاتیں۔ پولیس نہ صرف ان سے چشم پوشی کرتی بلکہ بعض اوقات قانون کے مطابق چلنے والوں کے لیے دقت پیدا کرکے ان کے لیے راستہ بھی بناتی۔

آپ سعودی عرب کی کسی بھی مسجد میں نماز پڑھیں، وہاں ہماری طرح ہر نماز کے بعد دعا نہیں ہوتی بلکہ کسی بھی نماز کے بعد دعا نہیں ہوتی۔ آپ اپنے طور پر دعا مانگنا چاہیں تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں۔ مکہ معظمہ میں ہمارے قیام کے دوران میں آخری جمعہ کی نماز میں امام کعبہ نے جو خطبہ دیا اس میں انہوں نے عالم اسلام کے مسائل کا ذکر کیا۔ مجھے اس وقت بہت خوشی ہوئی جب

ان مسائل میں کشمیر اور کشمیری مسلمانوں کے مسائل کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا۔ خانہ کعبہ میں اس ذکر نے مجھ پر ملت اسلامیہ کی اہمیت واضح کی اور محسوس ہوا کہ مسلمان کہیں کا بھی ہو، اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف کا احساس ضرور رکھتا ہے۔

مکہ معظمہ میں دوران قیام میں نے محسوس کیا کہ جیسے جیسے دن گزرتے جاتے ہیں اور حج قریب آتا جاتا ہے، بازاروں میں خرید و فروخت کا انداز بھی بدلتا جاتا ہے۔ ہم نے مکہ شریف اور مدینہ منورہ سے سوائے کھانے پینے کی اشیاء کے کوئی خریداری نہیں کی لیکن نماز کے لیے جاتے اور قیام گاہ کی طرف واپس آتے ہوئے ہم نے محسوس کیا کہ لوگوں کے ہاتھوں چیزوں کی فروخت میں انہیں لوٹا جا رہا ہے۔ اشیا نمبر دو اور قیمت آسمان سے باتیں کرتی ہوئی لیکن دنیا بھر کے مسلمان خرید و فروخت میں اس طرح مصروف نظر آتے جیسے وہ یہاں اسی کام کے لیے آئے ہوں۔ شاید اس کام میں بھی ان کی عقیدت کارفرما رہی ہو کیونکہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے اپنے عزیزوں کے لیے لائے گئے تحفے کی اہمیت تو بہرحال ہے لیکن میرے نزدیک مدینہ منورہ کی کھجوروں اور مکہ معظمہ کے زم زم سے بڑھ کر شاید اور کوئی تحفہ قیمتی ہو۔

مکہ معظمہ میں قیام کے دوران میں ہم تینوں وقت اپنی قیام گاہ کے قریب واقع ایک پاکستانی ہوٹل سے ناشتہ اور کھانا وغیرہ خرید لیتے تھے۔ ابتدا میں کھانا اور اس کی مقدار مناسب ہوتی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مقدار اور معیار میں کمی واقع ہوتی گئی اور ہوٹل والوں کا رویہ بھی بدلتا گیا۔ ہم کیونکہ پاکستان سے روانہ ہونے والی دوسری فلائٹ سے وہاں پہنچے تھے اس لیے ان دنوں وہاں حجاج کا رش نہیں تھا۔ اس ہوٹل میں ایک نوجوان خیر پور ناتھ والی اور ایک ڈیرہ غازی خان کا رہنے والا تھا۔ دونوں نوجوان بہت خلیق تھے۔ ان کی وجہ سے مجھے یہ سہولت رہی کہ وہ مجھے جس ڈش کا کہتے، میں وہی خریدتا کیونکہ راز ہائے درون خانہ سے واقف ہونے کے باعث وہ مجھے تازہ تیار ہونے والی ڈش ہی کو خریدنے کا مشورہ دیتے۔ علاوہ ازیں ان کی وجہ سے میرا مطلوبہ سامان نہ صرف مجھے جلدی مل جاتا بلکہ اس کی مقدار اور معیار بھی ایک حد تک

درست ہوتا۔

حکومت پاکستان ہر سال خدام حجاج کے طور پر بہت سے لوگوں کو سعودی عرب بھجواتی ہے۔ وزارت حج واوقاف کے تحت بھیجے گئے ان لوگوں کا شاید بنیادی کام تو وہاں حجاج کو درپیش مسائل کو حل کرنا ہے لیکن میں نے محسوس کیا کہ یہ لوگ خود مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ سرکاری خرچے پر حج کرنے کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ ہوا یوں کہ بن داؤد کے سامنے ایک ضعیف خاتون اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئی۔ وہ پریشانی میں ہر آنے جانے والے سے مدد کے لیے کہہ رہی تھی۔ میں وہاں سے گزرا تو اس نے مجھے بھی مدد کے لیے بلا لیا۔ ابھی میں اس کے مسئلہ کو سمجھنے کی ابتدا کر رہا تھا کہ میری نظر ایک پاکستانی خادم حجاج پر پڑی۔ میں نے اسے بلایا اور خاتون کی بات سن کر اس کی مدد کرنے کے لیے کہا۔ خاتون نے اسے اردو میں اپنا مسئلہ بتایا۔ خادم مجھ سے مخاطب ہوا بکونہ جی! (دیکھو نہ جی) مجھے تو یہ جو کچھ کہتی ہیں کچھ پتا نہیں چلا۔ میں اپنے ایک اور ساتھی کو بلا کر لاتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک اور ''تکونہ جی'' کو بلا کر لے آیا لیکن مجھے اس وقت بہت تکلیف ہوئی جب وہ بھی مدد کرنے کی اہلیت سے عاری نکلا۔ ابھی ہم اسی شش و پنج میں تھے کہ شہزادہ آ گیا۔ اس خاتون کو اپنے ساتھ لے گیا اور قریب ہی واقع اس کے عزیزوں کے گھر اسے چھوڑ آیا۔

عجب اتفاق ہے کہ ایک بار پھر اسی طرح کی صورت حال پیدا ہوئی تو اس بار بھی ایک اور ''تکونہ جی'' سے واسطہ پڑا جو کسی کی مدد تو کیا کرتا وہ خود ہی مدد کا مستحق تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ سب لوگ جنہیں خدام کے نام پر یہاں بھجا گیا ہے ہمارے محترم وزیر حج واوقاف کے گرائیں یا علاقے کے ہونے کا اعزاز رکھنے کے علاوہ کسی قابل توجہ خصوصیت کے حامل نہیں۔ پاکستان ہاؤس میں تعینات لوگوں اور جدہ ائر پورٹ پر حجاج کی ڈیوٹی پر مامور لوگوں میں بھی مجھے صرف یہی اہلیت نظر آئی۔ میں اپنے محترم وزیر سے صرف اتنی گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ لوگ پردیس میں جا کر جن مسائل کا شکار ہوتے ہیں، ان کے مسائل کے حل کے لیے آپ اپنے ہی علاقے کے لوگوں کو بھجوائیں لیکن بھجوائیں صرف انہی لوگوں کو جو وہاں کسی کی مدد بھی کر سکیں

بصورت دیگر آپ کی یہ اقربا، پروری حجاج اور اس ملک کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کی بات ہے۔

خانہ کعبہؓ میں میں نماز جمعہ ادا کر رہا تھا کہ تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر شور بلند ہوا اور پھر یک دم بھگدڑ سی مچ گئی۔ جس کا جس طرف منہ آیا بھاگنے لگا۔ یہ شور اس حصے سے اٹھا تھا جو خواتین کے لیے مخصوص تھا۔ میں ایک اسطوانے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور ہر بھاگنے والے سے پوچھتا کہ کیا ہوا۔ کوئی کہتا آگ لگ گئی ہے، کوئی کہتا کہ پولیس لوگوں کو مار رہی ہے اور کوئی کہتا کہ کسی نے کسی عورت کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔ تھوڑی دیر یہ ہنگامہ جاری رہا اور پھر لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھنے لگے۔ میں بھی اہلیہ اور اپنی ہمراہی خاتون کی وجہ سے پریشان رہا لیکن اللہ پر بھروسہ کر کے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ نماز کے بعد جب اہلیہ اور خاتون سے ملاقات ہوئی تو اطمینان ہوا۔ ہنگامے کے بارے میں پتا چلا کہ کسی خاتون نے اپنے کاغذات اور کرنسی ایک تھیلی میں محفوظ کر کے تھیلی قمیض کے اندر لٹکا رکھی تھی۔ وہ بھیڑ میں آگے بڑھ رہی تھی کہ کسی صاحب فن نے اپنا کام دکھا دیا۔ تھیلی تو بچ گئی لیکن خاتون کسی تیز دھار آلے کی کاٹ کا شکار ہو کر شدید زخمی ہو گئیں۔ یوں تو یہ واقعہ دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوتا تو ہمیں دکھ ہوتا لیکن خانہ کعبہ میں ہونے والے اس واقعے نے دل کو بے حد مضطرب کیا کہ واقعہ کرنے والے یہ بد بخت لوگ چند سکوں کے لیے حرم پاک کے تقدس کا بھی خیال نہیں کرتے۔ پریشانی کی بات یہ بھی تھی کہ اتنی بڑی واردات ہو گئی لیکن واردات کرنے والے کا پتا نہ چل سکا۔

حج کے دنوں میں سعودی وزیر حج کا ایک بیان نظر سے گزرا جس میں انہوں نے فخریہ کہا کہ سعودی حکومت دنیا بھر کے مسلمانوں کی حج پر سعودی عرب آنے پر جو خدمت کرتی ہے، اس کے لیے ان سے ایک ریال بھی نہیں لیا جاتا جبکہ اس کام کے لیے حکومت کو اربوں ریال خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سعودی حکومت حجاج سے براہ راست ایک بھی ریال نہ لیتی ہو لیکن یہ بات کون نہیں جانتا کہ حجاج سے سعودی شہری اور بالواسطہ طور پر خود سعودی حکومت ہر سال کھربوں ریال حاصل کرتی ہے۔ ہم نے ۱۹۹۸ء میں حج کیا تھا۔ اس سال ہر پاکستانی حاجی سے

کرایہ بس جدہ تا مکہ، مکہ تا مدینہ اور واپس دو سو پچپن (۲۵۵) ریال، کرایہ خیمہ منیٰ، عرفات ایک سو پچاس (۱۵۰) ریال، فیس معلم دو سو چورانوے (۲۹۴) ریال، کرایہ بس برائے منیٰ، عرفات اور واپسی ایک سو اسی (۱۸۰) ریال کی کٹوتی کی گئی۔ میری معلومات کے مطابق اگر یہی کام حاجی خود کرے تو پورا خرچ کاٹے گئے اخراجات کا پانچواں حصہ بھی نہیں اٹھتا۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ بسوں کا اس قدر کرایہ کس خوشی میں لیا جاتا ہے؟ معلم سپانسر شپ سکیم کے تحت جانے والے حجاج کی کیا خدمت سرانجام دیتا ہے کہ اسے پاکستانی حجاج کی رقم میں سے اس قدر زیادہ رقم عطا کر دی جاتی ہے؟ منیٰ، عرفات اور واپسی کے لیے کرایہ بس اس قدر زیادہ کیوں جبکہ اگر یہی کام حجاج ذاتی طور پر کریں تو زیادہ سے زیادہ بیس یا تیس ریال میں ہو جاتا ہے اور پھر منیٰ اور عرفات میں خیموں کا کرایہ اس قدر زیادہ کیوں؟ دنیا بھر سے یہ جوان گنت جہاز جدہ ائرپورٹ پر اترتے ہیں، ہر جہاز سے جو رقم لی جاتی ہے اور جو ائر لائن والے حجاج سے وصول کرتے ہیں وہ رقم سعودی حکومت کے خزانے میں نہیں جاتی تو اور کہاں جاتی ہے؟ کوئی ان پڑھ اور بیوقوف آدمی ہی سعودی حکومت کے وزیر کی بات کو درست تسلیم کر سکتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حج کے دوران میں سعودی حکومت اور اس کے تاجر حجاج سے حیلے بہانوں سے اتنی رقم حاصل کر لیتے ہیں کہ جس کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔ ہم نے تو اپنی رہائش حاصل کی اور اس کا مکہ معظمہ میں تین ہزار اور مدینہ منورہ میں سات سو ریال کرایہ ادا کیا لیکن حکومتی سطح پر تو یہ اخراجات اور بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ یہ سب ریال بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر کہاں جاتے ہیں؟۔

مجھے وزیر موصوف کے اس بیان پر ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک دیہاتی اپنے گاؤں سے میٹھی روٹیاں پکوا کر شہر کے لیے روانہ ہوا تا کہ وہاں جا کر محنت مزدوری کر کے اپنے بال بچوں کے لیے کچھ پیسے کما سکے۔ گاؤں سے شہر بہت دور تھا۔ وہ سفر کرتا ہوا جب شہر کے مضافات میں پہنچا تو رات خاصی گزر چکی تھی۔ اسے وہاں ایک مکان نظر آیا۔ اس نے سردی سے بچنے اور رات گزارنے کے لیے دروازے پر دستک دی۔ اس مکان میں سے ایک آدمی برآمد

ہوا جس نے باہر آتے ہی دیہاتی سے زیادہ اس کی گٹھڑی کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ دیہاتی کوئی بات کرتا وہ شخص بول اٹھا۔

''برادر! تم اتنی رات گئے یقیناً ایک لمبا سفر طے کر کے یہاں پہنچے ہو اور تمہیں سردی سے بچنے اور رات گزارنے کے لیے جگہ کی ضرورت ہے۔ اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھو اور بلا جھجک میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ''

دیہاتی اس کے اخلاق سے متاثر ہوا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے مکان کے اندر اس کمرے میں چلا آیا جہاں دو چارپائیاں پڑی تھیں۔ وہ شخص بولا۔

''برادر! اس چارپائی پر آرام کرو اور مجھے اجازت دو کہ میں بارہ فرلانگ دور واقع شہر سے جا کر تمہارے اور اپنے کھانے کے لیے کچھ لے آؤں۔ یہ کہہ کر وہ شخص اس ادا سے پلٹا کہ جیسے ابھی دوڑ لگا دے گا۔ دیہاتی نے آگے بڑھ کر اسے روکا اور کہا۔

''بھائی! میرے پاس یہ میٹھی روٹیاں ہیں جو میں اس غرض سے اپنے ساتھ لایا ہوں کہ جب تک مزدوری نہیں مل جاتی یہی کھا کر گزارہ کرتا رہوں گا۔ ہم دونوں انہی میں سے ایک ایک روٹی کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں''۔

اس کے ساتھ ہی اس نے گٹھڑی کھولی اور روٹیاں نکال کر چارپائی پر رکھ دیں۔ بچارے دیہاتی نے ایک روٹی کھا کر ہاتھ کھینچ لیا لیکن وہ شخص لگا رہا۔ اس نے جی بھر کر روٹیوں پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد کہا ''لو بھائی، میں نے بھی اپنے حصے کی ایک روٹی ختم کر لی ہے۔'' دیہاتی نے جو مسلسل بے بسی سے اسے روٹیاں اڑاتے ہوئے دیکھ رہا تھا، معصومیت سے جواب دیا: ''بھائی کھائیں تو آپ نے سات روٹیاں ہیں لیکن میں آپ کو جھوٹا نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ گھر آپ کا ہے۔''

اس بیان کو پڑھ کر میرا جی چاہا کہ وزیر محترم کو خط لکھ کر ان حقائق سے آگاہ کروں، پھر خیال آیا کہ کسی کو وہ بات کیسے سمجھائی جا سکتی ہے جو اس کی سمجھ میں پہلے ہی سے موجود ہے لیکن وہ

ظاہر یہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ اس سے قطعی واقف نہیں۔ وزیر محترم! ان تمام باتوں کے باوجود ہم آپ کی ہر بات کو درست تسلیم کرتے ہیں اور آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ ہمیں اپنے ملک میں آنے دیتے ہیں جس کے لیے ہم ہر مشکل اور ہر مالی خسارہ دل و جان سے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں کیونکہ ہم دنیا کے بدلے یہاں آ کر اپنی آخرت کے لیے دولت سمیٹتے ہیں۔ یہ دولت ایسی دولت ہے جس کے سامنے یہ معمولی باتیں اور چیزیں کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں رکھتیں۔

قدم قدم تری رحمت کا ایک دریا ہے

(ایام حج اور واپسی)

آج یوم الترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ ہے۔ یہ ان ذی وقار دنوں میں پہلا دن ہے جنھیں ایامِ حج کہا جاتا ہے۔ گزشتہ رات نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر میں حرم پاک کے نزدیک واقع اپنے مکتب کے دفتر جا کر ضروری کاغذات اور معلومات حاصل کر چکا تھا۔ اہل مکتب نے ہدایت کی تھی کہ ہم آدھی رات کے بعد جتنی جلدی ہو سکے مکتب پہنچ جائیں تاکہ وہ ہمیں بس کے ذریعہ انتہائی اطمینان کے ساتھ منیٰ روانہ کر سکیں۔ انہوں نے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ آپ کے ساتھ کیونکہ خواتین ہیں، اس لیے آپ جتنی جلدی ہو سکے منیٰ پہنچ جائیں اور نمازِ فجر منیٰ ہی میں ادا کریں۔ ان کی سبھی ہدایات سر آنکھوں پر لیکن اس سفرِ عظیم کے دوران میں یہ تجربہ ہوا کہ اہل مکتب یعنی معلم کے لوگ اپنے فرض کو فرض نہیں، مصیبت سمجھتے ہیں اور اسے اس طرح سرانجام دیتے ہیں کہ ان کی ذمہ داری کسی طرح ختم ہو جائے چاہے اس عمل میں لوگ دشواریوں کے سمندر میں جا گریں۔ میں نے ان کی سبھی ہدایات سن لیں لیکن کیا وہی جو میرے دل نے کہا اور میرے دل نے ہمیشہ یہی کہا کہ جو کچھ کرنا ہے، اطمینان، اعتماد اور یکسوئی سے کرو۔ مجھے خوشی ہے کہ مجھے میرے دل نے کبھی غلط مشورہ نہیں دیا۔

آج ہم نے حسب سابق نہایت اطمینان کے ساتھ حرم پاک میں تہجد اور نمازِ فجر ادا کی، طوافِ کعبہ کیا، دو رکعت واجب الطواف ادا کیں، احرام کی نیت سے دو رکعت نفل پڑھیں اور حج کی نیت کر کے قریب ہی واقع مکتب کے دفتر آ گئے۔ بہت بھیڑ تھی اور وہاں موجود خواتین و حضرات ایک عجیب پریشانی میں مبتلا تھے۔ اکثر لوگوں کو یہ شک تھا کہ شاید مکتب کی بسیں

انہیں منیٰ پہنچا ہی نہ سکیں کیونکہ ہم نے بجا طور پر محسوس کیا کہ ہمارا مکتب انتظام میں دیگر مکتبوں سے واضح طور پر کمزور ہے۔ ہر مکتب کی بس گزر رہی ہے لیکن غائب ہے تو صرف مکتب نمبر چھ کی بس۔ مایوسی کے اس عالم میں بہت سے لوگ پرائیویٹ گاڑیوں میں منہ مانگی رقم دے کر منیٰ روانہ ہو گئے۔ لوگ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد منتظمین سے بسوں کے بارے میں پوچھتے تو وہ ایک ہی جواب دیتے کہ بسیں ہیں لیکن بے پناہ بھیڑ کے باعث واپس نہیں آ پا رہیں۔ اطمینان رکھیں، آپ کو ہر صورت میں بروقت پہنچایا جائے گا۔ خاصے وقفے کے بعد ایک بس آئی۔ لوگ اس کی طرف جھپٹے اور آن کی آن میں بس اس طرح بھر گئی کہ اس میں تل دھرنے کی جگہ باقی نہ رہی۔ خواتین نے اس صورت حال پر پریشانی کا اظہار کیا لیکن میں نے انہیں اطمینان کے ساتھ بیٹھے رہنے کی تلقین کی۔ وقفے وقفے سے بسیں آتی رہیں اور جاتی رہیں لیکن ہم نے اطمینان کا دامن نہیں چھوڑا۔ آخر وہ وقت آ گیا جب بس موجود تھی لیکن سواریاں پوری نہیں تھیں۔ ہم اس بس میں سوار ہو کر انتہائی سکون سے تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ روانہ ہوئے۔ اس وقت دن کے گیارہ بجے تھے۔ سڑکوں پر ابھی بھیڑ تھی لیکن بس اطمینان کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھ سکتی تھی۔ کچھ دیر بعد بس نے ہمیں منیٰ میں اس جگہ لا کر اتار دیا جہاں مکتب نمبر چھ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ ہم اپنا مختصر سا سامان لے کر اپنے خیمے کی تلاش میں چل پڑے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ خیمہ ایک ہے لیکن ہر خیمے پر نمبر دو لگے ہوئے تھے۔ مثلاً خیمہ نمبر ایک پر خیمہ نمبر ایک اور خیمہ نمبر دو لکھا ہوا تھا۔ ہمارے خیمے کا نمبر بیس تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہاں بھی یہی صورت حال تھی یعنی ہمارا خیمہ بیک وقت خیمہ نمبر انیس بھی تھا اور خیمہ نمبر بیس بھی۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ اہل مکتب نے حکومت پاکستان سے طے شدہ خیموں کی تعداد میں اہل اختیار سے مل کر اس سے آدھی تعداد میں اپنا ٹھیکہ پورا کر دیا۔ میں اس بات کی کہیں سے تصدیق نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ایک تو حج اللہ کی راہ میں تکلیف اٹھا کر اپنے آپ کو اس کی عبادت میں ہمہ وقت مصروف رکھنے کا نام ہے اور دوسرا اگر میں یہ معلوم کر بھی لیتا تو اس کا کیا فائدہ تھا کیونکہ وہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔ اس میں سدھار کی کوئی صورت نظر آتی تو میں اپنے

لیے نہیں تو دوسروں کے لیے یہ خدمت ضرور انجام دیتا۔

خیمے میں داخل ہوئے تو دیکھا خیمے کے اندر دو قطاروں میں لوگ اس طرح لیٹے ہوئے ہیں کہ دونوں قطاروں میں لیٹنے والوں کے پاؤں ایک دوسرے کو تقریباً چھو رہے ہیں۔ دونوں قطاروں میں دس دس لوگوں کے لیے بلا تخصیص جنس جگہ رکھی گئی ہے لیکن جگہ اتنی ہے کہ ہر آدمی لیٹ تو سکتا ہے، پہلو نہیں بدل سکتا۔ ہم نے اپنے خیمے کے ساتھیوں سے اپنی جگہ کے بارے میں استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ یہ جو دروازے میں دو فٹ جگہ خالی پڑی ہے وہی ہماری ہے۔ ہم نے وہاں اپنا مختصر سا سامان رکھا، چٹائی بچھائی اور تینوں اس چٹائی پر بیٹھ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی یاد میں مصروف ہو گئے۔

منیٰ میں مکہ معظمہ کی نسبت زیادہ گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ خیمے کے اندر گنجائش سے زیادہ لوگوں کو رہنے پر مجبور کیا گیا تھا جبکہ دوسری یہ کہ خیمے میں موجود بیس افراد کے لیے خیمے کے اندر دو چھوٹے چھوٹے پنکھے رکھے ہوئے تھے جو بجلی کے ناقص انتظام کے باعث چل نہیں رہے تھے۔ بہت دیر بعد جب لوگوں نے منتظمین سے شکایت کی تو یہ چل پڑے لیکن ان کی استطاعت دو چار آدمیوں کو سہولت پہنچانے سے زیادہ کی نہیں تھی، اس لیے لوگ پریشان ہی رہے۔ تیسری یہ کہ وہاں پانی کا ایک کولر موجود تو تھا لیکن پانی اتنا گرم تھا کہ پینے سے پیاسا رہنا ہی بہتر تھا۔

کچھ دیر بعد نماز ظہر کا وقت ہونے والا تھا اس لیے ہم وضو کے لیے پانی کی تلاش میں نکلے۔ معلوم ہوا کہ ہر مکتب کے خیموں کے درمیان غسل خانے بنے ہوئے ہیں اور ان کے باہر نل بھی ہے جس سے وضو کیا جا سکتا ہے۔ یہ غسل خانے ہمارے خیمے سے کچھ فاصلے پر تھے۔ ان دو رویہ غسل خانوں میں سے ایک رو مردوں اور دوسری عورتوں کے لیے مخصوص تھی۔ غسل خانوں کی تعداد کچھ زیادہ نہ ہونے کے سبب ہر غسل خانے کے باہر حجاج کی لائن لگی ہوئی تھی۔ بہت دیر بعد اپنی باری آنے پر غسل خانے کے اندر جا کر دیکھا تو بہت تنگی محسوس ہوئی اور پھر اسی تنگ جگہ میں ہی

ہر ضرورت کو پورا کرنا تھا جس کے باعث طہارت کے تقاضوں کو پورا کرنا خاصا دشوار کام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں قیامِ منیٰ وغیرہ کے دوران میں سوائے یومِ نحر کے غسل نہ کر سکا۔ اس روز غسل کرنا مناسکِ حج میں شامل ہے اس لیے اسی مجبوری کے تحت غسل کیا ورنہ ان غسل خانوں میں غسل کرنے کو جی ہرگز نہیں چاہتا تھا۔

حج ایک مشکل عبادت ہے، جس کا ثبوت حج کی نیت کے الفاظ سے بھی ملتا ہے، جس میں دعا کے طور پر ان الفاظ کو شامل کیا گیا ہے جن میں حج کو آسان کر دینے کے لیے اللہ کے حضور میں استدعا کی گئی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ حج میں یہ پریشانیاں جتنے صبر و تحمل سے برداشت کی جائیں، انسان کو اپنی اس عبادت میں اتنا ہی زیادہ اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ ان تکلیفوں کا خوگر ہونے کے بعد انسان ان میں ایک طرح کا لطف محسوس کرنے لگتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ منیٰ ہو یا کوئی اور جگہ، لوگوں میں ایک دوسرے سے تعاون کا جذبہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ جس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ یہ وہی منیٰ ہے جہاں چند روز قبل بھی ہم آئے تھے اور جہاں اکا دکا آدمی نظر آئے تھے، آج جس طرف نظر جاتی ہے خیمے ہی خیمے ہیں اور انسان ہی انسان ہیں جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان مشکلات میں مبتلا کیے ہوئے ہیں جو انہیں زندگی میں کبھی درپیش نہیں رہیں۔ خیموں کا یہ شہر ایک عجیب شہر ہے، جس میں شامل ہر خیمہ بیک وقت گھر بھی ہے اور عبادت گاہ بھی۔ ہر خیمے میں مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگ مقیم ہیں لیکن کچھ دیر کی اجنبیت کے بعد وہ اپنے آپ کو ایک دوسرے سے اتنا قریب محسوس کرنے لگتے ہیں کہ یہ قرب آنے والے دنوں میں دوری کے باوجود دل پر اپنا اثر قائم رکھتا ہے۔ یہاں بدی کا تصور ختم ہو گیا ہے اور انسانوں کے اس سمندر میں شیطان کا داخلہ بالکل بند ہے۔ یہاں کوئی امیر نہیں اور نہ ہی کوئی غریب، یہاں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ بھائی چارے کا یہ عملی نمونہ دنیا کے کسی اور اتنے بڑے اجتماع میں شاید نہیں دیکھا جا سکتا۔

خیمے میں تنگی ہے لیکن خواتین و حضرات کے چہروں پر لائق دید اطمینان واضح طور پر

دیکھا جا سکتا ہے۔ سبھی لوگ عبادت میں مصروف ہیں۔ نماز کا وقت ہوتا ہے تو یہی خیمہ مسجد کا روپ اختیار کر لیتا ہے اور اہل خیمہ ہی میں سے کوئی امامت کے فرائض ادا کر لیتا ہے اور نماز کے بعد سب لوگ انفرادی طور پر عبادات میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ میں نے یہاں لوگوں کو ایک انوکھے حرص میں مبتلا پایا، یہ حرص کسی دنیاوی دولت کے حصول کا نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کا حرص ہے۔ منیٰ میں قیام کے دوران میں بار بار یہ خیال آیا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج سے تقریباً ساڑھے چار ہزار سال پہلے سیدنا ابراہیمؑ اپنے فرمانبردار بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ باپ اور بیٹے دونوں کو معلوم تھا کہ وہ کس مقصد کے لیے اس مقام کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن کیا مجال کے کسی کے پاؤں میں لغزش آئی ہو۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں رب قدیر نے ندا دے کر حضرت ابراہیمؑ کو ان کے خواب کے سچے ہونے کی نوید عطا فرمائی اور انہیں اس امتحان میں کامیاب قرار دیا جو ان سے مولا کریم نے اپنی محبت کی آزمائش کے لیے لیا تھا۔

ہم نے ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں خیمے ہی میں پڑھیں اور پھر صرف اپنی چٹائیاں اٹھا کر مسجد خیف اور جمرات کے درمیان واقع کھلے میدان میں آ گئے۔ ہمیں یہ مشورہ شہزاد نے دیا تھا جو خود اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ وہاں نجی طور پر اپنا خیمہ لگا کر بیٹھا تھا۔ اس کا مشورہ واقعی بہت اچھا تھا۔ میدان میں آنے کا ہمیں ایک تو یہ فائدہ ہوا کہ ہم خیمے کی گرمی سے بچ گئے کیونکہ یہاں ہوا اور کشادگی کی وجہ سے گرمی کا ذرہ بھر بھی احساس نہیں ہوا اور دوسرا یہ کہ اس کھلے ماحول میں عبادت کر کے یوں لگا جیسے ہم اپنے خدا کے بالکل نزدیک آ گئے ہوں۔ یہ وہ وقت تھا جس کے لطف کو ہم زندگی بھر نہیں بھلا پائیں گے۔ ہزاروں لوگ ہماری ہی طرح اس کھلے میدان میں آ گئے تھے جس کی وجہ سے ہر طرف عبادت میں مصروف لوگوں، ان کی گریہ وزاری اور دعاؤں نے اس مجمع کو ایک نورانی محفل کی شکل دے دی تھی۔ یہاں لوگوں کی اکثریت اور ہم نے پوری رات اپنے گناہوں کی معافی اور طرح طرح کی دعائیں مانگنے میں جاگ کر گزاری۔ یوں تو منیٰ جزوی طور پر

پوری رات جاگتا رہا مگر نماز تہجد کے وقت منیٰ کی رونق جوبن پر آ گئی۔ منیٰ میں موجود شاید ہی کوئی شخص ہو جس کا سر اپنے رب کے سامنے اس وقت جھکا ہوا نہ ہو اور شاید ہی کوئی آنکھ ہو جو تر نہ ہو۔ یہ وہ منظر ہے جو صرف منیٰ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ نماز فجر کی اذان ہوتے ہی یہاں کی چہل پہل میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے۔ آج یوم عرفہ ہے۔ یہی وہ دن ہے جسے حج میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ آج جب جبل ثبیر پر دھوپ پھیل جائے گی تو حجاج قافلہ در قافلہ میدان عرفات کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور نماز ظہر سے قبل منیٰ کو خالی کر کے میدان عرفات میں پہنچ جائیں گے۔ میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کی دوپہر سے ۱۰ ذی الحجہ کی صبح صادق تک کچھ دیر کے لیے قیام کرنا ہی حج کا رکن اعظم ہے۔

ہم نے جس میدان میں رات بسر کی، نماز فجر کا وقت ہوتے ہی وہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نماز کے لیے جماعتیں کھڑی ہو گئیں اور ہر طرف لوگ رب قدیر کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے لگے۔ عجیب منظر ہے کہ جس میں ہر رنگ، ہر زبان اور ہر ملک کے لوگ اس منظر کا حصہ ہیں لیکن سب کا لباس ایک ہے۔ وہ سب تقریباً اجنبی ہیں لیکن سبھی ایک ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو نہیں جانتے لیکن اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ یہ سب ایک مقصد لے کر یہاں آئے ہوئے ہیں اور وہ مقصد ہے اپنے گناہوں کی معافی اور اپنے اللہ کی خوشنودی کا حصول، اسی لیے سبھی پوری تندہی سے اس مقصد خاص کے حصول میں اپنی پوری صلاحیت کے ساتھ مصروف ہیں۔

سورج طلوع ہوتے ہی ہر طرف ایک شور سا برپا ہو گیا ہے۔ لوگ اپنے اپنے مکتب کے سامنے جمع ہیں۔ ان گنت بسیں ہر طرف موجود ہیں اور اہل مکتب لوگوں کو ان میں بٹھا بٹھا کر عرفات کی طرف روانہ کر رہے ہیں۔ پرائیویٹ ٹرانسپورٹ بھی وافر مقدار میں یہاں موجود ہے اور وہ لوگ جو بھیڑ کی وجہ سے خواہ مخواہ پریشان ہیں ان کی پریشانی سے فائدہ اٹھا کر ان سے بھاری رقم بٹور کر انہیں میدان عرفات لے جایا جا رہا ہے۔ ہم اپنے خیمے میں آ گئے ہیں۔ ہمارے خیمے کے ساتھیوں میں سے کچھ چلے گئے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ لوگ پچاس پچاس ریال دے کر عرفات

کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔ ڈیرہ غازی خان کے پروفیسر افضال اور ایڈووکیٹ ظفر اللہ علوانی اپنی بیگمات کے ساتھ خیمے میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کچھ لوگ خیمے میں موجود ہیں۔ سب متفکر ہیں کہ مکتب کے ذمہ حجاج زیادہ ہو جبکہ بسیں کم ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حج کا رکن اعظم اس بدانتظامی میں رہ جائے۔ میں نے انہیں تسلی دی ہے کہ یہ بھیڑ ایک دو گھنٹوں کی ہے آپ اطمینان سے بیٹھیں اور مصروف عبادت رہیں۔ ایک دو گھنٹوں کے بعد ہم نہ صرف اپنی منزل پر پہنچیں گے بلکہ نہایت سہولت کے ساتھ پہنچیں گے۔ جن لوگوں نے مشورے پر عمل کیا ہے انہوں نے دیکھا ہے کہ صرف دو گھنٹوں بعد وہ پرائیویٹ گاڑیاں جو صبح کے وقت پچاس ریال میں عرفات پہنچانے کی آوازیں لگا رہی تھیں اب ان میں سے دس ریال اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد پانچ ریال کی آوازیں آنے لگی ہیں۔ کچھ دیر بعد مکتب کے آدمی یہ اطلاع لے کر آئے ہیں کہ بس خالی کھڑی ہے۔ ہم نہایت اطمینان سے اٹھے ہیں اور بس میں سوار ہو گئے ہیں جو کئی خالی نشستوں کے ساتھ ہمیں عرفات میں مکتب نمبر چھ کے خیموں تک لے آئی ہے۔

چند روز پہلے جب ہم میدان عرفات میں آئے تھے تو یہاں سوائے دس بیس لوگوں کے کچھ بھی نہ تھا لیکن آج یہاں ہر طرف خیمے ہی خیمے اور لوگ ہی لوگ ہیں۔ یہی وہ دن ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں لوگوں کو مسافروں کی شکل میں دیکھ کر اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو فخر سے فرماتے ہیں ''دیکھو! یہ لوگ میری محبت میں کس حال میں یہاں آئے ہیں۔'' یہی وہ میدان ہے جہاں انبیاء تشریف لائے۔ حضرت جبریلؑ نے یہاں سیدنا ابراہیمؑ کو مناسک حج سکھائے اور یہی وہ میدان ہے جہاں ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کی شکل میں بنی نوع انسان کو ایک ایسا ضابطہ حیات عطا فرمایا تھا کہ جس کا ایک ایک حرف صداقتوں کا امین اور ایک ایک لفظ رحمتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس میدان کا چپا چپا اپنی روشن تاریخ کے حوالے سے ہر مسلمان کے لیے بے حد محترم ہے۔ یہاں ایسی ایسی ہستیاں تشریف لائیں جن کے قدموں کی خاک ہماری آنکھوں کے لیے سرمہ ہے۔ ذرا تصور کیجیے کہ آقائے دو جہاں ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے سفر حج میں کون کون

یہاں آیا تھا پھر چودہ سو سال کے اس طویل عرصہ میں وہ کون سی عظیم شخصیت ہے جو یہاں نہیں آئی؟ یہ خیال آتے ہی دل خوشیوں سے بھر گیا اور لبوں پر رب قدیر کے لیے شکرانے کے الفاظ مہکنے لگے۔ آج یہاں لاکھوں لوگ جمع ہیں۔ میں تو گنہگار ہوں، ان لاکھوں لوگوں میں سے نجانے کتنے اللہ کے نیک اور محبوب بندے ہمارے ساتھ اس میدان میں موجود ہیں جن کے سبب رب کریم اس حج کو قبول فرمائیں گے۔

منیٰ سے عرفات تک کے سفر میں اہلیہ کی طبیعت خراب ہوئی۔ مسلسل گریہ وزاری کے سبب ان کے سر میں شدید درد تھا۔ انہیں دورے کی شکل میں یہ درد وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ یہ دورہ پڑ جائے تو درد کی شدت کی وجہ سے ان کی حالت قابل رحم ہو جاتی ہے۔ درد کا علاج ہو جانے کے بعد وہ دو تین دنوں تک بے سدھ پڑی رہتی ہیں۔ عرفات پہنچ کر میں نے انہیں خیمے میں لے جانے کی بجائے یکائن کے ایک درخت کے نیچے کھلی جگہ پر لٹا دیا۔ میں اسے رب قدیر کی مہربانی سمجھتا ہوں کہ آج اہلیہ خلافِ معمول صرف دو گھنٹوں بعد اٹھ بیٹھیں، انہوں نے ہر نماز وقت پر پڑھی، وقوف کیا اور مسلسل عبادت میں مصروف رہیں۔

لوگوں کے برعکس ہم نے عشاء کے بعد تک عرفات ہی میں قیام کیا تاکہ اہلیہ کی طبیعت پوری طرح سنبھل جائے۔ عشاء کے بعد ہم مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے جہاں رات کو خاصی دیر سے پہنچ سکے۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھنے کے بعد حسب توفیق یادِ اللہ میں مصروف رہے۔ کنکریاں چنیں، صبح کی نماز اور وقوف کے بعد انسانوں کے دریا میں بہتے ہوئے پیدل ہی منیٰ آ گئے جہاں کنکریاں ماریں، حلق کرایا یعنی سر منڈوایا، غسل کیا اور سہ پہر کو بس کے ذریعہ مکہ معظمہ آ گئے۔ عشاء کی نماز کے بعد طواف زیارت کیا اور رات گئے منیٰ آ گئے جہاں قیام کے دوران میں دو دن تک کنکریاں مارنے اور عبادت میں مصروف رہنے کے بعد سرنگ کے راستے پیدل مکہ معظمہ لوٹ آئے۔

حج کے ان دنوں کو اگر مسلسل مسافرت کے دن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان دنوں

میں حجاج کی مصروفیات اور عبادات میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے۔ مجھے تو یہ سارا سفر اور اس کے دوران کی مصروفیات ایک سہانا خواب لگیں جو خود بخود ذہن کے پردے پر نمودار ہوتا اور خود بخود اپنے وقت پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ سفر بھی ایک سہانے اور انتہائی پر لطف خواب کی طرح شروع ہوا اور ہمیں مختلف کیفیتوں اور پر نور مناظر میں سے گزارتا ہوا وہیں واپس لے آیا جہاں سے شروع ہوا تھا۔ مجھے یہ پورا سفر ایک اور لحاظ سے بالکل انوکھا لگا۔ ممکن ہے کہ اور لوگ بھی وہی محسوس کر رہے ہوں جو میں نے محسوس کیا لیکن یہ احساس ایک ایسا روح پرور اثاثہ ہے جو ہر ایک ذات کے لیے ایک ایسی خصوصی ملکیت کا درجہ رکھتا ہے جس کی وہ کسی دوسرے کو خبر نہیں ہونے دیتا۔ اس سفر میں تکالیف اور مشکلات کا ایک سلسلہ درپیش رہا لیکن یہ سب تکالیف اور مشکلات اس قدر پیاری اور پر لطف تھیں کہ انہیں جھیل کر ایک طرح کی خوشی سی محسوس ہو رہی ہے۔ اس صورت حال کے پس منظر میں وہی احساس کارفرما ہے جس کا میں خصوصی ملکیت کے حوالے سے ذکر کر چکا ہوں۔ میں نے قدم قدم پر محسوس کیا کہ میں بھی اسی سفر پر رواں دواں ہوں جو میرے آقا ﷺ نے انہی راستوں پر چل کر مکمل فرمایا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں ہر قدم پر آپ ﷺ کے نقوش پا کو ان راستوں کے سینے پر روشن اور جگمگاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ میں صرف آگے نہیں بڑھ رہا بلکہ روشنی اور خوشبو میں ڈوبے ہوئے نشانات کو اپنی آنکھوں سے لگاتے اور ہونٹوں سے چومتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہوں۔ میں نے منیٰ میں جہاں جہاں قیام کیا، مجھے یوں لگا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں آپ ﷺ قیام فرما ہوئے تھے۔ میرے کانوں سے ایک میٹھی اور دل کو موہ لینے والی آواز ایک لمحے کے لیے جدا نہ ہو سکی اور مجھے یوں لگا جیسے میں اسی آواز میں پائے جانے والے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اپنا ایک ایک لمحہ یہاں گزار رہا ہوں۔ میرے اردگرد لاکھوں کا مجمع ہے لیکن میں نے اسے وہی لاکھ سوا لاکھ کا مجمع سمجھا ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے آیا تھا اور میں اپنے آپ کو وہ خوش نصیب تصور کر رہا ہوں جو اسی لاکھ سوا لاکھ کے مجمع میں شامل ہے۔ میں عرفات پہنچا ہوں تو میری آنکھوں میں عرفات کا وہی منظر سمایا ہوا ہے جس میں جدید دور کی کوئی سہولت نہیں، یہاں

سائے کے لیے سوائے چھوٹی چھوٹی جنگلی جھاڑیوں کے کچھ بھی نہیں۔ عرفات میں خیمے تو نصب ہیں لیکن ان کا انداز اور معیار مختلف ہے حتیٰ کہ میرے آقا ﷺ نے بھی کمبل سے چھاؤں کا انتظام فرمایا ہے۔ ان خیموں کے اندر اور باہر جو لوگ مصروف عبادت ہیں وہ آج کے لوگوں سے یکسر مختلف ہیں۔ ان کا لباس، ان کی چال ڈھال، ان کی گفتگو، غرض ہر انداز مختلف۔ میں انہیں دیکھتا ہوں اور پھر اپنے آپ کو دیکھتا ہوں۔ محسوس ہوتا ہے کہ میں تو انہیں دیکھ سکتا ہوں لیکن شاید وہ مجھے نہیں دیکھ رہے کیونکہ میں نے ان میں سے ایک دو حضرات کی راہ میں حائل ہو کر ان سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ مجھ پر توجہ دینے کی بجائے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے جبل رحمت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ میں نے ایک شخص کو دوسرے شخص سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ قصویٰ پر بطن وادی (جبل رحمت) پہنچ چکے ہیں اور خطبہ مرحمت فرمانے والے ہیں۔ میں بھی ان صاحبان کے پیچھے پیچھے ہو لیتا ہوں۔ ایک جم غفیر جبل رحمت کے ارد گرد جمع ہے۔ مجھے اس مجمع میں ایک مناسب جگہ مل گئی ہے۔ محسوس کرتا ہوں کہ وہ انسان کامل، نور مجسم، رحمت عالم ﷺ مجمع سے مخاطب ہوئے ہیں۔ میرا منہ معطر ہے اور زبان درود پڑھنے لگی ہے اور دل بھی زبان کا ساتھ دے رہا ہے۔ مجمع ساکت ہے۔ سب کے سر جھکے ہوئے ہیں اور لوگ گوش برآواز ہیں۔ مجمع میں سے کچھ لوگوں کو اس کام پر مامور کیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو من و عن دہرائیں تاکہ آپ ﷺ کا فرمایا ہوا ایک ایک لفظ لوگوں تک پہنچ جائے۔ ان لوگوں میں سیدنا بلالؓ اور ربیعہؓ بن امیہ بن خلف وغیرہ شامل ہیں۔

میری سماعت اب دل کو لبھانے والی ایک مبارک آواز سے فیض یاب ہونے لگی ہے۔

"اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا، اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔ لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یک جا ہو سکیں گے۔

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا

ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت و کرامت والا وہی ہے جو زیادہ ڈرنے والا ہے۔ کسی عرب کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر کوئی فوقیت حاصل نہیں، گورا کالے سے افضل ہے اور نہ کالا گورے سے، ہاں فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس سے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت اور برتری کے سارے دعوے، خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ حالہ باقی رہیں گی۔

اے اہل قریش! ایسا نہ ہو کہ اللہ کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو اور دوسرے لوگ مال آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔

اے قریش کے لوگو! اللہ نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگو! تمہارے جان و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں۔ ہمیشہ کے لیے ان کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسے تمہارے لیے اس دن کی، اس ماہِ مبارک کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب اللہ کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت باز پرس فرمائے گا۔

دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں کشت و خون کرنے لگو۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔ لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جیسا تم خود پہنتے ہو۔ دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا۔ زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں، میرے اپنے

خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں۔ دور جہالت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں، عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے۔ اب یہ ختم ہو گیا۔

لوگو! اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دیا ہے۔ اب کوئی کسی وارث کے لیے وصیت نہ کرے۔ بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہو۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو، اس کی سزا پتھر ہے۔ حساب و کتاب اللہ کے ہاں ہو گا۔ جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا، اس پر اللہ کی لعنت۔ قرض قابل ادائی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔ تحفے کا بدلہ تحفہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے، وہ تاوان ادا کرے۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال کسی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں، کوئی کھلی بے حیائی کا کام نہ کریں اور اگر ایسا کریں تو اللہ کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آ جائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ، پہناؤ۔ عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری پابند ہیں اور اپنے لیے وہ خود کچھ نہیں کر سکتیں چنانچہ ان کے بارے میں اللہ کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں اللہ کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لیے حلال ہوئیں۔

لوگو! میری بات سمجھ لو۔ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اگر اس پر قائم رہے اور وہ اللہ کی کتاب ہے اور ہاں دیکھو، دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیے

گئے۔ شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو، اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے۔ اس لیے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز ادا کرو، مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکواۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے اللہ کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا، نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں، انہیں چاہیے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (اللہ تعالیٰ کے یہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟'' تو ہر بار حاضرین نے ہم آواز ہو کر جواب دیا ہے ''ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے امانت (دین) پہنچا دی ہے۔'' اس سوال کا جس طرح ہم آہنگ ہو کر ایک ہی جواب دیا جا رہا ہے، اس نے ماحول میں عجب روحانیت پیدا کر دی ہے۔ میرے آقا ﷺ نے یہ خطبہ اس انداز میں دیا ہے کہ اس کا ہر لفظ نہ صرف حاضرین کے دلوں میں اتر گیا ہے بلکہ اس کا ایک ایک لفظ گنا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا جواب سن کر آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا ہے اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا ہے۔ ''اے اللہ گواہ رہ، اے اللہ گواہ رہ، اے اللہ گواہ رہ۔'' آپ ﷺ کے دہن مبارک سے ان الفاظ کے ادا ہوتے ہی آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے

لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کرلیا۔

میں چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں کہ اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ ﷺ نے اسے اپنے ساتھیوں کو سنادیا ہے جسے سنتے ہی لوگوں میں دین کے مکمل ہونے کی خبر کے باعث خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ آپ ﷺ کے حکم پر سیدنا بلالؓ نے اذان دی ہے اور اقامت کہی ہے۔ آقائے دو جہاں ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی ہے۔ اس کے بعد میرے حبشی آقا بلالؓ نے پھر اقامت کہی ہے، آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی ہے اور دونوں نمازوں کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ ایک بار پھر قصوئی پر سوار ہو کر جائے وقوف پر تشریف لائے ہیں۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے قبلہ رو ہو کر مسلسل وقوف فرمایا ہے یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا ہے۔ سورج کی زردی کے خاتمے اور سورج کے اوجھل ہوتے ہی آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا ہے اور مزدلفہ تشریف لے آئے ہیں۔ آپ ﷺ کے ساتھی بھی مکمل طور پر آپ ﷺ کا اتباع کر رہے ہیں۔ اہل قافلہ میں دو ایسے شخص بھی ہیں جو دوسروں کے برعکس مغموم دکھائی دے رہے ہیں۔ واقعہ یوں ہوا ہے کہ قافلہ مزدلفہ کے لیے روانہ ہونے والا ہے لیکن حضرت ابوبکرؓ کہیں نظر نہیں آ رہے۔ حضرت عمرؓ انہیں ڈھونڈتے ہوئے ایک چھوٹے سے درخت کے قریب پہنچے ہیں جہاں حضرت ابوبکرؓ کھڑے آنسو بہا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے رونے کی وجہ دریافت کرنے پر انہوں نے جواب دیا ہے۔

''جو چیز آپ کے لیے خوشی کی ہے میرے لیے جدائی کی ہے۔ جب دین مکمل ہو گیا ہے تو مقصدِ بعثت بھی پورا ہو گیا ہے۔''

سیدنا عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کی بات سن کر مغموم ہو گئے ہیں۔ وہ انہیں لے کر نبی اکرم ﷺ کی سواری کے پاس آئے ہیں اور آپ ﷺ کی ناقہ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگے ہیں لیکن چہروں پر سے غم کے بادل نہیں چھٹے۔

آپ ﷺ نے مزدلفہ پہنچ کر ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی

نمازیں پڑھی ہیں۔ ان کے درمیان کوئی نفل نہیں پڑھی ہے۔ اس قافلے کے پہنچتے ہی پورے مزدلفہ نے ایک ایسی نورانی محفل کی شکل اختیار کر لی ہے جس میں عبادت و ریاضت کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا ہر فرد ایک روشن ستارہ ہے۔ جس طرف نظر اٹھتی ہے، روشنی کے مینار ہی مینار نظر آتے ہیں۔ ہر شخص نے اپنے اپنے انداز میں رات بسر کی ہے۔ صبح کے نمودار ہوتے ہی آپ ﷺ نے اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھی ہے، پھر قصویٰ پر سوار ہو کر مشعر الحرام تشریف لائے ہیں جہاں آپ نے قبلہ رو ہو کر دعا فرمائی ہے اور اللہ کی تکبیر و تہلیل اور توحید کے کلمات پڑھے ہیں۔ یہ عمل کچھ دیر تک جاری رہا ہے یہاں تک کہ ہر طرف اجالا پھیل گیا ہے لیکن ابھی سورج طلوع نہیں ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت فضیلؓ بن عباس کو اپنے ساتھ سوار ہونے کا اعزاز عظیم بخشا ہے اور منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں نے بھی اتباع کیا ہے۔

میں بھی سر جھکائے آہستہ آہستہ اس قافلے کے ساتھ چل رہا ہوں۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی سواری کی رفتار کو تیز کر دیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ وادیٔ محسر ہے جہاں ابابیلوں کے ذریعے ابرہہ پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ اہل قافلہ نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی ہے۔ تھوڑی دیر کی تیزی کے بعد رفتار پھر اعتدال پر آ گئی ہے۔ کائنات کے عظیم ترین انسان کی قیادت میں اب قافلہ منیٰ میں جمرہ، عقبہ تک آ پہنچا ہے جہاں آپ ﷺ نے تکبیر کے ساتھ سات کنکریاں ماری ہیں جو آپ ﷺ نے مزدلفہ سے اپنے دست مبارک سے چنی تھیں۔ منیٰ میں اس دن کے دوسرے واجبات کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ اپنے جانثاروں اور پیروکاروں کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے آئے ہیں، جہاں آپ ﷺ نے طواف افاضہ (طواف زیارت) فرمایا ہے۔

میں بھی اس قافلے کا ایک فرد ہوں لیکن کمترین جبکہ باقی سب اہل قافلہ بہر لحاظ بلند ترین۔ میں جب سے اس قافلے میں خاموشی کے ساتھ شامل ہوا ہوں، حیرت زدہ ہوں کہ میں اور میرا دور تو سیاہیوں کا دور ہے۔ معاملہ عشق خدا کا ہو یا عشق رسول ﷺ کا، میں اپنے ہم قافلہ

لوگوں کی پاؤں کی دھول کے برابر بھی نہیں۔ میں بجا طور پر اپنے آپ کو کمترین سمجھ رہا ہوں لیکن یہ احساس بھی مجھے مسرور کر رہا ہے کہ کہاں میں سیاہی کا ایک دھبہ اور کہاں یہ منبع انوار اور روشنی کے مینار، یہ خدا کا کرم نہیں تو اور کیا ہے کہ میں اس قافلے کی دھول سے اپنی آنکھوں کو روشن کر رہا ہوں۔ میں اس خوشبو بھری فضا میں سانسیں لے رہا ہوں جس میں یہ عظیم ترین لوگ موجود ہیں۔ میں ان باضمیر لوگوں کے ساتھ چل کر اپنے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کر رہا ہوں جو شاید کبھی جاگا ہی نہ تھا۔ میری سماعت اس آواز سے سرفراز ہو رہی ہے کہ جس کی مٹھاس اور سچائی بے مثال ہے۔ ان کا اتباع کر رہا ہوں کہ جن کا اتباع ہی تو دین کی اصل ہے اور ایمان کی شرط عظیم و اہم ہے۔ سب سے بڑھ کر میری آنکھیں وہ مناظر دیکھ رہی ہیں جو بلاشبہ کائنات کے حسین ترین مناظر ہیں۔ خواہ یہ سب کچھ چشم تصوری کا احسان ہے لیکن میں بجا طور پر خود پر خوش نصیبی کی بارش ہوتی ہوئی محسوس کر رہا ہوں۔

میرے آقا ﷺ طواف فرما رہے ہیں اور آپ ﷺ کے غلام آپ ﷺ کی پیروی۔ ایک جم غفیر ہے لیکن پورے سفر اور اس عمل جلیل میں ایک معمولی سا واقعہ بھی ایسا وقوع پذیر نہیں ہوا ہے جسے بدانتظامی کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ آپ ﷺ نے نماز ظہر ادا فرمائی ہے اس کے بعد آپ ﷺ چاہ زمزم پر تشریف لے گئے ہیں۔ بنو عبدالمطلب سے آپ ﷺ نے فرمایا ہے "بنو عبدالمطلب، تم پانی کھینچو، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ پانی پلانے کے اس کام میں لوگ تمہیں مغلوب کر دیں گے تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھینچتا۔" میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ پانی پلانے کی فضیلت میں اضافے کے لیے عطا فرمائے ہیں اور آپ ﷺ نے پانی کھینچا اس لیے نہیں کہ پھر آپ ﷺ کے قافلے کا ہر فرد آپ ﷺ کا اتباع کرتا اور اس صورت میں نظم و ضبط باقی نہ رہتا۔ آپ ﷺ نے سیر ہو کر پانی پیا ہے اور پھر اپنے قافلے کے ساتھ منیٰ واپس تشریف لے آئے ہیں۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانثاروں اور پیاروں نے ایام تشریق یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ منیٰ ہی میں گزارے ہیں۔ آپ ﷺ نے یوم النحر، یوم رؤس اور یوم

رہا ہوں، اے رب کریم! تیرا کرم ہی مجھے یہاں لے آیا ہے۔ آج آخری دن ہے اور میری یہ حالت ہے۔ طواف وداع کی توفیق اور موقعہ عطا فرما۔ ہر چند میں طواف کر چکا ہوں اور اگر میں یہ طواف نہ کر سکا تو وہی طواف وداع شمار ہو گا لیکن نجانے کیوں میں اس سہولت کے باوجود زندگی بھر ایک کمی اور تشنگی محسوس کرتا رہوں گا۔ بخار کی شدت میں اور اضافہ ہو گیا ہے اور اسی عالم میں آنکھ لگ گئی ہے۔ کچھ دیر بعد مجھے یوں لگا ہے کہ جیسے کوئی مجھے بیدار کر کے طواف کے لیے چلنے کو کہہ رہا ہے۔ میری آنکھ کھلی ہے تو جسم کو پسینے میں شرابور پاتا ہوں۔ آنکھیں کھول کر تھوڑی دیر تک کمرے اور اس میں موجود ہر شے کو دیکھتا رہتا ہوں۔ اہلیہ چائے کی ایک پیالی لا کر دیتی ہیں۔ چائے پینے کے لیے اٹھتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ بخار بالکل نہیں ہے۔ میں اسے اپنی دعا کی قبولیت سمجھتا ہوں۔ چائے پی کر اہلیہ کے ساتھ حرم کی طرف چل پڑتا ہوں۔ وہاں پہنچتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ بھیڑ بالکل کم ہے۔ میں استلام کر کے طواف شروع کرتا ہوں اور عام دنوں سے بھی آدھے وقت میں طواف مکمل کر لیتا ہوں۔ حیران ہوں کہ ان دنوں میں جب حرم میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی ہے، بھیڑ میں اس قدر کمی کہ میں نے نہایت سہولت سے اپنی حسرت کی تکمیل کر لی ہے، یہ کیسے ممکن ہوا ہے؟۔ دل نے جواب دیا کہ یہ صرف اللہ کا احسان ہے۔ جونہی طواف مکمل ہوا ہے، انسانوں کا سمندر پھر سے ٹھاٹھیں مارنے لگا ہے۔

آج سارا وقت حرم میں گزرا ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد ہم نے رو رو کر خانہ کعبہ کی الوداعی زیارت کی ہے۔ دل میں اس کی جدائی کا غم یوں اتر رہا ہے جیسے ہم سے ہماری زندگی کا سب کچھ چھن رہا ہو۔ ہم کعبہ اور مسجد الحرام کے در و دیوار کو دیکھتے ہیں۔ اللہ کریم کے کرم کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس سے بار بار یہاں لانے کی درخواست کرتے ہیں۔ اپنے لیے، اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لیے، اپنی اولاد کے لیے اور اپنے ملک کے لیے دعائیں مانگتے ہیں لیکن محسوس کرتے ہیں کہ فرقت کا غم کانٹا بن کر دل میں اتر رہا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ یہ منظر عظیم و حسین ترین آنکھوں سے اوجھل نہ ہو لیکن وقت کا دریا اس طاقت اور تیزی سے بہہ رہا ہے کہ وہ ہمیں اٹھا کر

پہلے قیام گاہ اور پھر کسب پر لے آیا ہے جہاں سلیم اور شہزاد ہمیں بھیگی ہوئی آنکھوں سے رخصت کر رہے ہیں۔

جب بس روانہ ہوتی ہے تو میں سوچنے لگتا ہوں کہ سفر چاہے ایک ہی راستے کا کیوں نہ ہو لیکن کسی پسندیدہ ترین منزل کی طرف جانے اور وہاں سے لوٹنے میں جذبات اور محسوسات میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ میں اگر اپنے اس سفر کے حوالے سے بات کروں تو وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ درِ خدا اور درِ حبیب خدا ﷺ پر جانے کی خوشی جس طرح بے مثال ہے اسی طرح وہاں سے واپسی کا غم بھی بے مثال ہی ہے۔ میں آج انہی راستوں پر چل کر بہاول پور لوٹ رہا ہوں جن پر چل کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گیا تھا لیکن مجھے آج یہ راستے بالکل مختلف لگ رہے ہیں۔ میں کچھ روز قبل جب بہاول پور سے چلا تھا تو میرا منہ کعبے کی طرف تھا اور آج میرا منہ۔۔۔۔ میں اس سفر کو ایک تصویر کی طرح دیکھ رہا ہوں جس میں روانگی کے وقت اس کا روشن پہلو میرے سامنے تھا جبکہ آج اس کا تاریک پہلو میرے سامنے ہے اور میں تاحدِ نظر پھیلی ہوئی اس تاریکی کی طرف لوٹ رہا ہوں جہاں دنیاداری کا عفریت منہ کھولے میرے انتظار میں ہے۔

خورشید ناظر
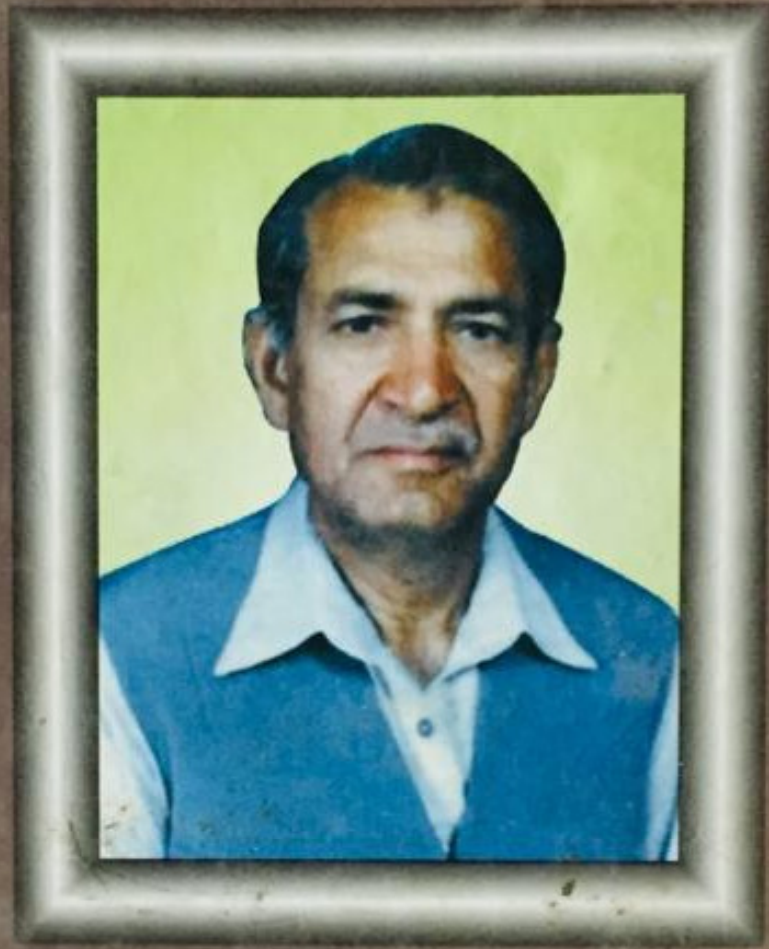
سفرنامہ نگاری نے ادب میں جگہ بنانے کے لئے ایک طویل سفر طے کیا ہے کیونکہ ابتدائی سفرنامے جغرافیہ، تاریخ، رپورٹنگ اور معلومات کا ذائقہ تو رکھتے ہیں تاہم ادب کے لئے جن لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان میں کہیں بھی نظر نہیں آتے عہد حاضر کا سفرنامہ سفرنامہ نگار سے توقع رکھتا ہے کہ وہ ادب کی دوسری اصناف پر بھی دسترس رکھتا ہو کیونکہ اس میں بہت سی دوسری اصناف ادب کا عمل دخل ہوتا ہے۔ خورشید ناظرؔ نے ثابت کر دیا ہے کہ ایک تخلیق کار اپنے جذبات واحساسات کو کسی بھی صنفِ ادب میں کامیابی کے ساتھ بیان کر سکتا ہے۔ خورشید ناظرؔ جتنے کامیاب شاعر ہیں، اُتنے ہی کامیاب سفرنامہ نگار بھی ثابت ہوئے ہیں۔ ان کا سفرنامہ "ہر قدم روشنی" جہاں جذبوں کا حسین مرقع ہے وہاں فن کی بلندیوں کو بھی چھو رہا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد کے بقول "ہر قدم روشنی" کو نہ صرف پڑھنا چاہیے بلکہ اسے اپنے لیے رہنما بنانا چاہیے کیونکہ اس میں وہ تمام چیزیں آ گئی ہیں جن کی صاحب دل شخص کو ضرورت ہو سکتی ہے۔

پروفیسر نذر خلیق
شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج خان پور

میاں محمد بخش پبلشرز